

Kinds of Uncertainty

غُرُوضَاتٌ

اس کتاب میں مشہور فقہی اصطلاح ”غُرُ“ کی حقیقت بیان کرنے کے بعد اسکی مختلف صورتوں پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد صدیقی صاحب (پاکستان)

مکتبہ معارف القرآن کراچی

(Quranic Studies Publishers)

KINDS OF UNCERTAINTY

غُرر کی صورتیں

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الغرر۔
(ابن ماجہ)

KINDS OF UNCERTAINTY

غرر کی صورتیں

اس کتاب میں معروف فقہی اصطلاح ”غرر“ (Uncertainty) کی حقیقت بیان کرنے کے بعد اس کی ان تمام صورتوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن سے متعلق شرعی احکام پر عمل پیرا ہونے سے ہمارے بہت سے مالی معاملات شریعت کے سانچے میں ڈھل سکتے ہیں۔

ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد صدیقی (پی ایچ ڈی)



مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)

باہتمام : خِصْرَ اشْفَاقِ قَاسِمِیؒ
طبع جدید : محرم ۱۴۳۰ھ - جنوری ۲۰۰۹ء
مطبع : زم زم پرنٹنگ پریس کراچی
ناشر : مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
فون : (92-21) 5031565, 5031566
ای میل : info@quranicpublishers.com
ویب سائٹ : www.quranicpublishers.com

ملنے کے پتے:

✿ مکتبہ معارف القرآن کراچی
فون: 5031565 - 5031566

✿ اِذَا زُلَ الْمَعَارِفِ کراچی
فون: 5049733 - 5032020

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۴۳	غرر کی تعریف موجودہ قوانین میں	۱۶	تقریظ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب
۴۴	اصطلاحی معنی کے لئے قانونی عبارات	۱۷	تقریظ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب
	غرر کی شرعی اور قانونی تعریفات کے	۱۸	تقریظ مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب
۴۸	درمیان مقارنہ (Comparision)	۲۱	ضروری گزارش
۴۹	غرر کی تقسیمات	۲۳	مقدمہ
	غرر کی تقسیم مؤثر ہونے یا نہ	۲۳	موضوع کا تعارف اور اس کی اہمیت
۴۹	ہونے کے اعتبار سے	۲۵	غرر کی لغوی تعریف
۴۹	غرر کے مؤثر ہونے کے لئے شرائط	۲۸	انگریزی میں استعمال ہونے والے الفاظ
۵۰	پہلی شرط	۲۸	اصطلاحی تعریف
	کیا غرر کثیر اور غرر یسر کے لئے	۳۱	ضروری وضاحت
۵۰	کوئی ضابطہ ہے؟		غرر سے متعلق قرآنی آیات اور ان
۵۲	دوسری شرط	۳۲	کی تشریح
۵۴	تیسری شرط	۳۴	غرر سے متعلق احادیث
۵۶	چوتھی شرط	۳۶	تشریح احادیث
	غرر کی تقسیم اسباب غرر کے	۳۶	”بیع الغرر“ میں کونسی اضافت ہے؟
۶۰	اعتبار سے	۳۷	ممانعت میں عموم ہے یا نہیں؟
۶۴	ترجیح	۴۰	غرر کا شرعی حکم
۶۴	وضاحت	۴۱	غرر کا مفہوم زمانہ جاہلیت میں
		۴۲	اسلام آنے کے بعد تبدیلی

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
	صفقتان فی صفقة (ایک عقد میں		باب اول
۸۵	کوئی سے دو معاملات کرنا)	۶۵	عقد میں جہالت کے اعتبار سے غرر
	”صفقتان فی صفقة“ کا ایک		بیعتان فی بیعة (ایک عقد میں بیع
۸۷	دوسرا مطلب	۶۵	کے دو الگ الگ معاملے کرنا)
	صفقتان فی صفقة سے متعلق	۶۶	بیعتان فی بیعة کی حقیقت
۸۷	روایات	۶۶	پہلی تشریح
	کیا ”صفقتان فی صفقة“ کی تمام	۶۷	دوسری تشریح
۸۹	صورتیں ممنوع ہیں؟	۶۸	تیسری تشریح
	”صفقتان فی صفقة“ کی منصوص		اُدھار کی صورت میں زیادہ قیمت پر
۹۴	صورتیں	۶۹	اشیاء کی خرید و فروخت کا حکم
	بیع و سلف (بیع اور قرض یا سلم کو	۷۰	جمہور فقہاء اور محدثین کا مذہب
۹۵	ایک ساتھ جمع کرنا)	۷۵	جمہور کے دلائل
۹۷	بیع و سلف کی صورتیں		بعض فقہائے کرام کا مذہب اور ان
۹۹	بیع و شرط (بیع کے اندر کوئی شرط لگانا)	۷۶	کے دلائل
۱۰۰	علمی لطیفہ	۷۷	مذکورہ دلائل کے جوابات
۱۰۰	اختلاف مذاہب	۷۷	پہلی دلیل کا پہلا جواب
۱۰۲	خفیہ	۷۹	دوسرا جواب
۱۰۴	شافعیہ	۸۰	تیسرا جواب
۱۰۴	مالکیہ	۸۰	دوسری دلیل کا جواب
۱۰۵	حنابلہ	۸۰	تیسری دلیل کا جواب
۱۰۶	دیگر مذاہب		مجمع الفقہ الاسلامی (جدہ) کی قرارداد
۱۰۶	ائمہ اربعہ کے دلائل کا جائزہ اور ترجیح	۸۱	وضاحت

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۱۲۳	وعدہ پورا کرنے کی شرعی حیثیت	۱۰۹	حدیث جابر کے جوابات
۱۳۰	بیع العربون (بیعانہ)	۱۰۹	حدیث بریرہ رضی اللہ عنہا کے جوابات
۱۳۰	لغوی تعریف		عصر حاضر میں بیع کے اندر شرط لگانے
۱۳۱	وجہ تسمیہ	۱۱۰	کی بعض صورتیں
۱۳۱	اصطلاحی تعریف		کیا حکومت وقت بھی قانونی طور پر
	بیع العربون میں صرف خریدار کے لئے	۱۱۱	ایسی شرط جاری کر سکتی ہے؟
۱۳۳	خیار ہوتا ہے		بیع و شرطین (بیع کے اندر دو
۱۳۳	بیع العربون سے متعلق روایات	۱۱۱	شرطیں لگانا)
۱۳۴	پہلی روایت	۱۱۴	فائدہ
۱۳۵	دوسری روایت	۱۱۴	ایک سوال اور اس کا جواب
۱۳۶	حضرت نافع بن عبدالحارث کا واقعہ	۱۱۵	ترجیح
	بیع العربون کا حکم اور اس میں غرر		مروجہ بینکاری میں صفقتان فی
۱۳۷	کا جائزہ		صفقة کی رائج ایک صورت ہائر
۱۳۹	جانہین کے دلائل	۱۱۶	پرچیز (Hire Purchase)
۱۳۹	مانعین کے دلائل	۱۱۷	فقہی اعتبار سے بننے والی صورت
۱۳۹	پہلی دلیل	۱۱۹	شرعی متبادل
۱۳۹	دوسری دلیل		بیان کئے گئے شرعی متبادل کی مختصر
۱۴۰	تیسری دلیل	۱۲۱	تشریح
۱۴۱	چوتھی دلیل	۱۲۱	پہلی صورت: بیع کا وعدہ
۱۴۱	پانچویں دلیل	۱۲۲	دوسری صورت: ہبہ کا وعدہ
۱۴۲	چھٹی دلیل	۱۲۲	تیسری صورت: معلق ہبہ
۱۴۲	ساتویں دلیل	۱۲۳	ایک سوال اور اس کا جواب

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۱۵۷	ج - بیع دوبارہ ہونے پر کچھ رقم دینا	۱۴۳	مجوزین کے دلائل
	بیع الحصة (کنکر پھینکنے سے بیع	۱۴۳	پہلی دلیل
۱۵۹	ہو جانا)	۱۴۳	دوسری دلیل
۱۵۹	بیع الحصة کی تفسیر مذاہب اربعہ میں	۱۴۴	تیسری دلیل
۱۵۹	حنفیہ	۱۴۴	معاصر علماء کی آراء
۱۶۱	مالکیہ		مجموع الفقہ الاسلامی
۱۶۲	شافعیہ	۱۵۰	(العالمی) کی قرارداد
۱۶۳	حنابلہ	۱۵۰	المجلس الشرعی کا فیصلہ
۱۶۳	پہلی تعریف	۱۵۱	ترجیح
۱۶۳	دوسری تعریف		بیع العربون کی ضرورت کہاں پیش
۱۶۳	تیسری تعریف	۱۵۱	آتی ہے؟
	بیع الملامسة (چھونے سے بیع	۱۵۳	بیع العربون سے ملتی جلتی صورتیں
۱۶۴	ہو جانا)		الف - بیع الخيارات (Option
۱۶۵	صحابہ کرام سے مروی اقوال	۱۵۳	Sale)
۱۶۷	فقہائے کرام سے مروی اقوال	۱۵۳	۱- اختیار الطلب (Call Option)
۱۶۷	حنفیہ	۱۵۳	۲- اختیار الدفع (Put Option)
۱۶۸	مالکیہ		۳- اختیار المربک (Stradle
۱۶۸	شافعیہ	۱۵۴	Option)
۱۶۹	حنابلہ	۱۵۴	اختیار فراہم کرنے کی فیس
۱۶۹	بیع المناقلة (بیع پھینک کر بیع کرنا)	۱۵۴	بیع العربون سے مشابہت
۱۷۰	صحابہ کرام سے مروی اقوال	۱۵۵	بیع الخيارات کا حکم
۱۷۲	فقہائے کرام سے مروی اقوال	۱۵۶	ب - بیع نہ ہونے پر بیع نہ کی واپسی

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۱۸۴	۲- وہ عقود جن کے اندر تعلیق جائز ہے	۱۷۲	خفیہ
۱۸۵	ب- التزامات	۱۷۳	مالکیہ
۱۸۵	تعلیق کے ناجائز نہ ہونے کی وجہ	۱۷۳	شافعیہ
۱۸۷	تیسری قسم کے عقود	۱۷۴	حنابلہ
۱۸۸	شرط ملائم	۱۷۵	العقد المعلق والعقد المضاف
۱۸۸	صرف شرط ملائم کے جائز ہونے کی وجہ	۱۷۵	العقد المعلق
۱۸۹	العقد المضاف	۱۷۵	لغوی تعریف
۱۸۹	لغوی اور اصطلاحی تعریف	۱۷۶	اصطلاحی تعریف
۱۹۰	تعلیق اور اضافت میں فرق	۱۷۷	تعلیق صوری اور اس کی اقسام
۱۹۰	پہلا فرق	۱۷۷	پہلی صورت
۱۹۲	دوسرا فرق	۱۷۸	دوسری صورت
۱۹۳	تیسرا فرق	۱۷۸	تیسری صورت
۱۹۴	چوتھا فرق		تعلیق قبول کرنے کے اعتبار سے
۱۹۵	پانچواں فرق	۱۷۹	عقود کی اقسام
۱۹۶	چھٹا فرق	۱۸۰	تشریح
۱۹۶	اضافت کے اعتبار سے عقود کی اقسام		۱- وہ عقود جنہیں کسی شرط کے ساتھ
۱۹۷	تشریح	۱۸۰	معلق نہیں کیا جاسکتا
	۱- وہ معاملات جو اضافت کے بغیر	۱۸۰	ضروری وضاحت
۱۹۷	منعقد نہیں ہوتے	۱۸۱	تعلیق کے ناجائز ہونے کی وجہ
	۲- وہ عقود جو اضافت کو قبول نہیں	۱۸۱	۱- غرر
۱۹۸	کرتے	۱۸۳	ب- قمار
۱۹۸	عدم جواز کی وجہ	۱۸۴	ج- عدم تحقق رضا

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۲۱۵	علامہ شرنبلالی کے دلائل	۳-	وہ معاملات جن کی مستقبل کی
۲۱۶	علامہ شرنبلالی کے دلائل کا جواب	۲۰۱	طرف اضافت کرنا صحیح ہے
۲۱۹	شافعیہ		باب دوم
۲۱۹	پہلا قول		مبیع (Subject Matter) میں
۲۱۹	دوسرا قول	۲۰۳	جہالت کے اعتبار سے غرر
۲۱۹	تیسرا قول	۲۰۳	مجهول الذات مبیع کا حکم
۲۲۰	مالکیہ اور حنابلہ	۲۰۴	حنفیہ
	مجهول الصفت اشیاء کی چند مثالیں	۲۰۶	سوال
۲۲۱	اور ان کا حکم	۲۰۶	جواب
	زمین میں پوشیدہ سبزیوں کی خرید و	۲۰۶	غور طلب
۲۲۱	فروخت	۲۰۷	عدویات متقاربه کا حکم
	چھلکے میں پوشیدہ غذائی اشیاء کی	۲۰۸	مالکیہ
۲۲۲	خرید و فروخت	۲۰۸	شافعیہ، حنابلہ، ظاہریہ
۲۲۴	پہلے سے چیک کرنے کی شرط لگانا	۲۰۹	عدم جواز کی وجہ
۲۲۴	مجهول المقدار مبیع کا حکم		پسندیدگی کے لئے کپڑے وغیرہ
	مجهول المقدار مبیع کی خرید و فروخت	۲۱۰	بھینچنے کا حکم
۲۲۵	کی چند صورتیں	۲۱۰	مجهول الجنس مبیع کا حکم
۲۲۵	بیع المزابنہ	۲۱۰	حنفیہ
۲۲۶	بیع المزابنہ کی حقیقت	۲۱۲	مالکیہ
	کیا بیع المزابنہ کھجور کے علاوہ دیگر	۲۱۳	شافعیہ، حنابلہ
۲۲۸	اشیاء میں بھی ہو سکتی ہے؟	۲۱۳	مجهول الصفت مبیع کا حکم
		۲۱۴	حنفیہ

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۲۳۱	لغت کے اعتبار سے ترجیح		تازہ کھجوروں کو خشک کے بدلے
۲۳۲	روایات کے اعتبار سے ترجیح	۲۲۹	بیچنے کا حکم
۲۳۳	عقلی اعتبار سے ترجیح	۲۲۹	ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کا مذہب
	حنفیہ کی بیان کردہ تشریح پر چند	۲۳۰	دلائل
۲۳۴	اعتراضات اور ان کے جوابات	۲۳۱	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب
۲۳۴	اعتراض	۲۳۱	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل
۲۳۴	جواب		امام اعظم کی دلیل پر اعتراضات
۲۳۵	اعتراض	۲۳۳	اور ان کے جوابات
۲۳۵	جواب	۲۳۳	پہلا اعتراض
۲۳۵	اعتراض	۲۳۳	جواب
۲۳۵	جواب	۲۳۴	دوسرا اعتراض
۲۳۶	اعتراض	۲۳۴	جواب
۲۳۶	جواب	۲۳۵	جمہور فقہاء کے دلائل کے جوابات
	مجهول المقدار بیع کی ایک جائز	۲۳۶	بیع المحاقلة
۲۳۶	مرؤجہ صورت	۲۳۶	بیع المحاقلة کسے کہتے ہیں؟
۲۳۷	بیع المجازفة (اٹکل سے بیع کرنا)	۲۳۷	بیع العرایا
۲۳۹	حنفیہ	۲۳۹	شافعیہ
۲۳۹	مالکیہ	۲۳۹	حنابلہ
۲۵۰	۱- بیچی جانے والی چیز نظر آرہی ہو	۲۴۰	مالکیہ
۲۵۰	۲- بیع کی مقدار معلوم نہ ہو	۲۴۰	حنفیہ
۲۵۰	۳- عددیات میں خاص شرط	۲۴۱	خلاصہ
۲۵۰	۴- اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہو	۲۴۱	مذہب حنفی کی وجوہ ترجیح

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
	حاصل الحمل کی بیع کے بارے میں	۲۵۱	۵- سطح زمین ہموار ہو
۲۶۷	فقہی عبارات	۲۵۱	شافعیہ اور حنابلہ
۲۷۱	۲- فصل کی کٹائی کے وعدہ پر خریداری		باب سوم
۲۷۱	غور طلب	۲۵۳	مدت میں جہالت کے اعتبار سے غمر
۲۷۲	۳- مدت بیان کئے بغیر خریداری کرنا	۲۵۴	جہالت یسرہ اور جہالت فاحشہ
۲۷۳	۴- مرضی کی مدت	۲۵۵	کوئی جہالت مفید عقد ہے؟
۲۷۳	جواز کی صورت	۲۵۵	حنفیہ، شافعیہ، ظاہریہ
۲۷۳	کیا تنخواہ کو عطاء پر قیاس کیا جاسکتا ہے؟	۲۵۹	مالکیہ
		۲۵۹	حنابلہ
	باب چہارم	۲۶۲	خلاصہ
۲۷۵	ثمن میں جہالت کے اعتبار سے غمر	۲۶۲	مانعین کے دلائل
۲۷۶	جہالت ثمن کی صورتیں	۲۶۲	پہلی دلیل
۲۷۷	ثمن کا ذکر کئے بغیر بیع کرنا	۲۶۳	دوسری دلیل
۲۷۷	حنفیہ کی عبارات	۲۶۳	مجوزین کے دلائل
۲۷۸	مذہب جمہور کی عبارت	۲۶۳	۱- ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فعل
۲۷۹	بازاری یا لکھی ہوئی قیمت وغیرہ پر بیع کرنا	۲۶۴	۲- حضرت عائشہؓ کا قول
	ان معاملات کے عدم جواز پر دیگر	۲۶۴	۳- اُمہات المؤمنینؓ کا عمل
۲۸۱	فقہاء کی عبارات	۲۶۴	۴- عقلی دلیل
۲۸۳	بیع الاستجرار	۲۶۵	ترجیح
۲۸۳	بیع الاستجرار کی اقسام	۲۶۵	مجبور المدت بیوع کی چند مثالیں
۲۸۴	ثمن مؤخر کے ساتھ بیع الاستجرار کرنا	۲۶۵	۱- حاصل الحمل کی بیع
۲۸۴	مبلغ مقدم کے ساتھ بیع الاستجرار کرنا	۲۶۵	حاصل الحمل کی بیع سے کیا مراد ہے؟

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۳۱۳	حنابلہ	بیع الاستجرار کے بارے میں	
۳۱۴	ہو میں موجود پرندے کی خرید و فروخت	۲۸۵	فقہائے کرام کی آراء
۳۱۴	حنفیہ	بیع الاستجرار میں رکھوائی گئی ایڈوانس	
۳۱۵	شافعیہ	۲۹۳	رقم کی شرعی حیثیت
۳۱۶	حنابلہ		تعیین قیمت کا فارمولہ (Bench mark)
۳۱۷	دین (قرض) کی بیع	۲۹۶	متبادل معیار (Alternative Benchmark)
۳۱۸	قرض بیچنے کی صورتیں		
۳۱۸	بیع الکالی بالکالی	۳۰۱	باب پنجم
۳۲۱	قرض بیچنے کی دوسری صورت		بیع کے غیر مقدور التسلیم ہونے
۳۲۱	پہلی صورت کی مثال اور اس کا حکم		کے اعتبار سے غرر
۳۲۲	دوسری صورت کا حکم	۳۰۳	کیا بیع میں بیع سپرد کرنے کی
۳۲۲	حنفیہ اور حنابلہ		قدرت ہونا شرط ہے؟
۳۲۳	مالکیہ	۳۰۳	جمہور فقہاء کا مذہب
۳۲۵	شافعیہ	۳۰۳	علامہ ابن حزم کا مذہب
۳۲۷	ابن القیم کی رائے	۳۰۶	علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کے دلائل
۳۲۸	ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی کی رائے	۳۰۶	جمہور فقہائے کرام کے دلائل
۳۲۸	پروفیسر ڈاکٹر الصدیق الضریر کی رائے	۳۰۸	غیر مقدور التسلیم بیع کی چند مثالیں
۳۲۹	ترجیح	۳۰۹	پانی میں موجود مچھلی بیچنے کی صورتیں
	موجودہ دور میں قرض بیچنے کی مختلف		اور ان کا حکم
۳۳۰	صورتیں	۳۰۹	حنفیہ
۳۳۰	ثمن بیچنے کی ایک صورت	۳۱۰	شافعیہ
۳۳۰	جائز صورت	۳۱۲	

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۳۵۳	امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کا مذہب	۳۳۱	ملنے والی تنخواہ یا انعام کی بیع
۳۵۴	ترجیح		سندات (Documents) کی خرید
	عدم جواز کی علت کے بارے میں	۳۳۳	وفروخت
۳۵۶	فقہاء کرام کی آراء		بل آف ایکسچینج (Bill of Exchange) کی بیع
۳۵۶	مالکیہ	۳۳۴	جائز صورت
۳۵۶	حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ	۳۳۶	ضروری وضاحت
۳۵۸	علامہ ابن تیمیہ کی رائے	۳۳۷	
۳۵۹	ایک مخصوص علت اور اس کی تطبیق		باب ششم
۳۶۰	مختلف اشیاء میں قبضہ کی حقیقت		بیع کے مبنی بر خطر ہونے کے اعتبار
۳۶۲	حنفیہ		سے غمر
۳۶۳	مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ	۳۳۹	غیر مملوک چیز بیچنے کا حکم
۳۶۵	خلاصہ	۳۳۹	جواز کی صورتیں
۳۶۶	تخلیہ کی شرائط	۳۴۲	۱- بیع الوکیل
۳۶۷	بیع قبل القبض کے نقصانات	۳۴۲	۲- بیع الفضولی
۳۶۸	۱- مہنگائی	۳۴۲	۳- بیع سلم
۳۶۸	۲- ربا اور غمر	۳۴۳	غیر متبش چیز بیچنے کا حکم
۳۶۹	۳- مزدور طبقے کے لئے نقصانات	۳۴۴	بیع قبضہ کے متعلق فقہائے
	سٹہ (Speculation) اور اس کی		کرام کے اقوال
۳۷۱	حقیقت	۳۴۶	حنابلہ
۳۷۲	سٹہ کے ناجائز ہونے کی وجوہات	۳۴۶	مالکیہ
۳۷۲	۱- غیر مملوک کی بیع	۳۵۰	شوافع اور امام محمد کا مذہب
۳۷۲	۲- بیع قبل القبض	۳۵۱	

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
	پھلوں کی خرید و فروخت کی صورتیں		مستقبل کی تاریخ پر خرید و فروخت (Future Sale)
۳۸۶	اور ان کا حکم	۳۷۳	
۳۸۶	پھل ظاہر ہونے سے پہلے بیع کرنا		عقود المستقبلات (Future Sale)
۳۸۹	پھل ظاہر ہونے کے بعد بیع کی صورتیں		اور غائب سودے (Sale)
۳۹۰	قبل بدو الصلاح بیع کا حکم	۳۷۳	میں فرق (Forward Sale)
۳۹۰	پہلی اور دوسری صورت	۳۷۵	شرعی حکم
۳۹۳	تیسری صورت		کرنسی کی خرید و فروخت میں عقود
	بدو الصلاح کے بعد پھلوں کی بیع		المستقبلات (Future Sale) کی
۳۹۷	کا حکم	۳۷۶	ایک صورت
۳۹۹	خلاصہ	۳۷۸	شرعی حکم
	پھلوں کی خرید و فروخت کی مروجہ		معدوم چیز بیچنے کا حکم (البضائع
۳۹۹	صورتیں اور ان کا حکم	۳۷۹	المستقبلہ)
۴۰۰	پانچ صورتیں	۳۸۱	عدم جواز کے دلائل
	حصص کی خرید و فروخت کی مختلف	۳۸۱	الف- غرر کی ممانعت سے متعلق روایات
۴۰۴	صورتوں میں غرر کا جائزہ		ب- بیع المعاومہ سے ممانعت کے
۴۰۵	فوری سودے (Spot Trading)	۳۸۲	متعلق روایات
۴۰۹	حصص کا قبضہ کب متحقق ہوتا ہے؟	۳۸۲	ج- حمل الحمل سے متعلق روایات
۴۱۲	مستقبل کے سودے (Futures)		علامہ ابن تیمیہ اور ابن القیم رحمہما اللہ
۴۱۵	فاریکس (Forax) کا کاروبار	۳۸۲	کی رائے
۴۱۷	مصادر و مراجع (Bibliography)	۳۸۳	ترجیح
			بیع الثمار قبل بدو الصلاح (پھل پکنے
		۳۸۴	سے پہلے اس کی خرید و فروخت)



تقریظ

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

رَحِمَہُ اللہُ الرَّحِیْمُ

نَحْمَدُہُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اَمَّا بَعْدُ!

عزیز القدر مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب نے ماشاء اللہ دورہ حدیث بھی جامعہ دارالعلوم کراچی میں محنت سے کیا اور درجہ تخصص فی الافاء کی تکمیل بھی یہیں سے کی۔ اس عرصے میں ان کا علمی ذوق و شوق اور اس سلسلے میں ان کی محنت و کاوش سامنے آتی رہی، بعض فقہی مسائل بھی یہ مجھے دکھاتے رہے، جس سے قوی اُمید ہے کہ یہ فقہ و فتویٰ کے کام میں اسی طرح لگے رہے تو ان شاء اللہ اس میدان میں تیز رفتار ترقی کریں گے۔

آج انہوں نے ”غُرر“ کے موضوع پر لکھا گیا اپنا مقالہ دکھایا، اسے مطالعہ کرنے کی نوبت تو ناچیز کو نہیں آئی لیکن ورق گردانی اور عنوانات کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ ”غُرر“ جیسے غیر مخدوم موضوع پر ان کا یہ مقالہ شاید پہلی کتابی کوشش ہو جس میں اس موضوع پر اتنی تفصیل سے کلام کیا گیا ہے، اُمید ہے کہ انہوں نے اس میں بھی اپنی عادت کے مطابق تحقیق سے کام لیا ہوگا۔

دل سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے، ان کے علم و عمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔

واللہ المستعان

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی

تقریظ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ
الْكَرِيمِ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ. أَمَّا بَعْدُ!

ماشاء اللہ عزیز گرامی مولانا اعجاز احمد صدیقی صاحب نے ”غزوات“ کے موضوع پر
ایک ضخیم مقالہ تیار کیا ہے۔ انہوں نے یہ موضوع بندے کے مشورے ہی سے منتخب کیا تھا،
اور تحریر کے دوران کبھی کبھی مشورے بھی کرتے رہے۔

بندے نے یہ مقالہ بالاستیعاب تو نہیں دیکھا، لیکن اس کا معتد بہ حصہ دیکھنے کا
موقع ملا ہے، اور یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ بفضلہ تعالیٰ عزیز موصوف نے نہایت محنت اور
عرق ریزی سے متعلقہ مواد جمع کیا ہے، اور اسے سلیقے کے ساتھ مقالے میں نہ صرف پیش
کیا ہے، بلکہ اس سے بہت سے معاملات میں درست نتائج نکالے ہیں۔ اس سے عزیز
موصوف کی استعداد، سلیقہ تالیف اور مسائل کی فہم کا اندازہ ہوتا ہے۔ دل سے دُعا ہے کہ
اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائیں، اور اسے طلبہ اور اہل
علم کے لئے نافع بنائیں، آمین ثم آمین۔

بندہ
محمد تقی عثمانی عفی عنہ
جامعہ دارالعلوم کراچی
۱۴۲۴ھ ۵/۳۰

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی مدظلہم
استاذ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى خُصُوصًا
عَلَى سَيِّدِنَا وَشَفِيعِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ، وَبَعْدُ

عزیز القدر مولوی اعجاز احمد صدیقی سلمہ اللہ تعالیٰ وعلمہ ما ینفعہ کا ”غزیر“ کے
موضوع پر تحریر کردہ مقالہ احقر دوران تحریر وقتاً فوقتاً دیکھتا رہا اور جو مشورہ مناسب معلوم ہوا،
موجز سلمہ کے لئے تحریر کرتا رہا، اس طرح بحمد اللہ پورا مقالہ دیکھنے کا موقع ملا۔

بحمد اللہ یہ بات باعث مسرت ہے کہ عزیز سلمہ نے پورا مقالہ محنت اور تندی سے
مکمل کیا ہے اور موضوع سے متعلق اہم مباحث منظم اور مرتب طریقے سے جمع کر دیئے ہیں۔
وَمَا هُوَ إِلَّا أَنَّهُ تَعَالَىٰ إِنْ كُنِيَ اسْمُهُ فِي شَرْفٍ قَبُولٍ سَ نَوَازِیْ اَوْر
انہیں دین کی سچی اور مقبول خدمت کی مزید و مزید توفیق نصیب فرمائیں۔ (آمین)

احقر محمود اشرف غفر اللہ

جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۴۲۳/۵/۱۶ھ

انتساب



للہ ولہ ہولہ

ضروری گزارش

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ
الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ، أَمَّا بَعْدُ:

رَبِّ دُومَن کا بے پایاں فضل و کرم ہے کہ اس نے مجھ جیسے تہی دامن علم کو ”غرر“ جیسے غیر مخدوم علمی موضوع پر قلم اٹھانے کی توفیق عنایت فرمائی۔ بلاشبہ یہ ایک ایسا موضوع ہے جو مالی معاملات کی بہت زیادہ صورتوں کو محیط ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مالی معاملات کے اندر بنیادی طور پر صرف دو چیزوں سے بچنے کی ضرورت ہے، ایک ”سود“ سے اور دوسرے ”غرر“ سے۔ الحمد للہ، عام طور پر مسلمانوں کے ذہنوں میں سود کی حقیقت بھی موجود ہوتی ہے اور اس سے بچنے کا جذبہ بھی، لیکن ”غرر“ سے عمومی طور پر ناواقفیت پائی جاتی ہے اور معاملات کے اندر بھی اس سے بچنے کا اہتمام نہیں ہوتا، مثلاً کوئی چیز خریدنے کے بعد اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے آگے بیچنا (بیع قبل القبض) شرعاً ناجائز ہے، لیکن ہماری مارکیٹیں اس طرح کے معاملات سے بھری ہوئی ہیں۔ اسی طرح اور بھی ایسے سینکڑوں معاملات ہمارے بازاروں میں رائج ہیں جن کے اندر ”غرر“ کسی نہ کسی صورت میں موجود ہوتا ہے، اس لئے اس بات کی ضرورت تھی کہ اس موضوع پر باقاعدہ قلم اٹھایا جائے تاکہ مسلمان ”غرر“ کی حقیقت سے واقف ہونے کے بعد اپنے معاملات کو شریعت کے سانچے میں ڈھال سکیں۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ ابھی تک اس موضوع پر اردو زبان میں باقاعدہ کوئی تصنیف احقر کی نظر سے نہیں گزری، چنانچہ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے بندے نے ابتداءً

جامعہ دارالعلوم کراچی میں تخصص فی الافتاء کی تربیت کے دوران اسے موضوع تحقیق بنایا جس میں ”غرر“ کی حقیقت اور اس کی مختلف صورتوں کو زیر بحث لایا گیا۔ الحمد للہ، جامعہ کے اکابر نے اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور تخصص فی الافتاء میں بتقدیر ”ممتاز“ سند مرحمت فرمائی۔

تاہم ابھی تک اس موضوع پر کافی کام کرنے کی ضرورت تھی، خصوصاً مختلف مالی معاملات میں اس کے مختلف اثرات کا جائزہ لینے کی بھی ضرورت تھی۔ اس لئے بندے نے کراچی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کے لئے بھی اسے اپنی تحقیق کا موضوع بنایا، جس میں بندے نے نفس موضوع پر مزید تحقیق کے علاوہ مالی معاملات پر ”غرر“ کے اثرات کو موضوع بحث بنایا، الحمد للہ یہ مقالہ بھی پایہ تکمیل کو پہنچا اور بحمد اللہ جامعہ کراچی کی طرف سے پی ایچ ڈی کی ڈگری مل گئی۔

بعض اکابر اور دوستوں نے مشورہ دیا کہ ان دونوں مقالوں کا شائع کرنا بہت مفید ہے، چنانچہ بندے نے ان پر نظر ثانی کے بعد اشاعت کا فیصلہ کیا۔ ان میں سے پہلا مقالہ ”غرر کی صورتیں“ کے عنوان سے، جبکہ دوسرا مقالہ ”مالی معاملات پر غرر کے اثرات“ کے عنوان سے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس وقت آپ کے ہاتھوں میں پہلا مقالہ ہے۔

بندہ اس موقع پر شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم، اُستاذِ مکرم مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم اور اُستاذِ مکرم مولانا محمد زبیر اشرف عثمانی صاحب مدظلہم کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے کہ ان کی سرپرستی، رہنمائی اور مفید مشوروں کی بدولت ان مقالوں کی تکمیل ممکن ہو سکی۔

بارگاہِ الہی میں التجا ہے کہ بندے کی اس حقیر کاوش کو قبول فرمائیں اور اسے اہل علم اور عامۃ المسلمین کے لئے مفید اور نافع بنائیں۔ (آمین)

اعجاز احمد حمدانی

جامعہ دارالعلوم کراچی

۸ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ
وَالْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ وَعَلَى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ
بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ، أَمَّا بَعْدُ:-

موضوع کا تعارف اور اس کی اہمیت

اسلام کے تجارتی اصولوں میں سے سب سے بنیادی اصول یہ ہے کہ کوئی شخص
کسی دوسرے کے مال کو ناجائز طریقے سے نہ کھائے۔
چنانچہ ارشاد باری ہے:-

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناحق طریقے سے
نہ کھاؤ۔^(۱)

اسی بنیادی اصول پر اسلام کے بہت سے تجارتی احکام کا دار و مدار ہے انہیں میں
سے ایک حکم ”غُرر“ سے ممانعت کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے
ساتھ ایسا معاملہ نہ کرے جس میں دھوکہ دہی، غلط اُمید دلانا، بیع کو خطرے (Risk) میں
ڈالنا یا بیع کے غیر یقینی کیفیت (Uncertainty) میں پائے جانے کی خرابیاں موجود ہوں
کیونکہ ان خرابیوں کا ارتکاب کر کے مال کمانے والا انسان نہ صرف ناحق مال کھانے کا
مرتکب ہوتا ہے بلکہ اس کے اس عمل کی وجہ سے پورا معاشرہ پریشانی اور عدم تحفظ کا شکار
ہو جاتا ہے۔

غُرر کا وجود اور اس کا مفہوم اگرچہ کئی صدیوں سے متعارف چلا آ رہا ہے حتیٰ کے

زمانہ جاہلیت کے بہت سے معاملات جیسے بیع الملاسہ، بیع المناذہ، بیع الحصة اور بیع العربون وغیرہ کے اندر غرر کا پہلو موجود ہے لیکن عصر حاضر میں تجارت اور باہمی لین دین کے طریقوں میں جس قدر پیچیدگیاں پیدا ہو چکی ہیں ان حالات میں غرر کو سمجھنے اور جدید معاملات میں اس کا جائزہ لینے کی شدید ضرورت ہے۔ سٹہ کی نئی صورتیں، بیع الخیارات (Option Sale)، عقود المستقبلیات (Future Sale)، حاضر اور غائب سودے (Forward Sales)، تعین قیمت کے لئے Benchmark کا استعمال اور ان جیسے سینکڑوں معاملات ایسے پائے جاتے ہیں جن میں ”غرر“ کا عنصر بہت نمایاں ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:-

أما النهی عن بیع الغرر فهو أصل عظیم من أصول کتاب البیوع ویدخل فیہ مسائل كثيرة غیر منحصرة.^(۱)

ترجمہ:- بیع الغرر سے ممانعت کا حکم کتاب البیوع کے اندر بہت بڑے اصول کی حیثیت رکھتا ہے جس کے اندر بے شمار مسائل شامل ہو جاتے ہیں۔

علامہ ابن العربی اپنی کتاب ”احکام القرآن“ میں قرآن مجید کی آیت نمبر ۲: ۲۷۵ کی تفسیر کے ذیل میں چھپن ناجائز معاملات کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان کے اندر درج ذیل تین خرابیوں میں سے کوئی خرابی ضرور پائی جاتی ہے:-

۱- ربا۔ ۲- ناحق طریقے سے دوسرے کا مال کھانا۔ ۳- غرر۔^(۲)

ڈاکٹر صدیق محمد الامین الضریہ فرماتے ہیں کہ اسلامی فقہ کے اندر دو نظریات بنیادی اہمیت کے حامل ہیں:-

۱..... ربا کا نظریہ۔ ۲..... غرر کا نظریہ۔

لیکن اکثر مقالہ نگار اور علمائے کرام ”سود“ کے متعلق تو بحث کرتے ہیں جبکہ

(۱) المنہاج المعروف بشرح النووی علی صحیح مسلم (أبو زکریا یحییٰ بن شرف النووی) کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ الطبعۃ الأولى، ۱۴۰۸ھ (۱۵۶/۱۰)۔

(۲) أحکام القرآن، ابن العربی (ابوبکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی ۴۶۸ھ - ۵۴۳ھ) بیروت، دارالمعرفة (۲۴۴/۱)۔

”غرر“ کے موضوع کو مناسب اہمیت نہیں دی گئی حالانکہ معاملات کے اندر ”غرر“ کا اثر ”ربا“ سے زیادہ ہے۔^(۱)

غرر سے متعلق متقدمین اور معاصر علمائے کرام کے اقوال کا مطالعہ کرنے سے کھل کر یہ بات سامنے آتی ہے کہ مالی معاملات میں غرر کا موضوع بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے لیکن اس پر اس قدر توجہ نہیں دی گئی جس قدر واقعی ضرورت کا تقاضا تھا۔

اس موضوع پر ابھی تک اردو یا انگریزی زبان میں کوئی قابل قدر کام نہیں ہوا۔ اگر کچھ ہوا ہے تو وہ انتہائی مختصر، محدود اور غیر جامع ہونے کی وجہ سے نہ ہونے کے برابر ہے، بعض علمائے عرب نے اس موضوع پر تحقیقی قلم اٹھایا ہے لیکن اس میں عصر حاضر کی مروجہ صورتوں کا بہت کم تذکرہ ملتا ہے اور ان صورتوں کا ذکر تو بالکل نہیں ملتا جن کا تعلق ہمارے دیار سے ہے، لہذا پیش نظر مقالے میں قومی زبان کے اندر غرر کے متعلق ایسا تحقیقی کام کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس میں غرر کی بنیادی مباحث کے ساتھ ساتھ غرر کے تحقیق طلب پہلوؤں پر بھی سیر حاصل بحث ہو۔

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التَّكْلَانُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ

غرر کی لغوی تعریف

”غرر“ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے لغوی معنی ہیں دھوکہ دینا، غلط اُمید دلانا، چنانچہ لسان العرب میں ہے:-

غرر: غره، یغره، غراء، وغروراً، وغره، الاخيرة عن اللحياني

فهو مغرور وغرير، خدعه وأطعمه بالباطل. قال: إن امرأ

غره منكن واحدة، بعدى وبعدك في الدنيا لمغرور.^(۲)

القاموس المحيط میں ہے:-

(۱) الغرر وأثره في العقود، الضرب (الدكتور الصديق محمد الأمين الضرب) طبع المؤلف بنفسه، الطبعة الثانية، ۱۴۱۶ھ ص ۱۶، ۱۷.

(۲) لسان العرب، ابن منظور (العلامة ابن منظور) بيروت، دار احیاء التراث العربی (۱۰۱۰).

غرراً، و غروراً، و غرة، بالكسر فهو مغرور و غرير کامیر
خدعه و أطعمه بالباطل۔^(۱)

الموسوعة الفقهية (الكويت) میں ہے:

غره غراً، و غراً، و غرة فهو مغرور و غرير: خدعه و أطعمه
بالباطل۔^(۲)

عربی کا ایک محاورہ ہے:-

أنا غرر منك۔

یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی سے دھوکہ کھائے، مصباح اللغات اور
القاموس الجدید^(۴) میں بھی یہی معنی مذکور ہیں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ غرر ایسی چیز کو کہتے ہیں کہ جس کا ظاہر پسندیدہ
ہو جبکہ اس کا باطن مکروہ اور ناپسندیدہ ہو۔ اس معنی کا حاصل بھی یہ ہے کہ غرر دوسرے کو
دھوکہ دینے کا نام ہے کیونکہ جو چیز ظاہراً خوبصورت ہوگی تو خریدار اسے خوشی سے خرید لے
گا لیکن حقیقت میں اندرونی نقص اور عیب پر مشتمل ہوگی جس سے اسے دھوکہ ہوگا۔ چنانچہ

(۱) القاموس المحيط، الفيروز آبادی (مجد الدين محمد بن يعقوب الفيروز آبادی
۷۲۹-۸۱۷ھ) بیروت دار احیاء التراث العربی، الطبعة الأولى ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱م (۱۳۳/۲)
..... وایضاً فی تاج العروس، الزبیدی (السید مرتضی الزبیدی) بیروت، مطابع
دارالصادر ۱۳۸۶ھ-۱۹۶۶م (۲۳۳/۶)۔

(۲) الموسوعة الفقهية الكويت، وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية، الكويت، الطبعة
الأولى ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۳م (۱۳۹/۳۱)۔

(۳) مصباح اللغات، بلیاوی (عبد الحفیظ بلیاوی) کراچی، میر محمد کتب خانہ، طبع اول
۱۹۵۰ء ص: ۵۹۴۔

(۴) القاموس الحدید کیرانوی، (مولانا وحید الزمان قاسمی کیرانوی) لاہور، ادارہ اسلامیات،
طبع اول ذی القعدہ ۱۴۱۰ھ - جون ۱۹۹۰ء ص: ۶۵۹۔

(۵) الفروق، القرافی (شہاب الدین أبو العباس الصہناجی المشہور بالقرافی) بیروت،
دار المعرفۃ الطبعة الأولى (۲۶۶/۳): اصل الغرر لغة قال القاضي عياض رحمه الله "هو ماله ظاهر
محبوب وباطن مكروه ولذلك سميت الدنيا متاع الغرور"۔

علامہ ابن اثیر نے اس کی تصریح کی ہے، وہ فرماتے ہیں:-

الغُرر ماله ظاهر توثره وباطن تکره فظاہرہ یغر المشتري
وباطنه مجهول.^(۱)

ترجمہ:- غرر یہ ہے کہ کسی چیز کا ظاہر تو متاثر کرے اور اس کا باطن
ناپسندیدہ ہو پس اس کے ظاہر سے خریدار کو دھوکا ہو کیونکہ اس کا باطن
اسے معلوم نہیں۔

قرآن حکیم میں بھی عام طور پر غرر کا لفظ ”دھوکہ“ کے معنی میں استعمال ہوا جیسے
ارشاد باری ہے:-

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ.^(۲)

ترجمہ:- اے انسان! تجھے اپنے کریم رب کے معاملے میں کس چیز
نے دھوکہ میں ڈالا۔

اس کے علاوہ غرر ”خطر“ کے معنی میں بھی آتا ہے، خطر کا مطلب ہے کسی انسان کا
اپنے آپ کو یا اپنے مال کو خطرے میں ڈالنا۔ المنجد میں ہے:-

الغُرر التعريض للهلاك.^(۳)

ترجمہ:- اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنے کا نام غرر ہے۔

خلاصہ یہ کہ لفظ ”غرر“ لغوی اعتبار سے ان تمام معانی کو شامل ہے جو اوپر
بیان ہوئے۔

(۱) جامع الأصول فی احادیث الرسول، ابن الاثیر (مجد الدین أبو السعادات السبارک بن
محمد ابن الاثیر الحزری ۵۵۳-۶۰۶ھ) مکتبۃ دار البیان الطبعة الاولى ۱۳۸۹ھ-۱۹۶۹م
(۵۲/۱)۔

(۲) القرآن: (۶: ۸۲)۔

(۳) المنجد فی اللغة، معلوف (لؤیس معلوف) ایران، انتشارات اسماعیلیان، الطبعة الحادية
والعشرون ۱۹۷۳م ص: ۵۴۶۔

ایضاً فی الموسوعة الفقهية (الکویت) بحوالہ بالا

وفی بدائع الصنائع (۵/ ۱۶۳) الغرر هو الخطر۔

انگریزی میں استعمال ہونے والے الفاظ

درج بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ غرر لغوی اعتبار سے تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے:-

- ۱- دھوکہ دینا۔ ۲- غلط اُمید دلانا۔ ۳- خطر۔

ہر ایک معنی کے اعتبار سے انگریزی میں مختلف الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ اگر غرر دھوکہ دہی کے معنی میں استعمال ہو تو اس کے لئے درج ذیل الفاظ استعمال ہوتے ہیں:-

Beguile, Deceive, Cheat, Delude

اگر غلط اُمید دلانے کے معنی میں ہو تو اس کے لئے درج ذیل الفاظ استعمال ہوئے:-

Lure, entice, tempt

اور اگر ”خطر“ کے معنی میں ہو تو اس کے لئے درج ذیل الفاظ استعمال ہوتے ہیں:-

Uncertainty, Danger, Peril, Jeopardy, Hazard.^(۱)

اصطلاحی تعریف

فقہی اصطلاح میں ”غرر“ ایسے معاملے کو کہتے ہیں جس کا انجام غیر معلوم ہو، اسے انگریزی کے لفظ (Uncertainty) سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ مختلف فقہائے کرام نے اسی مفہوم کو مختلف انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ذیل میں مختلف فقہاء کے حوالے سے غرر کی تعریف ذکر کی جاتی ہے۔

علامہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

(۲) الغرر ما یكون مستورا عاقبة.

(۱) القاموس العصری (عربی، انگریزی) الیاس (الیاس انطون الیاس) (U.A.R) Elias Modern Cairo الطبعة الثامنة، ۱۹۶۰ء ص: ۳۷۳.

ایضا فی القاموس المدرسی (عربی انگریزی مع انگریزی عربی) الیاس انطون الیاس، کراتشی، دارالاشاعت، الطبعة الأولى ۱۳۹۶ھ ص: (انگریزی عربی) ۴۷، ۴۳، ۱۶۶، ص: (عربی، انگریزی) ۲۸۶.

(۲) کتاب المبسوط، السرخسی (العلامة شمس الدین السرخسی) بیروت، دارالمعرفة الطبعة الأولى ۱۴۱۴ھ - ۱۹۹۳م (۱۲/۱۹۴۷).

ترجمہ:- غرر ایسے معاملے کو کہتے ہیں جس کا انجام پوشیدہ ہو۔
علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

الغرر ما طوى عنك علمه^(۱)

ترجمہ:- غرر وہ معاملہ ہے جس کے انجام کا علم تجھ سے لپیٹ لیا گیا ہو
(یعنی پوشیدہ ہو)۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

الغرر هو الخطر الذى استوى فيه طرف الوجود والعدم
بمنزلة الشك^(۲)

ترجمہ:- غرر خطر پر مبنی ایسے معاملے کو کہتے ہیں جس میں وجود اور عدم دونوں
جہتیں برابر ہوں، یعنی (بیچ کے ہونے یا نہ ہونے میں) شک سا ہو۔

علامہ دسوقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

الغرر التردد بين امرين أحدهما على الغرض والثاني على خلافه^(۳)

ترجمہ:- غرر دو چیزوں کے درمیان تردد کا نام ہے، ایک چیز غرض کا
حاصل ہونا اور دوسری اس کے برعکس۔

علامہ قرافی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اصل الغرر هو الذى لا يدري هل يحصل أم لا كالطير فى
الهواء والسمك فى الماء^(۴)

(۱) فتح القدير مع الهداية والكفاية، ابن الهمام (كمال الدين محمد بن عبد الواحد بن عبد الحميد بن مسعود المعروف بابن الهمام المتوفى ۸۶۱ھ) كوثته، مكتبة رشيدية (۱۳۶/۶)۔

(۲) بدائع الصنائع، الكاسانى (علاء الدين أبوبكر بن مسعود الكاسانى المتوفى ۵۸۷ھ) كراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، الطبعة الأولى ۱۳۳۸ھ - ۱۹۱۰م (۱۶۳:۵)۔

(۳) حاشية الدسوقى على الشرح الكبير، الدسوقى (شمس الدين الشيخ محمد عرفه الدسوقى) بيروت، دار الفكر (۵۵/۳)۔

(۴) الفروق، القرافى (ابوالعباس شهاب الدين الصنهاجى المشهور بالقرافى) بيروت، دار المعرفة (۲۶۳/۳)۔

ترجمہ:- غمر کی حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ معاملہ ہے جس میں معلوم نہ ہو کہ بیع حاصل ہوگی یا نہیں جیسے ہوا میں موجود پرندہ اور پانی میں موجود مچھلی۔
امام مالک رحمہ اللہ نے المؤطا میں اسی بات کو دوسرے انداز میں بیان فرمایا ہے،
آپ لکھتے ہیں:-

من السمخاطرة والغمر اشتراء ما فى بطون الإناث من النساء
والدراب لانه لا يدري أيجرج أم لا يخرج، فإن خرج فلا
يدري أيجرون حسناً أو قبيحاً، تاماً أو ناقصاً، ذكراً أم أنثى
وذلك كله يتفاضل.^(۱)

ترجمہ:- مخاطرہ اور غمر میں عورتوں اور مؤنث جانوروں کے حمل کی بیع بھی شامل ہے کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ بچہ پیدا ہوگا یا نہیں، اگر پیدا ہوا تو یہ معلوم نہیں کہ وہ خوبصورت ہوگا یا بدصورت، اور تام الخلق ہوگا یا ناقص الخلق، مذکر ہوگا یا مؤنث ان تمام چیزوں سے ان کی قیمت میں فرق آتا ہے۔
علامہ شیرازی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

الغمر ما انطوى عنه أمره وخفى عليه عاقبته.^(۲)

ترجمہ:- غمر وہ معاملہ ہے جس کی حقیقت چھپی ہوئی ہو اور اس کا انجام پوشیدہ ہو۔

علامہ رملی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

الغمر ما احتمل أمرين أغلبهما أخوفهما وقيل: ما
انطوت عنا عاقبته.^(۳)

(۱) کتاب المؤطا (الإمام مالک بن انس) کراچی، نور محمد کارخانہ تجارت ص: ۵۹۸۔

(۲) المنہذب، الشیرازی (الإمام ابو اسحاق الشیرازی) مصر، عیسی البابی الحلبی وشرکاءہ (۲۱۲/۱)۔

(۳) نہایۃ المحتاج، الرملى (شمس الدین محمد بن أبو العباس احمد بن حمزة ابن شهاب الدین الرملى المتوفى ۱۰۰۲ھ) بیروت، دار احیاء التراث العربی (۳۹۲/۳)۔

ترجمہ:- غرر وہ معاملہ ہے جو دو پہلوؤں کا احتمال رکھتا ہے، ان میں ہر ایک کے نہ ہونے کا احتمال غالب ہے (یعنی ہر پہلو کے اندر یہ احتمال ہے کہ وہ نہ ہو) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ غرر وہ ہے جس کا انجام پوشیدہ ہو۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

(۱) الغرر هو المجهول العاقبة.

ترجمہ:- غرر وہ معاملہ ہے جس کا انجام مجہول ہو۔ علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

(۲) الغرر هو ما يجوز أن يوجد وأن لا يوجد.

ترجمہ:- غرر اس معاملے کو کہتے ہیں کہ جس کے اندر ہونے یا نہ ہونے کے دونوں پہلوؤں کا امکان موجود ہو۔

مذکورہ بالا تمام تعریفوں کا حاصل یہی ہے کہ غرر ایک ایسے معاملے کو کہتے ہیں جس کا انجام غیر یقینی ہو، البتہ اس مفہوم کو علامہ ابن بطال نے سب سے آسان اور عمدہ انداز میں بیان فرمایا ہے، کیونکہ غیر یقینی کیفیت کا مفہوم ان الفاظ سے جلدی سمجھ میں آ جاتا ہے۔ تاہم علامہ سرخسی کی بیان کردہ تعریف سب سے زیادہ جامع ہے، انگریزی میں اس مفہوم کے لئے Uncertainty کا لفظ استعمال ہوا ہے۔^(۳)

ضروری وضاحت

اگرچہ فقہی کتب میں ”غرر“ کی یہی تعریف ذکر کی گئی ہے کہ یہ ایسا معاملہ ہے کہ جس کا انجام پوشیدہ ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر وہ معاملہ جس کے انجام کے بارے میں انسان کو علم نہ ہو، وہ غرر میں داخل ہے، بلکہ اس کے اندر ایک بنیادی شرط یہ ملحوظ ہے کہ

(۱) القواعد النورانية الفقهية، ابن تیمیہ (شیخ الاسلام أبو العباس تقی الدین أحمد بن عبد الحلیم الدمشقی، المعروف بابن تیمیہ ۶۶۱ھ - ۷۲۸ھ) القاهرة، مطبعة السنة المحمدية، الطبعة الأولى ۱۳۷۰ھ - ۱۹۵۱م ص: ۱۱۶.

(۲) شرح صحيح البخاري، ابن بطال (أبو الحسن علي بن خلف بن عبد الملك المعروف بابن بطال) رياض، مكتبة الرشد الطبعة الأولى ۱۳۲۰ھ - ۲۰۰۰م (۶/۲۷۷).

(۳) القاموس السدرسي (انجليزية، عربی) ص: ۳۱۹.

غرر کسی عقد کے اصل اجزاء کے اندر ہو، لہذا انجام کی پوشیدگی کا تعلق اگر عقد کے اصل اجزاء سے نہیں تو وہ غرر ممنوع میں داخل نہیں، جیسے سبزی بیچنے والے کو یہ معلوم نہیں کہ اسے کتنا نفع ملے گا، اسی طرح اگر دو آدمی مل کر شرکت یا مضاربیت کی بنیاد پر کوئی کام کرتے ہیں تو ان کو بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انہیں مستقبل میں کتنا نفع ہوگا، نفع ملے گا یا نقصان ہوگا وغیرہ وغیرہ لیکن یہ انجام مستور ہونے کے باوجود غرر ممنوع نہیں کیونکہ اس پوشیدگی کا عقد کی ذات سے کوئی تعلق نہیں۔ تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ ”غرر ایک ایسے معاملے کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے کسی عقد (Contract) کے اصل اجزاء کے اندر غیر یقینی کیفیت پیدا ہو جائے۔“ کسی عقد کے اندر غیر یقینی کیفیت پیدا ہونے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں جس کی تفصیل آگے ذکر کی جائے گی ان شاء اللہ۔

غرر سے متعلق قرآنی آیات اور ان کی تشریح

قرآن مجید میں کسی جگہ غرر کا لفظ ذکر کر کے اس کے احکام بیان نہیں کئے گئے البتہ ایسا ضابطہ بیان کر دیا ہے جس کے تحت غرر کی تمام صورتیں داخل ہو جاتی ہیں، اور وہ ضابطہ ہے ”کسی کے مال کو ناجائز طریقے سے کھانے کا حرام ہونا۔“

قرآن مجید میں جا بجا دوسرے کے اموال کو ناجائز طریقے سے کھانے اور استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ^(۱)

ترجمہ:- اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ^(۲)

ترجمہ:- اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، ہاں مگر

آپس کی رضامندی سے تجارتی لین دین ہو تو جائز ہے۔

ایک اور جگہ یہودیوں پر بہت سی پاکیزہ چیزوں کے حرام ہونے کی وجہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا:-

وَأَخَذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ^(۱)
ترجمہ:- اور اس سبب سے بھی کہ باوجود منع کئے جانے کے سود لیتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے۔
ایک اور جگہ ارشاد باری ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَخْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لِيَأْكُلُوا
أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ^(۲)

ترجمہ:- اے ایمان والو! اہل کتاب کے بہت سے عالم اور درویش لوگوں کے مال ناحق کھاتے ہیں۔

مذکورہ تمام آیات میں ”اکل بالباطل“ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں ”دوسرے کے مال کو ناحق طریقے سے کھانا“ اس لفظ کی تفسیر میں بہت سے مفسرین نے ”غرر“ کا ذکر فرمایا ہے، چنانچہ ابن العربی مالکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

يعْنِي مَا لَا يَحِلُّ شَرْعًا وَلَا يَفِيدُ مَقْصُودًا، لِأَنَّ الشَّرْعَ نَهَى عَنْهُ
وَمَنْعَ مِنْهُ وَحَرَّمَ تَعَاطِيَهُ كَالرِّبَا وَالْغُرُورِ وَنَحْوَهُمَا^(۳)

ترجمہ:- اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو شرعاً ناجائز اور مقصود کے لئے غیر مفید ہیں کیونکہ شریعت نے ان سے روکا ہے اور اس کے معاملات کو ناجائز قرار دیا ہے جیسے سود اور غرر وغیرہ۔

ایک اور جگہ ناجائز معاملات کی چھپن اقسام ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

وَلَا تَخْرُجُ عَنْ ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ وَهِيَ الرِّبَا وَالْأَكْلُ بِالْبَاطِلِ وَالْغُرُورُ

(۱) القرآن: (۱۶۱:۴)۔ (۲) القرآن: (۳۴:۹)۔

(۳) احکام القرآن، ابن العربی (أبو بکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی ۴۶۸ ھ- ۵۴۳ ھ) بیروت، دارالمعرفة (۱/۳۷)۔

..... أنظر أيضا أحكام القرآن، العثماني (العلامة ظفر احمد العثماني) كراتشي، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، الطبعة الاولى ۱۳۰۷ ھ- ۱۹۸۷ م (۱/۷۷۳)۔

ویرجع الغرر بالتحقیق إلى الباطل فيكون قسمين^(۱).

ترجمہ:- یہ تمام اقسام تین قسموں میں شامل ہیں، سود، باطل طریقے سے کھانا اور غرر اور بالتحقیق غرر باطل طریقے سے کھانے میں شامل ہے تو اس طرح کل دو قسمیں ہوں گی۔

علامہ قرطبی "اکل باطل" کی تفسیر میں مختلف ناجائز معاملات کا ذکر کرنے کے بعد ان کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

لأنه من باب بيع القمار والغرر والمخاطرة^(۲).

ترجمہ:- کیونکہ ان میں قمار، غرر اور خطر کی خرابی پائی جاتی ہے۔

غرر سے متعلق احادیث

غرر کی ممانعت اور اس کی حرمت سے متعلق بہت سی احادیث مروی ہیں جنہیں امام مالک، امام بخاری، امام مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی، بیہقی، دارقطنی اور دیگر بہت سے محدثین کرام نے اپنی کتب حدیث میں اپنی مختلف اسناد سے ذکر فرمایا ہے۔ ذیل میں انہی میں سے چند روایات ذکر کی جاتی ہیں۔

۱- عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر.^(۳)

(۱) أحكام القرآن لابن العربي: (۲۴۴/۱)۔
 (۲) الجامع لأحكام القرآن، القرطبی (أبو عبد الله محمد بن أحمد الأنصاري القرطبي) القاهرة، مطبعة دار الكتب المصرية، الطبعة الأولى ۱۳۰۱ھ-۱۹۳۳م (۱۵/۵)۔
 (۳) صحيح مسلم، النيسابوري (أبو الحسين مسلم بن الحجاج القشيري النيسابوري المتوفى ۲۶۱ھ) استنبول، المكتبة الإسلامية، الطبعة الأولى ۱۳۷۴ھ-۱۹۵۵م کتاب البیوع حدیث: (۳۶۹۱)۔ سنن ابی داؤد، السجستانی (أبو داؤد سليمان ابن اشعث السجستاني المتوفى ۲۷۵ھ) بیروت، دار احیاء السنة النبویة، الطبعة الأولى ۱۳۹۶ھ باب فی بیع الغرر حدیث: (۳۲۳۷)۔ جامع الترمذی، الترمذی (أبو عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذی المتوفى ۲۹۷ھ) بیروت، دار احیاء التراث العربی، الطبعة الأولى ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۵م البیوع، حدیث: (۱۲۳۳)۔ سنن ابن ماجہ، القزوينی (الحافظ أبو عبد الله محمد بن يزيد القزوينی المتوفى ۲۷۳ھ) ریاض، شركة الطباعة العربية، الطبعة الثانية ۱۴۰۳ھ-۱۹۸۳م کتاب التجارات حدیث: (۲۱۹۳)۔ مسند احمد بن حنبل، بیروت، المكتب الاسلامی، فی مسند أبی هريرة ج: ۲ ص: ۳۷۶، ۳۳۶، ۳۳۹۔

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الحصة^(۱) اور بیع الغرر سے منع فرمایا۔

۲- عن ابن عباس رضی اللہ عنہ: نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الغرر۔^(۲)

ترجمہ:- ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ روایت حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے اور ان کے علاوہ عامر الشعمی رحمہ اللہ اور سعید بن المسیب رحمہ اللہ اس روایت کو مرسلًا نقل کرتے ہیں۔^(۵)

۳- عن علی رضی اللہ عنہ قال: سیأتی علی الناس زمان عضوض یعضّ الموسر علی ما فی یدیه ولم یؤمر بذالک۔ قال اللہ تعالیٰ: "ولا تنسوا الفضل بینکم"^(۶) ویباع المضطرون وقد نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع المضطر وبيع الغرر وبيع الثمرة قبل أن تدرك۔^(۷)

(۱) "بیع الحصة" کی تعریف آگے آرہی ہے۔

(۲) ابن ماجہ کتاب التجارات حدیث: ۲۱۹۵۔

(۳) السنن الکبریٰ، البیہقی (أبو بکر أحمد بن حسین بن علی البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ) بیروت، لبنان دار الکتب العلمیة الطبعة الأولى ۱۴۲۰ھ باب نہی عن بیع الغرر (۵/۳۳۸) حدیث: ۱۰۶۲۹۔

(۴) کتاب الخراج، أبو یوسف (قاضی أبو یوسف یعقوب بن إبراهیم المتوفی ۱۸۲ھ) بتحقیق الدكتور محمد ابرہیم البنا مصر، دار الإصلاح الطبعة الأولى ۱۳۹۸ھ-۱۹۷۸م ص: ۱۹۲۔

(۵) السنن الکبریٰ للبیہقی بحوالہ بالا۔

..... کتاب المؤطا للإمام مالک بن انس، باب بیع الغرر حدیث: ۱۳۳۲۔

(۶) القرآن: (۲۴:۲)۔

(۷) أبوداؤد، البیوع حدیث: ۳۳۸۲، انظر أيضًا سنن الکبریٰ للبیہقی، باب ما جاء فی بیع المضطر وبيع المکره حدیث: ۱۰۸۵۹۔

ترجمہ:- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں پر کائنات والا زمانہ آئے گا کہ مالدار اپنے غلام کو کائے گا (یعنی مالدار اپنی مقبوضہ تمام چیزیں اپنے پاس رکھنے کی کوشش کرے گا) حالانکہ اسے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”اور آپس میں بھلائی کرنے کو فراموش نہ کرنا“ اور مجبور لوگوں کی بیع کی جائے گی حالانکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مضطر کی بیع، بیع الغرر اور پھل پکنے سے پہلے اس کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

۴- عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تشتروا السمک فی الماء فانہ غرر^(۱)۔
ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی میں موجود مچھلی کو نہ خریدو کیونکہ یہ غرر ہے۔

تشریح احادیث:

مذکورہ احادیث میں درج ذیل باتیں قابل تشریح ہیں۔

”بیع الغرر“ میں کونسی اضافت ہے؟

پہلی بات یہ ہے کہ ”بیع الغرر“ میں لفظ ”بیع“ کی اضافت لفظ ”غرر“ کی طرف کی گئی ہے تو یہ اضافت کی کونسی قسم میں داخل ہے۔
اس میں دو احتمال ہیں۔

۱- مصدر کی اضافت اپنے مفعول کی طرف ہے۔ اس صورت میں غرر بمعنی مفعول ہوگا اور مطلب یہ ہوگا ”بیع المغرور بہ“ یعنی غرر والی چیز کی بیع۔ اس صورت میں غرر کا تعلق صرف مبیع (Subject Matter) کے ساتھ خاص ہوگا۔

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی، باب ما جاء فی النهی عن السمک فی الماء حدیث: ۱۰۶۳۱
ومسند احمد حدیث: ۳۶۷۵، وفی معجم الکبیر للطبرانی ج: ۹ ص: ۳۲۱ حدیث: ۹۶۰۷
موقوفاً علی عبد اللہ بن مسعود۔

۲۔ موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے۔ اس صورت میں عبارت یوں ہوگی: البیع الذی یکثر فیہ غرر۔ اس صورت میں غرر کا تعلق صرف بیع کے ساتھ نہیں ہوگا بلکہ بیع کے تمام ارکان و اجزاء کے ساتھ بھی ہوگا اور یہی بات رائج ہے کیونکہ ائمہ اربعہ کے نزدیک غرر کا تعلق صرف بیع کے ساتھ نہیں بلکہ عقد، ثمن اور مدت وغیرہ کے ساتھ بھی ہے۔

ممانعت میں عموم ہے یا نہیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ علم اصول فقہ کے ماہرین کے درمیان یہ اختلاف واقع ہوا ہے کہ جب کوئی صحابی یہ کہتا ہے کہ نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن کذا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں چیز یا فلاں معاملے سے منع فرمایا) تو اس کے اندر عموم ہوتا ہے یا نہیں؟ یعنی کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حکم اس معاملے کی تمام صورتوں کے لئے ہے یا یہ کہا جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے کی کسی ایک صورت کو دیکھا تو اس سے منع کیا لیکن صحابی نے اس روایت کو عموم کے ساتھ نقل کر دیا جس سے اس معاملے کی تمام صورتیں ممنوع قرار پائیں جیسے بیع الغرر اور اس کی صورتوں کے متعلق متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا تو کیا اس سے بیع الغرر کی تمام صورتوں کی ممانعت ہوگئی یا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک صورت سے منع فرمایا، جس میں غرر تھا اور صحابی نے مطلقاً بیع الغرر کی ممانعت نقل فرمادی۔

امام غزالی رحمہ اللہ اور بعض اصولیین کی رائے یہ ہے کہ اس سے عموم ثابت نہیں

ہوتا۔ چنانچہ المستصفیٰ میں ہے:-

قول الصحابی نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن کذا کبیع الغرر ونکاح الشغار وغیرہ لا عموم له لأن الحجة فی المحکی لا فی قول الحاکمی ولفظه وما رواہ الصحابی من حکمی النهی یحتمل أن یکون فعلاً لا عموم له نہی عنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویحتمل أن یکون لفظاً خاصاً ویحتمل

أن يكون لفظاً عاماً فاذا تعارض الاحتمالات لم يكن إثبات العموم بالتوهم.^(۱)

ترجمہ:- کسی صحابی کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا جیسے بیع الغرر اور نکاح شغار وغیرہ تو اس میں عموم نہیں ہوتا اس لئے کہ دلیل وہ قول ہے جو حکایت کیا گیا نہ کہ حکایت کرنے والے کا قول اور اس کے الفاظ، اور صحابی جو ممانعت روایت کرتا ہے اس کے بارے میں یہ احتمال ہے کہ وہ کوئی ایسا فعل ہو جس میں عموم نہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ کوئی خاص لفظ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ ممانعت عمومی ہو، لہذا جب احتمالات میں تعارض واقع ہو گیا تو توہم کی وجہ عموم ثابت نہ ہوا۔

البتہ علامہ آمدی رحمہ اللہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم عادل اور لغت کو جاننے والے تھے اس لئے ان کی بیان کردہ نہی سے عموم ثابت ہو جائے گا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

قول الصحابي: نهى رسول صلى الله عليه وسلم عن بيع الغرر وقوله قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم بالشفعة للجار ونحوه، اختلفوا في تعميمه لكل غرر وكل جار. والذي عليه معول أكثر الأصوليين أنه لا عموم له لأنه حكاية الراوى ولعله رأى النبى صلى الله عليه وسلم وقد نهى عن فعل خاص لا عموم له وفيه غرر وقضى لجار مخصوص بالشفعة فنقل صيغة العموم لظنه عموم الحكم. ويحتمل أنه سمع صيغة ظنها عامة ويحتمل أنه سمع صيغة عامة، وإذا

(۱) المستقصى من علم الأصول، الغزالي (حجة الإسلام أبو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالي) مصر، مطبعة مصطفى محمد، الطبعة الأولى ۱۳۵۶ھ - ۱۹۳۷م (۲/۲۲)۔

تعارضت الاحتمالات، لم یثبت العموم. لقائل أن يقول: وإن كانت هذه الاحتمالات منقذحة غیر أن الصحابی الراوی من أهل العدل والمعرفة باللغة فالظاهر أنه لم ينقل صیغة العموم إلا وقد سمع صیغة لا شک فی عمومها لما هو مشتمل علیه من الداعی الدینی العقلی المانع من إبقاع الناس فی ورطة الالتباس..... فالغالب إصابته فیما ظنه ظاهراً فكان صدقه فیما نقله غالباً علی الظن ومهما ظن صدق الراوی فیما نقله عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجب اتباعه^(۱) ترجمہ:- کسی صحابی کا کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا، اسی طرح اس کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی کے لئے شفعہ کا حق رکھا وغیرہ تو اس بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے کہ کیا اس حکم میں عموم ہے یا نہیں۔

اکثر اصولیین کی رائے یہ ہے کہ اس میں عموم نہیں کیونکہ یہ ایک راوی کا بیان ہے جس کے بارے میں یہ احتمال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ایسے فعل سے منع کرتے ہوئے دیکھا ہو جس میں غرر ہو، یا کسی مخصوص پڑوسی کے حق میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا ہو، لیکن اُس صحابی نے اسے عمومی حکم سمجھتے ہوئے عام صیغے کے ساتھ نقل کر دیا۔

لیکن کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ اگرچہ یہ احتمالات قابل مدح ہیں لیکن (قابل قبول نہیں کیونکہ) صحابی عادل اور لغت جاننے والا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس صیغے کے عموم میں اسے شک ہوگا، وہ کبھی اسے

(۱) الإحكام فی اصول الأحكام، الآمدی (سیف الدین أبو الحسن علی بن أبی علی بن محمد الآمدی) القاهرة، مؤسسة الحلبي و شركاءه الطبعة ۱۳۸۷ھ - ۱۹۶۷م (۲/۲۳۵).

عموم کے ساتھ نقل نہیں کرے گا اس لئے کہ دینی جذبہ اور عقل سلیم اسے اس بات سے منع کرے گا کہ وہ لوگوں کو ورطہ میں ڈالے۔ اور غالب یہ ہے کہ اس کا گمان صحیح ہے اور اس کی نقل کردہ بات بھی غالب گمان کے مطابق سچی ہے اور جب راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کردہ روایات میں سچا ہو تو اسکی اتباع واجب ہے۔

غرر کا شرعی حکم

ائمہ اربعہ اور جمہور فقہائے کرام کے نزدیک بیع الغرر ناجائز ہے۔ ان کا استدلال ”اکل بالباطل“ سے ممانعت والی آیات اور مذکورہ احادیث سے ہے جبکہ علامہ ابن سیرین اور قاضی شریح رحمہما اللہ تعالیٰ کے بارے مروی ہے کہ ان کے نزدیک بیع الغرر کرنے میں کوئی حرج نہیں^(۱)۔ لیکن ابن بطال رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان تک بیع الغرر سے ممانعت والی روایات نہ پہنچی ہوں۔

چنانچہ آپ لکھتے ہیں:-

وقد یمكن أن یکون ابن سیرین ومن أجاز بیع الغرر لم یبلغهم نهی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک ولا حجة لأحد خالف السنة.

ترجمہ:- ممکن ہے کہ ابن سیرین اور وہ لوگ جو بیع الغرر کو جائز کہتے ہیں، ان تک ممانعت کی یہ روایات نہ پہنچی ہوں اور جس شخص کا قول سنت کے خلاف ہو، وہ معتبر نہیں ہوگا۔^(۲)

(۱) شرح صحیح البخاری لابن بطال (۲/۲۷۷) عن ابن سیرین قال: لا أعلم فی بیع الغرر بأساً و ذکر ابن المنذر عن ابن سیرین قال: لا بأس فی بیع العبد الأبق إذا كان علمهما فیہ واحد، وحکی مثله عن شریح.

غرر کا مفہوم زمانہ جاہلیت میں

اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں مختلف قسم کے معاملات کا رواج تھا لیکن ان کے یہ معاملات کسی شرعی ضابطے کے پابند نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کے اپنے عرف و عادات اور قبائل کے طے کردہ نظام پر مبنی ہوتے تھے۔ اس میں یہ معیار نہیں تھا کہ فلاں معاملہ غرر پر مبنی ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، اور فلاں معاملہ جائز ہے بلکہ جس معاملے کو ان کا عرف جائز قرار دیتا، وہ اسے بے دھڑک کر گزرتے خواہ اس میں غرر ہو یا نہ ہو۔

چنانچہ اس زمانے میں جس طرح جائز معاملات جیسے شرکت اور مضاربیت وغیرہ موجود تھے، اسی طرح معاملات کی بہت بڑی تعداد ایسی بھی تھی جن میں غرر کا پہلو نمایاں ہوتا تھا جیسے حمل الحمل کی بیع، بیع الملامہ، بیع المناذہ، بیع الحصة، بیع المضامین اور بیع الملائق وغیرہ۔

الشیخ علی الخفیف زمانہ جاہلیت کے باہمی معاملات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

وكانوا يتحالفون ويتبايعون ويتداينون و برهنون ويتجرون
ويتنازعون ويتحاكمون ويتناكحون و كانوا في جميع ذلك
خاضعين لعادات جارية أو تقاليد موروثة أو عرف مألوف أو
متبعين ديانات سابقة و كان كل أولئك إلى حد ما باختلاف
القبائل ومتأثرًا كذلك بهوى رؤسائهم.^(۱)

ترجمہ:- زمانہ جاہلیت میں آپس میں لوگ ایک دوسرے سے حلف لیتے تھے، بیع و شراء کرتے تھے، عبادات کرتے تھے، ایک دوسرے کے پاس رہن رکھواتے تھے، تجارت کرتے تھے، ان کے درمیان جھگڑے ہو جاتے تو ان کے فیصلے کرتے تھے، آپس میں نکاح کرتے

(۱) احکام المعاملات الشرعیۃ، الخفیف (الاستاذ الشیخ علی الخفیف، البحرین، بنک البرکة

تھے وغیرہ اور یہ سب کچھ ان کی جاری عادات، آباء و اجداد کی تقلید، مانوس عرف، سابقہ مذاہب کی پیروی کی بنیاد پر ہوتا تھا اور ان میں قبائل کے اختلاف کی وجہ سے ان چیزوں میں بھی بہت زیادہ اختلاف واقع ہو جاتا تھا نیز وہ اپنے سرداروں اور وڈیروں کے احکام اور ان کی خواہش کے تابع رہتے تھے۔

اسلام آنے کے بعد تبدیلی

اسلام آنے کے بعد ان معاملات میں تبدیلی واقع ہوئی۔ اسلام نے جاری شدہ تمام معاملات کو بالکل ناجائز قرار نہیں دیا بلکہ ان میں سے جو معاملات شرعی اصولوں کے مطابق تھے، انھیں برقرار رکھا اور جن میں قدرے اصلاح کی ضرورت تھی، ان میں تبدیلی پیدا کر کے اسے اختیار کرنے کی اجازت دی اور جنکے اندر تبدیلی لانے کے باوجود بھی اصلاح کی صورت مشکل تھی، اسے ناجائز قرار دیا۔ جن معاملات کو برقرار رکھا گیا ان میں شرکت اور مضاربہ سرفہرست ہیں۔ اور جن معاملات میں قدرے اصلاح کی گئی ان میں بیع سلم اور بیع الجزاف قابل ذکر ہیں اور جن معاملات کو ناجائز قرار دیا گیا، ان میں بیع الحصة، بیع الملامہ، بیع المناذہ، حمل الحمل کی بیع وغیرہ نمایاں ہیں ان پر تفصیلی بحث آئندہ آئے گی انشاء اللہ۔ ان معاملات کو ناجائز قرار دینے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان کے اندر غرر کا عنصر نمایاں تھا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام میں غرر کا جو تصور پایا جاتا ہے، زمانہ جاہلیت کا عرب اس سے بالکل نابلد اور بے بہرہ تھا۔

الشیخ علی الخفیف لکھتے ہیں:

جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم وحال هذه الأمة كما وصفنا فلم يعمده إلى هدمها ولكنه حاول إصلاحها وعنى بعلاجها حتى طهرها من الرجس وخلصها من شوائب الظلم و نفى عن بوائق الجاهلية وأدرا ان الوثنية فحرم الضار و كمل

الناقص وأصلح الفاسد وأقر الصالح. حرم الربا... وأصلح نظام البيوع فنفى عنها الغرر والخداع والغبن الفاحش، وأقر الإجارة والرهن والعارية لصلاحها.^(۱)

ترجمہ:- جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اس امت کا وہی حال تھا جو ہم نے پہلے بیان کیا آپ نے اسے ختم نہیں کیا بلکہ اس کی اصلاح فرمائی اور اس کا حل تلاش کرنے کی طرف متوجہ ہوئے یہاں تک کہ اسے گندگی سے پاک کیا، ظلم سے نکالا اور جاہلیت اور بت پرستی کی میل کچیل اس سے دور کی چنانچہ آپ نے نقصان دہ اشیاء کو حرام قرار دیا، ناقص کو مکمل کیا، خراب کی اصلاح کی اور درست کو برقرار رکھا۔ آپ نے سود کو حرام قرار دیا۔ معاملات کا نظام درست کیا اور اس سے غرر، دھوکہ دہی اور غبن فاحش کو ختم کیا اور اجارہ، رهن اور عاریت کو صحیح ہونے کی وجہ سے برقرار رکھا۔

ڈاکٹر صدیق محمد الضریر لکھتے ہیں:-

إِنَّ نظرة الفقه الاسلامی للغرر تختلف اختلافاً كلياً عن نظرة العرب في الجاهلية له.^(۲)

ترجمہ:- غرر سے متعلق اسلامی فقہ کا نظریہ اس سے بالکل مختلف ہے جو زمانہ جاہلیت میں عرب معاشرے کے اندر پایا جاتا تھا۔

غرر کی تعریف موجودہ قوانین میں

موجودہ قوانین کے اندر غرر کے لغوی معنی کی تعریف اور تشریح بھی ملتی ہے اور اصطلاحی معنی کی تعریف بھی۔ ذیل میں اسے قدرے وضاحت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) بحوالہ بالا۔

(۲) الغرر وأثره في العقود ص: ۶۶۔

غرر بمعنی دھوکہ دہی کے لئے "Cheat" کا لفظ کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے، اس کی تشریح یوں کی گئی ہے:-

Cheat: Swindling, Defrauding, The act of fraudulently deceiving.^(۱)

غرر بمعنی خطر کے لئے استعمال ہونے والے لفظ "Danger" کی تشریح یوں کی گئی:-

Danger: exposure to loss or injury.^(۲)

"Hazard" کی وضاحت یوں کی گئی ہے:-

Hazard : A danger or risk lurking in a situation which by change or fortuity develops into an active agency.^(۳)

ترجمہ:- خطر: ایسا نقصان یا خطرہ جو کسی حالت میں بالقوة اس طرح موجود ہو کہ کسی تبدیلی یا تقدیری معاملے کی وجہ سے بالفعل خطرے میں بدل جاتا ہے۔

اصطلاحی معنی کے لئے قانونی عبارات

جہاں تک غرر کے اصطلاحی معنی کا تعلق ہے تو مصری قانون کی کتب میں اسے "عقد احتمالی" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ مشہور مصری ماہر قانون ڈاکٹر عبدالرزاق السنہوری اسکی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

إذا كان كل من المتعاقدين لا يستطيع أن يحدد وقت تمام

العقد القدر الذى أخذ أو القدر الذى أعطى ولا يتحدد

(۱) Black's law distionary, Black (Henry campbell black), U.S.A, West Publishing company, fifth edition , 1927, Page, 215.

(۲) Black's law distionary p.355

(۳) Black's law distionary p.205

ذلك إلا في المستقبل تبعاً لحدوث أمر غير محقق الحصول أو غير معروف وقت حصوله، فالبيع بثمن يكون إيراداً مرتباً طول الحياة هو عقد احتمالي لأن البائع وإن كان يعرف وقت البيع القدر الذي أعطى، لا يستطيع أن يعرف في ذلك الوقت القدر الذي أخذ..... والمشتري أيضاً كالبائع يباشر عقداً احتمالياً فهو يعرف القدر الذي أخذ ولكن لا يعرف القدر الذي أعطى وهو الثمن الذي لا يمكن تحديده وقت البيع.

ترجمہ:- جب متعاقدین میں سے ہر ایک عقد مکمل ہونے کے وقت اس بات کی تحدید نہ کر سکے کہ کتنی مقدار لی گئی اور کتنی مقدار دی گئی بلکہ وہ اسکی تحدید مستقبل ہی میں کر سکیں کیونکہ وہ ایسی چیز ہے کہ اسکا ملنا یقینی نہیں یا حصول کے وقت تک وہ غیر معروف ہے تو وہ عقد احتمالی ہے کیونکہ بیع کے وقت بائع کو یہ تو معلوم ہے کہ وہ کیا دے گا، لیکن وہ کیا لے گا اسے اسکا علم نہیں۔ اس کے برعکس خریدار لی جانے والی چیز کو تو جانتا ہے لیکن دی جانے والی چیز کو نہیں جانتا اور یہ ثمن ہیں جسکی تحدید عقد کے وقت نہیں ہو سکتی۔

اسکے بعد وہ عقود احتمالیہ کی مثالیں دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن العقود الاحتمالية الشائعة عقود التأمين وعقود الرهان والمقامرة، فهذه وإن تحدد فيها وقت العقد القدر الذي يعطيه المؤمن والمراهن والمقامرة أن القدر ياخذ لا يتحدد دالاً تبعاً لأمر غير محقق الحصول وهو وقوع الحادثة المؤمن عليها أو كسب الرهان أو نجاح المقامرة.^(۱)

مشہور عقود احتمالی میں انشورنس، شرط لگانا اور قمار شامل ہیں۔ اس میں عقد کے وقت وہ مقدار تو معلوم ہوتی ہے جو انشورنس، شرط لگانے والے اور قمار کا معاملہ کرنے والے کو دی جاتی ہے لیکن لی جانے والی مقدار ایک غیر یقینی واقعہ کے تابع ہوتی ہے جیسے انشورنس کی گئی چیز کا حادثہ، شرط کا پایا جانا اور قمار میں کامیابی۔

مصر کے ایک اور معروف ماہر قانون ڈاکٹر احمد حشمت ”عقد احتمالی“ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

العقد الذى لا يستطيع فيه كل من المتعاقدين تحديد ما يحصل عليه من نفعة.^(۱)

ترجمہ:- یہ ایک ایسا عقد ہے جس میں فریقین میں سے کوئی بھی حاصل ہونے والی منفعت کی تحدید نہیں کر سکتا

مصر کے عدالتی قوانین میں عقد احتمالی کی تشریح اس طرح کی گئی ہے:

إن العقد الإحتمالی هو الذى لا يستطيع فيه كل من المتعاقدين تحديد ما يحصل عليه من المنفعة وقت التعاقد. وهى لا تتحدد إلا فيما بعد تبعاً لوقوع أمر غير محقق كبيع الثمار قبل انعقادها والزرع قبل نباته بضمن. والبيع بسعر الوحدة ليس إحتمالیاً لأن كل من البائع والمشتري يعلم وقت العقد ما أعطى كما يعلم ما أخذ.^(۲)

ترجمہ:- عقد احتمالی ایک ایسا عقد ہے جس میں فریقین میں سے کوئی

(۱) نظریة الإلتزام فی قانون المدنی المصری أبو ستیت (الدكتور أحمد حشمت أبو ستیت) ص: ۶۴ کذا فی الغرر واثره فی العقود ص: ۶۸۔

(۲) هكذا قضت محكمة استئناف مصر (۱۸ ابریل ۱۹۴۸ م، المحاماة ۳۱، رقم: ۱۳۵) كذا فی الوسيط فی شرح القانون المدنی، السنهوری (الدكتور عبدالرزاق السنهوری) بیروت، دار احیاء التراث العربی (۱/۱۶۳)۔

بھی عقد ہونے کے وقت حاصل ہونے والی منفعت کی تحدید نہیں کر سکتا۔ اس کی تحدید کسی غیر یقینی واقعے کے تابع ہوتی ہے جیسے پھلوں کے پکنے سے پہلے یا کھیتی کے پکنے سے پہلے کسی ثمن (قیمت) پر ان کی بیع۔ البتہ اگر متعین ثمن کے بدلے متعین چیز دینے کا عقد ہو تو وہ عقد احتمالی نہیں اس صورت میں عقد کے وقت بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو یہ معلوم ہے کہ اس نے کیا لینا ہے اور کیا دینا ہے۔

قانون کی معروف لغت بلیکس لاء ڈکشنری (Black's law dictionary) میں Uncertainty کے بجائے اس کے متضاد لفظ Certainty کی تشریح ملتی ہے جو کہ ان الفاظ میں ہے۔

Certainty : Absence of doubt, accuracy; The
quality of being specific.^(۱)

قانون کی ایک اور معروف لغت "المعجم القانونی" (Law Dictionary) کے اندر Certainty اور Uncertainty دونوں الفاظ کی تشریح ملتی ہے جو کہ ان الفاظ میں ہے:-

Certainty:

(فی المرافعات) إبانة فی تقرير أمر، وضوح أو تفصيل فی كلام.
(فی العقود) ضبط، وضوح أو جلاء.

Uncertainty:

عدم تثبت أو عدم یقین (من أمر)، عدم الجزم به، غموض
(فی قصد أو تعبير).^(۲)

(۱) Black's law dictionary P.205

(۲) المعجم القانونی، (انجلیزی عربی) الفاروقی (حارث سلیمان الفاروقی) بیروت، مکتبة لبنان، الطبعة الرابعة ۲۰۰۱ م ص: ۱۱۵.

غرر سے متعلق ذکر کردہ قانونی عبارات کا حاصل یہ ہے کہ قانون کی نظر میں کسی معاملے کے غرر پر مبنی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی نہ کوئی ابہام ہو، معاملہ واضح نہ ہو اور کسی معاملے کے غرر پر مبنی نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی ابہام نہ ہو، بلکہ اس معاملے سے متعلق تمام پہلو واضح طور پر بیان کر دیئے گئے ہوں۔

غرر کی شرعی اور قانونی تعریفات کے

درمیان مقارنہ (Comparision)

غرر کی شرعی اور قانونی تعریفات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ قانون غرر کے ان تمام پہلوؤں کا احاطہ نہیں کرتا جن کا احاطہ شرعی تعریفات کے ذیل میں ہو جاتا ہے مثلاً اگر کسی معاملے میں بائع مبیع سپرد کرنے پر قادر نہ ہو البتہ مبیع (Subject Matter) اور ثمن (Price) کی ادائیگی کی مدت، جگہ اور اس کا طریقہ کار غرضیکہ اس کی تمام تفصیلات بیان کر دی جائیں تو قانون کی نظر میں یہ معاملہ درست ہے کیونکہ اس میں کوئی ابہام نہیں ہے لیکن شرعی اعتبار سے یہ معاملہ غرر میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے کیونکہ یہ یقینی نہیں کہ وہ مستقبل میں مبیع سپرد کرنے پر قادر ہوگا یا نہیں۔^(۱)

اس لئے یوں کہا جاسکتا ہے کہ غرر شرعی اور غرر قانونی کے درمیان عموم خصوص مطلق^(۲) کی نسبت ہے جس میں غرر قانونی خاص مطلق اور غرر شرعی عام مطلق ہے یعنی جو معاملہ قانون کی رو سے غرر پر مبنی ہے وہ شرعی اعتبار سے بھی غرر پر مبنی ہے لیکن جو معاملہ

(۱) جیسے فیوچر اور فارورڈ سیل (Future sale and Forword sale) اور ہوا میں موجود پرندے کی بیع وغیرہ البتہ سلم واستصناع وغیرہ کا جواز خلاف قیاس ہے جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

(۲) یہ علم منطق کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دو چیزوں کے درمیان ایسی نسبت کہ جہاں ایک چیز پائی جائے وہاں دوسری بھی پائی جائے لیکن جہاں دوسری چیز پائی جائے ضروری نہیں کہ وہاں پہلی بھی پائی جائے جیسے انسان اور جاندار کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے جس میں انسان خاص مطلق اور جاندار عام مطلق ہے، یعنی جو انسان ہے وہ جاندار بھی ہوگا لیکن جو جاندار ہے، ضروری نہیں کہ وہ انسان بھی ہو بلکہ کوئی اور مخلوق بھی ہو سکتا ہے جیسے شیر، چیتا وغیرہ کہ یہ جاندار تو ہیں لیکن انسان نہیں۔

شریعت کی رو سے غرر پر مبنی ہے، ضروری نہیں کہ وہ قانونی اعتبار سے بھی غرر پر مبنی ہو۔

غرر کی تقسیمات

ذیل میں مختلف اعتبارات سے غرر کی بننے والی اقسام کو ذکر کرنا مقصود ہے۔
 غرر میں بنیادی طور دو تقسیمیں ہوتی ہیں:-

۱- غرر کی تقسیم مؤثر ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے۔

۲- غرر کی تقسیم اسباب غرر کے اعتبار سے۔

ذیل میں دونوں قسموں کو قدرے تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے۔

غرر کی تقسیم مؤثر ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے

غرر سے متعلق فقہائے کرام کی بیان کردہ تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ غرر کے مؤثر ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:-

۱- غرر مؤثر۔
 ۲- غرر غیر مؤثر۔

غرر مؤثر سے مراد وہ غرر ہے جس کا اثر عقد میں ظاہر ہو اور اس کی وجہ سے عقد فاسد یا باطل ہو جائے اور غرر غیر مؤثر اس غرر کو کہا جاتا ہے کہ جس کا اثر عقد میں ظاہر نہ ہو اور عقد کے اندر اس کے پائے جانے کے باوجود بھی عقد صحیح رہے۔

غرر کے مؤثر ہونے کے لئے شرائط

عقد کے اندر غرر کے مؤثر ہونے کے لئے چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔
 ۱- غرر کثیر ہو۔

۲- عقد کے اندر اصالۃ پایا جائے۔

۳- اس عقد کو کرنے کی ضرورت اور حاجت نہ ہو۔

۴- غرر عقود مالیہ میں ہو۔^(۱)

ذیل میں ہر ایک کو قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

پہلی شرط

پہلی شرط یہ ہے کہ غرر کثیر ہو، اگر معمولی درجے کا غرر پایا جائے تو اس کی وجہ سے عقد فاسد نہیں ہوتا، علامہ ابن رشد الحفید رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

الفقهاء متفقون على أن الغرر الكثير في المبيعات لا يجوز
وأن القليل يجوز^(۱)

ترجمہ:- فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر بیع کے اندر پائے جانے والا غرر کثیر ہو تو وہ جائز نہیں لیکن اگر قلیل ہو تو وہ جائز ہے۔
علامہ قرافی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

الغرر ثلاثة أقسام كثير ممتنع إجماعاً كالطير في الهواء
وقليل جائز إجماعاً كأساس الدار وقطن الجبة ومتوسط
اختلف فيه، هل يلحق بالأول أو الثاني^(۲)

ترجمہ:- غرر کی تین اقسام ہیں۔ غرر کثیر جو بالاتفاق ممنوع ہے جیسے ہوا میں موجود پرندے کی بیج، غرر قلیل جو بالاتفاق جائز ہے جیسے گھر کی بنیاد اور جبہ کی روئی میں پایا جانے والا غرر، اور غرر متوسط کے بارے میں اختلاف واقع ہوا ہے کہ اسے پہلی قسم کے ساتھ ملایا جائے یا دوسری قسم کے ساتھ۔

کیا غرر کثیر اور غرر یسر کے لئے کوئی ضابطہ ہے؟

اس بات کا فیصلہ کرنا کہ کونسا غرر کثیر ہے یا کونسا قلیل، یہ ایک مشکل کام ہے کیونکہ کثرت اور قلت کا معیار زمانے اور علاقے کے بدلنے سے بدل جاتا ہے، اس لئے

(۱) بداية المجتهد، ابن رشد الحفید (أبو الوليد محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد بن رشد القرطبي الأندلسي الشهير بابن رشد الحفید المتوفى ۵۹۵ هـ) مصر، مطبعة محمد علي صبيح، الطبعة الأولى (۱۲۷/۲)۔

(۲) الفروق للقرافي (۲۶۵/۳)۔

ان کے درمیان کوئی متعین حد بندی کرنا مشکل ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام میں بعض مرتبہ غرر کے درمیان کثیر یا قلیل ہونے میں اختلاف واقع ہوا ہے جسے علامہ قرافی^(۱) نے غرر متوسط قرار دیا ہے تاہم بعض فقہاء نے غرر کثیر اور غرر یسیر کی پہچان کے لئے ضابطہ بیان بھی فرمایا ہے، چنانچہ علامہ ابوالولید باجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

الغرر الكثير غلب على العقد حتى صار العقد يوصف به
..... والغرر اليسير ما لا يكاد يخلو عقد منه.^(۲)

ترجمہ:- غرر کثیر وہ ہے جو عقد میں غالب آجائے یہاں تک کہ عقد اس غرر کے ساتھ ہی موصوف ہو، اور غرر قلیل وہ ہے کہ تقریباً کوئی عقد اس سے خالی نہ ہو۔

علامہ ابن رشد الحجد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

الغرر اليسير الذي لا تنفك البيوع منه.^(۳)

ترجمہ:- غرر یسیر وہ ہے کہ عام طور پر معاملات اس سے خالی نہیں ہوتے۔
علامہ دسوقی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

غرر يسير هو ما شان الناس التسامح فيه.^(۴)

ترجمہ:- غرر یسیر وہ ہے جس میں عام طور پر لوگ تسامح سے کام لیتے ہیں۔

اگرچہ غرر کثیر اور غرر قلیل کے درمیان فرق کرنے کے لئے فقہاء نے ضوابط ذکر فرمائے ہیں لیکن ان کی بنیاد پر بھی کوئی حتمی فیصلہ کرنا آسان نہیں البتہ علامہ دسوقی رحمہ

(۱) الفروق للقرافی (۲۶۵/۳)

(۲) المنتقى شرح الموطأ، الباجی (القاضی ابوالولید سلیمان بن خلف بن سعد بن ایوب بن وارث الباجی ۴۰۳ھ-۴۹۴ھ) مصر، مطبعة السعادة، الطبعة الأولى ۱۳۳۲ھ (۴/۵)۔

(۳) المقدمات الممهدات، ابن رشد (ابو الولید محمد بن أحمد ابن رشد القرطبی المتوفی ۵۲۰ھ) بیروت، دار الغرب للإسلامی، الطبعة الأولى ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۸م (۴۳/۲)۔

(۴) حاشية الدسوقي على الشرح الكبير (۶۰/۳)

اللہ علیہ نے غرر یسیر کے بارے میں جو ضابطہ بیان فرمایا ہے یہ زیادہ رائج اور عمل کے اعتبار سے آسان ہے۔ اسی کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس غرر میں لوگ عام طور پر تسامح نہیں کرتے بلکہ وہ باہمی نزاع کا ذریعہ بن جاتا ہے، وہ غرر کثیر ہے اور جس غرر میں لوگ عام طور پر تسامح کرتے ہیں اور وہ باہمی نزاع کا ذریعہ نہیں بنتا وہ غرر یسیر ہے۔

دوسری شرط

دوسری شرط یہ ہے کہ یہ غرر عقد کے اندر اصالۃ پایا جاتا ہو، اگر کسی کے ضمن میں پایا جائے گا تو اس صورت میں یہ غرر مؤثر نہیں ہوگا اور بیع جائز ہو جائے گی، اس لئے کہ شریعت کا ضابطہ یہ ہے کہ بعض مرتبہ کسی چیز کے ضمناً ہونے کی وجہ سے تو اسے برداشت کر لیا جاتا ہے لیکن اگر وہ اصالۃ اور قصداً ہو تو وہ جائز نہیں ہوتی۔
علامہ ابن نجیم نے یہ اصول ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:-
(۱) یغتفر فی الشیء ضمناً ما لا یغتفر قصداً.

اور شریعت مطہرہ میں اس کی بہت سی مثالیں بھی موجود ہیں، چند ایک درج ذیل ہیں۔
۱- جانور کے پیٹ کے اندر موجود بچے (حمل) کی بیع کرنا جائز نہیں کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔^(۲) نیز علامہ ابن منذر اور علامہ ماوردی نے اس بیع کے ناجائز ہونے پر اجماع نقل فرمایا ہے۔^(۳) لیکن حاملہ جانور کی بیع بالاتفاق جائز ہے حالانکہ اس بیع کے اندر حمل بھی شامل ہوتا ہے لیکن چونکہ یہ حاملہ جانور کے ضمن میں ہوتا ہے اس لئے

(۱) الأشباه والنظائر، ابن نجیم (زین الدین بن ابراہیم المعروف بابن نجیم المتوفی ۹۷۰ھ) کراچی، إدارة القرآن والعلوم الاسلامیۃ، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ (۳۲۶/۱)۔
وأيضاً فی الأشباه والنظائر، السيوطی (جلال الدین عبدالرحمن السيوطی المتوفی ۹۱۱ھ) مصر، مصطفى البابي الحلبي وأولاده، الطبعة ۱۳۵۶ھ-۱۹۳۸م ص: ۱۷۳۔

(۲) السنن الكبرى للبيهقي (۳۴۱/۵)

(۳) المجموع شرح المذهب، النووي (أبو زكريا محي الدين يحيى بن شرف النووي المتوفى ۶۷۶ھ) بيروت، دار الفكر (۳۲۳/۹) وأجمع العلماء على بطلان بيع الجنين وعلى بطلان بيع مافي أصلاب الفحول نقل الإجماع فيها ابن المنذر والماوردی وغيرهما لأنه غرر ولا حادئث ولما ذكره المصنف.

اس وقت اس کی بیع جائز ہو جاتی ہے حتیٰ کہ ایسی صورت میں حمل کو مستثنیٰ قرار دے کر اس جانور کی بیع کرنا صحیح نہیں ہوتا۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

وَإِذَا بَاعَ حَامِلًا بَيْعًا مَّطْلَقًا دَخَلَ الْحَمْلُ فِي الْبَيْعِ عَلَى الصَّحِيحِ وَلَوْ بَاعَهَا إِلَّا حَمْلَهَا لَمْ يَصَحَّ الْبَيْعُ عَلَى الصَّحِيحِ^(۱)
ترجمہ:- جب کوئی شخص حاملہ جانور کی مطلقاً بیع کرتا ہے تو صحیح قول کے مطابق اس کا حمل بھی اس میں داخل ہو جاتا ہے اور اگر اس نے حمل کا استثناء کر کے بیع کی تو صحیح قول کے مطابق اس کی یہ بیع صحیح نہیں۔

۲- اسی طرح جانور کے تھنوں میں موجود دودھ کی بیع اصلاً جائز نہیں کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے^(۲)۔ نیز اس میں دودھ کی مقدار مجہول ہونے کی وجہ سے غرر کی خرابی بھی پائی جاتی ہے^(۳)۔ لیکن ایسے جانور کی خرید و فروخت بالاتفاق جائز ہے جس کے تھنوں میں دودھ موجود ہو، حالانکہ یہاں دودھ کی مقدار مجہول ہونے کی وجہ سے غرر موجود ہے لیکن ضمناً اور تابع ہونے کی وجہ سے مؤثر نہیں۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى جَوَازِ بَيْعِ حَيَوَانَ فِي ضَرْعِهِ لَبَنٍ، وَإِنْ كَانَ اللَّبَنُ مَجْهُولًا لِأَنَّهُ تَابِعٌ لِلْحَيَوَانَ وَدَلِيلُهُ مِنَ السَّنَةِ

(۱) المجموع شرح المہذب للنووی (۳۲۸/۹)

(۲) سنن الدارقطنی (الحافظ علی بن عمر الدارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ) بیروت، دارالمعرفة، الطبعة الأولى ۱۳۲۲ھ-۲۰۰۱م (۵۸۳/۲) عن ابن عباس قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تباع الثمرة حتى يبين صلاحها أو يباع صوف على ظهر أو لبن في ضرع.... وإيضاً في السنن الكبرى للبيهقي (۳۳۰/۵)، وصحح إسناده النووی فی المجموع (۳۲۶/۹)

(۳) الموسوعة الفقهية (الكويت) (۱۵۲/۳۱): لأنه مجهول القدر لأنه قد يرى امتلاء الضرع من اللبن فيظن أنه من اللبن، ولأنه مجهول الصفة لأنه قد يكون اللبن صافياً وقد يكون كدرًا، وذلك غرر من غير حاجة فلم يحجر

حدیث المصراة^(۱)

ترجمہ:- مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جس جانور کے تھنوں میں دودھ ہو، اس کی بیع جائز ہے حالانکہ دودھ کی مقدار مجہول ہے، جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ حیوان کے تابع ہے اور جواز کی دلیل حدیث مصراة ہے۔^(۲)

۳- اسی طرح درختوں پر موجود پھلوں کو پکنے اور آفت سے محفوظ ہونے سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں لیکن اگر ان پھلوں کو درخت سمیت فروخت کر دیا جائے تو پھر یہ بیع بالاتفاق جائز ہے۔^(۳)

مذکورہ تمام مثالوں سے واضح ہوا کہ غرر کے موثر ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ عقد میں اصالت پایا جائے، اگر ضمناً پایا جائے گا تو اس کی وجہ سے عقد فاسد نہ ہوگا۔ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يجوز في التابع من الغرر ما لا يجوز في المتبوع.^(۴)

ترجمہ:- تابع کے اندر وہ غرر بھی جائز ہوتا ہے جو متبوع (اصل) کے اندر جائز نہیں ہوتا۔

تیسری شرط

تیسری شرط یہ ہے کہ اس عقد کو کرنے کی واقعی ضرورت اور حاجت نہ ہو، اگر کسی

(۱) المجموع شرح المہذب للنووی (۳۲۶/۹)۔

(۲) مصراة ایسے جانور کو کہتے ہیں جس کا کچھ دنوں سے دودھ نہ نکالا گیا ہو، حدیث مصراة سے مراد وہ حدیث ہے جس میں ایسے جانور کی خرید و فروخت کی اجازت دی گئی ہے۔

(۳) بخاری، البيوع، حدیث: ۲۱۹۹، مسلم، البيوع، حدیث: ۳۷۵۲، عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تبيعوا الثمر حتى يبدو صلاحه. (البتہ درختوں پر موجود پھلوں کی بیع کی بعض صورتوں میں کچھ اختلاف اور تفصیل ہے جو باب نمبر ۶ میں آئیگی)۔

(۴) المغنی، ابن قدامة (موفق الدین أبو محمد عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة المقدسی ۵۴۱ھ-۶۲۰ھ) ریاض، دار عالم الكتب، الطبعة الثالثة ۱۴۱۷ھ-۱۹۹۷م (۱۵۰/۶) لآئذ إذا باعها مع الأصل حصلت تبعاً في البيع، فلم يضر احتمال الغرر فيها.

عقد کو ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا تو اس میں غرر مؤثر نہیں ہوگا جیسے بیع سلم کے اندر غرر موجود ہے کیونکہ یہ معدوم چیز کی بیع ہے، لیکن ضرورت کی وجہ سے اسے جائز قرار دیا گیا۔^(۱)

اسی طرح تھنوں کے اندر موجود دودھ کی بیع جائز نہیں لیکن حاجت کی وجہ سے بچوں کی پرورش کے لئے بطور حضانت کسی عورت سے اجارہ کے معاملے کی اجازت دی گئی۔^(۲) ان کے علاوہ مزارعت^(۳) اور خیار شرط^(۴) وغیرہ کو بھی حاجت کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا، لہذا ان میں غرر مؤثر نہیں ہوگا۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

مفسدة الغرر أقل من الربا، فلذلك رخص فيما تدعو إليه الحاجة منه، فإن تحريمه أشد ضررا من ضرر كونه غررا.^(۵)
 غرر کے مفاسد سود سے کم ہیں اس لئے حاجت کے وقت اس کی اجازت دی گئی ہے، اس لئے کہ ایسی صورت میں اسے حرام قرار دینا اس کے غرر ہونے کے ضرر سے زیادہ سخت ہے۔

(۱) فتح القدیر، ابن الہمام (کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید بن مسعود السیواسی المعروف بابن الہمام المتوفی ۸۶۱ھ) کولہ، مکتبہ رشیدیہ (۲۰۶/۶) (فی بیع السلم) ولا یخفی أن جوازہ علی خلاف القیاس إذ هو بیع المعدوم وجب المصیر الیہ بالنص والاجماع للحاجة من کل من البائع والمشتري.

(۲) المعنی لابن قدامة (۳۰۱/۶) أما لبن الطر فأنما جاز للحضانة لأنه موضع حاجة.

(۳) تبویر الأبصار للتمر تاشی الدر المختار للحصکفی مع شرحه رد المحتار المعروف بحاشیة ابن عابدین (محمد امین الشہیر بابن عابدین المتوفی ۱۲۰۲ھ) کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی (۲۷۵/۶): ولا تصح عند الإمام لأنه كقفيير الطحان وعندهما تصح وبه يفتي للحاجة.

(۴) بدائع الصنائع للکاسانی (۱۷۳/۵): عن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الغرر لأنه تعلق العقد على غرر سقوط الخيار إلا أنه ورد نص خاص في جوازہ..... وفيه ايضا: إن النص الوارد في خيار ثلاثة أيام معلول بالحاجة إلى دفع العين بالتأمل والنظر.

(۵) القواعد النورانية الفقهية، ابن تیمیة (شیخ الإسلام ابن تیمیة) القاہرہ، مطبعة السنة النبوية المحمدية، الطبعة الأولى ۱۳۷۰ھ-۱۹۵۱م ص: ۱۱۸

چوتھی شرط

مالکیہ کے ہاں غرر کے موثر ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مالی معاوضات کے اندر پایا جاتا ہو جیسے بیع، اجارہ، شرکت اور مضاربہ وغیرہ۔ لہذا اگر وہ غرر عقود تبرع کے اندر پایا جاتا ہو جیسے ہبہ اور وصیت تو اس میں غرر کا پایا جانا مضر نہیں۔ اور وہ معاملہ جو محض عقود مالیہ میں سے بھی نہیں اور محض عقود تبرع میں سے بھی نہیں جیسے نکاح، یہ اس اعتبار سے محض عقد مالی نہیں کہ اس میں مال کا تبادلہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ زوجین کے درمیان موثقت اور محبت کا رشتہ قائم کرنا مقصود ہوتا ہے اور محض عقد تبرع اس لئے نہیں کہ شوہر کی طرف سے دیا گیا مہر محض احسان کے طور پر نہیں ہوتا بلکہ اس استمتاع کا عوض ہوتا ہے جو وہ زوجہ سے حاصل کرتا ہے۔ ایسے معاملات میں مالکیہ کے ہاں اس میں غرر فاحش تو جائز نہیں، البتہ غرر قلیل جائز ہے۔

چنانچہ علامہ قرافی فرماتے ہیں:-

وانقسمت التصرفات عندہ علی ثلاثة اقسام طرفان وواسطہ
فالطرفان أحدهما معاوضة صرفة فيجتنب فيها ذلك إلا ما
دعت الضرورة إليه عادة، وثانيهما هو إحسان صرف لا
يقصد به تنمية المال كالصدقة والهبة والإبراء فان هذه
التصرفات لا يقصد بها تنمية المال بل إن فأتت علی من
أحسن إليه بها لا ضرر عليه فإنه لم يبذل شيئاً بخلاف القسم
الأول إذا فات بالغرر والجهالات ضاع المال المبذول في
مقابلته فاقتضت حكمة الشرع منع الجهالة فيه أما الإحسان
الصرف فلا ضرر فيه فاقتضت حكمة الشرع وحثه علی
الإنسان التوسعة فيه بكل طريق بالمعلوم والمجهول.....
وأما الواسطة بين الطرفين فهو النكاح فهو من جهة أن المال

فیه لیس مقصوداً وإنما مقصده المودّة والألفة والسکون
 یقتضی أن یجوز فیه الجهالة والغرر مطلقاً ومن جهة أن
 صاحب الشرع استرط فیه المال بقوله تعالى ”أن تبغوا
 بأموالکم“^(۱) یقتضی امتناع الجهالة والغرر فیه فلو جود
 الشبهین توسط مالک فجوز فیه الغرر القلیل دون الكثير.^(۲)
 ترجمہ:- امام مالک کے نزدیک تصرفات کی تین قسمیں ہیں۔ دو
 طرفیں اور درمیان میں (واسطہ)، پہلی طرف محض مالی معاملہ اس میں
 غرر سے بچنا ضروری ہے سوائے اس کے کہ وہاں ضرورت ہو۔ دوسری
 طرف محض احسان کا معاملہ اس سے مال کا حصول مقصود نہ ہو جیسے
 صدقہ، ہبہ اور ابراء، چونکہ ان معاملات میں مال مقصود نہیں بلکہ اگر یہ
 عقد نہ کیا جائے تو محض احسان کا نہ کرنا لازم آتا ہے تو اس میں غرر کا
 ہونا مضر نہیں کیونکہ اس سے دوسرے فریق کا کوئی نقصان نہیں ہوتا
 بخلاف پہلی قسم کے کہ اس میں غرر اور جہالت کی وجہ سے مالی عوض
 ضائع ہو جاتا ہے اس لئے شریعت نے اس میں جہالت کو ممنوع قرار
 دیا اور یہاں انسانوں کو اس پر ابھارنے کے لئے توسع پیدا کیا گیا اس
 لئے اس میں غرر کا پایا جانا مضر نہیں، اور وہ معاملہ جو دونوں طرفوں کے
 درمیان ہے وہ نکاح ہے، اس اعتبار سے کہ اس میں مال مقصود نہیں
 ہوتا بلکہ زوجین کے درمیان اُلفت و محبت اور تسکین پیدا کرنا مقصود ہوتا
 ہے، اس میں غرر اور جہالت کی اجازت معلوم ہوتی ہے لیکن اس
 اعتبار سے کہ شارع علیہ السلام نے اس میں مال کی شرط لگائی ہے جیسا

(۱) القرآن: (۲۴:۳)۔

(۲) الفروق للقرافی (۱/۱۵۱)، انظر أيضا الخرشى على خليل (۵/۲۲۶)، المنتقى
 (۵/۲۲۲)، المدونة (۵/۲۴۱)

کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ”تم ان کو اپنے مالوں کے بدلے طلب کرو“ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں غرر اور جہالت مضر ہو تو دونوں طرف کے شبہ کی وجہ سے امام مالک رحمہ اللہ نے اسے ان دونوں کے درمیان رکھا اور اس میں غرر فاحش کو تو ناجائز قرار دیا البتہ غرر یسر کی اجازت دی۔

جمہور فقہائے کرام ہبہ کے اندر تو غرر کو جائز قرار نہیں دیتے البتہ دیگر عقود مثلاً وصیت وغیرہ کے اندر اس کی اجازت دیتے ہیں۔

علامہ کا سانی رحمہ اللہ ہبہ اور وصیت کے بارے میں فرماتے ہیں:-
 (أما ما يرجع إلى الموهوب فأشأنه أن يكون موجوداً وقت الهبة فلا تجوز هبة ما ليس بموجود وقت العقد بأن وهب ما يشمر نخله العام وما تلد ناقتة السنة ونحو ذلك بخلاف الوصية، والفرق أن الهبة تملك للحال وتمليك المعدوم محال والوصية لا تمنع جوازها وكذلك لو وهب مافي بطن هذه الجارية أو مافي بطن هذه الشاة أو مافي ضرعها لا يجوز.^(۱)

ترجمہ:- وہ شرائط جو موهوب کے اندر ہونا ضروری ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ چیز ہبہ کے وقت موجود ہو لہذا ایسی چیز کا ہبہ کرنا صحیح نہیں جو عقد کے وقت موجود نہ ہو مثلاً ایک سال کے لئے اپنے درخت کے پھلوں کا ہبہ کرے، ایک سال تک اس کی بکریاں جتنے بچے جنیں گی، ان کا ہبہ کر دے وغیرہ بخلاف وصیت کے کہ ان میں یہ جائز ہے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ ہبہ میں فوراً تملیک کی جاتی ہے اور معدوم چیز کی فوری تملیک محال ہے جبکہ وصیت میں اس کی نسبت موت کے بعد

والے زمانے کی طرف ہوتی ہے یہ نسبت وصیت کے جواز سے مانع نہیں۔ اسی طرح اس نے باندی یا بکری کے پیٹ میں موجود بچے یا تھن میں موجود دودھ کا ہبہ کیا تو وہ بھی صحیح نہیں۔

علامہ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

وما جاز بیعہ جاز ہبہ وما لا کمجہول ومغصوب وضال فلا^(۱) ترجمہ:- جس چیز کی بیع صحیح ہے، اس کا ہبہ بھی صحیح ہے اور جس کی بیع صحیح نہیں جیسے مال غیر معلوم، غصب شدہ مال اور گم شدہ اشیاء وغیرہ تو ان کا ہبہ بھی صحیح نہیں۔

علامہ بہوتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

الہبة تملیک جائز التصرف مالا معلوماً او مجهولاً تعذر علمه مزجوراً مقدوراً علی تسلیمه من غیر واجب فی الحیاة، فخرج بالمال اختصاصات، وبالمعلوم المجهول تعذر علمه فلا یصح ہبہ کیعہ وبالموجود المعدوم وبالمقدور علی تسلیمه الحمل^(۲)۔

ترجمہ:- ایسی چیز جسے استعمال کرنا جائز ہے، اس کا کسی کو مالک بنانا ہبہ کہلاتا ہے، خواہ اس کا علم ہو یا نہ ہو، بلکہ اس کا علم ہونا بھی مشکل ہو لیکن وہ مال موجود ہو اور مقدور تسلیم بھی ہو بشرطیکہ دینے والا اپنا یہ مال ابتداءً (تبرعاً) کسی کو دے، کسی دوسرے کا کوئی ذمہ اس پر واجب نہ ہو، مال کی قید لگانے سے محض تخصیص کرنا نکل گیا، معلوم کی قید سے

(۱) المنہاج مع مغنی المحتاج (۲/۳۹۹)۔

(۲) کشاف القناع عن متن الاقناع، البہوتی (منصور بن یونس بن ادیس البہوتی

۱۰۰۰ھ-۱۰۵۱ھ مکة المکرمہ، مطبعة الحكومة الطبعة ۱۳۹۴ھ (۳/۲۲۹)

ایسا مجہول نکل گیا جس کا علم حاصل کرنا مشکل ہے کیونکہ جس طرح ان کی بیع صحیح نہیں، اسی طرح ان کا ہبہ بھی صحیح نہیں اور موجود کی قید سے معدوم اور مقدور التسلیم کی قید سے حمل اور واجب نہ ہونے کی قید سے قرض اور نفقہ نکل گئے (کہ انکا ہبہ صحیح نہیں)۔

غرر کی تقسیم.... اسباب غرر کے اعتبار سے

اسباب غرر کے اعتبار سے غرر کی تقسیم کے متعلق مالکی فقہاء نے ”بیع الغرر“ کو مستقل باب کے تحت تفصیلاً ذکر فرمایا ہے جبکہ دیگر مسالک کے اندر یہ ترتیب نہیں ملتی، البتہ بعض دیگر فقہاء نے بھی غرر کی تقسیم فرمائی ہے۔ علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے غرر کی تین صورتیں ذکر فرمائی ہیں:-

- ۱- بیع کے وجود میں خطر کا ہونا۔
 - ۲- بیع کی صفت میں خطر کا ہونا۔
 - ۳- بیع کی سپردگی میں خطر کا ہونا۔^(۱)
- علامہ باجی مالکی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غرر تین اعتبار سے پایا جاتا ہے۔
- ۱- عقد کے اعتبار سے جیسے ایک عقد میں دو معاملے کرنا، بیع الحصة اور بیع العربان وغیرہ۔

- ۲- مدت کے اعتبار سے کہ وہ مجہول ہوگی یا بہت بعید کی مدت مقرر کی گئی ہوگی۔
 - ۳- عوض کے اعتبار سے، خواہ یہ عوض بیع ہو یا ثمن ہو۔
- پھر عوض میں غرر کی تین صورتیں ہیں۔

- ۱- مجہول الصفت ہو۔
- ۲- غیر مقدور التسلیم ہو۔

(۱) بدائع الصنائع، الکاسانی (۵/۱۶۳): الغرر هو الخطر وفي البيع الخطر من وجوه أحدها في أصل المعقود عليه، والثاني في وصفه.... والثالث في وجود التسليم وقت وجوبه.

۳- جہالت ہو۔^(۱)

علامہ ابن رشد کے نزدیک غرر درج ذیل تین چیزوں میں ہوتا ہے:-^(۲)

الف:- عقد میں جیسے ایک عقد میں دو معاملے کرنا اور بیع الحصاة وغیرہ۔

ب:- عوض کے اندر خواہ ثمن میں ہو یا بیع میں یا دونوں میں۔

اس کی پھر تین صورتیں ہیں:-

۱- عوض کی مقدار یا صفت میں جہالت۔

۲- عوض کا غیر مقدور لتسلیم ہونا۔

۳- عوضین کے انجام کا غیر معلوم ہونا۔ اس کی مثال یوں ذکر فرماتے ہیں جیسے کسی

شخص کا ایسے غلام کو فروخت کرنا جس کے سر پر زخم لگا ہو اور ابھی تک وہ دُست نہ ہوا ہو اور اس کے لئے تاوان کا فیصلہ کیا گیا اور جنایت کرنے والے کو بری قرار نہ دیا گیا ہو۔^(۳)

ج:- بیع اور ثمن دونوں میں یا کسی ایک کے اندر جہالت کا ہونا۔

علامہ قرافی رحمہ اللہ کے نزدیک درج ذیل سات اشیاء کے اعتبار سے غرر ہوتا ہے:-

۱- وجود کے اعتبار سے۔

۲- حصول کے اعتبار سے۔

۳- جنس میں جہالت کے اعتبار سے۔

(۱) المنتقى شرح الموطأ (۵/۴۱): الغرر متعلق بالبيع من ثلاثة أوجه من جهة العقد والعوض والأجل فأما المبيع والتمن فإن يكون أحدهما مجهول الصفة... أو أنه غير مقدور على تسليمه... ومن الجهالة.

(۲) المقدمات الممهدة لابن رشد الجدة (۲/۷۳): الغرر الكثير المانع من صحة العقد يكون في ثلاثة أشياء (أحدهما) العقد (والثاني) أحد العوضين الثمن والمثمنون أو كليهما.

(۳) المقدمات بحواله بالا (والثالث) الأجل فيهما أو في أحدهما. وفيه أيضاً (۲/۷۵): أما غرر في الثمن والمثمنون أو في كليهما فإنه يكون بثلاثة أوجه (أحدها) الجهل بصفة ذلك مقداره.. (والثاني) عدم القدرة على تسليمه وذلك مثل أن يبيع العبد الأبق والجمل الشارد.. (والثالث) الجهل بمآل حاله، وهو أمر مختلف فيه، ذلك مثل أن يبيع الرجل العبد المجروح ضحة قبل أن يبرأ بحكم له بأرشها من غير أن يبرأ الجاني من الجنابة.

۴- نوع میں جہالت کے اعتبار سے۔

۵- مقدار میں جہالت کے اعتبار سے۔

۶- تعین اور عدم تعین کے اعتبار سے۔

۷- چیز کی بقاء اور عدم بقاء کے اعتبار سے۔^(۱)

علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک غرر کی تین قسمیں ہیں:-

۱- بیع المعدوم۔

۲- غیر مقدور^{للتسلیم} کی بیع۔

۳- مطلق مجہول یا مجہول الجنس یا مجہول القدر کی بیع۔^(۲)

معاصر علمائے کرام میں سے مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے غرر کی تین صورتیں

ذکر فرمائی ہیں:-

۱- بیع میں جہالت ہو۔

۲- بائع بیع کو سپرد کرنے پر قادر نہ ہو۔

۳- بیع مبنی بر خطر ہو۔^(۳)

ڈاکٹر صدیق محمد الامین الضریح کے نزدیک غرر کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں:-

الف:- صیغہ عقد میں جہالت ہو۔

(۱) الفروق القرافی (۲۶۵/۳)؛ ثم الغرر والجهالة في سبعة أشياء في الوجود كالآبق قبل الإباق والحصول إن علم الوجود كالطير في الهواء وفي الجنس كسلعة لم يسمها وفي النوع كعبد لم يسمه وفي المقدار كبيع إلى مبلغ رمى الحصاة وفي التعيين كثوب من ثوبين مختلفين وفي البقاء كائتمار قبل بدو صلاحها فهذه سبعة موارد للغرر والجهالة.

(۲) القواعد النوارنية الفقهية لابن تيسية ص: ۱۱۷؛ أما الغرر، فإنه ثلاثة أنواع. أما المعدوم كحبل الحبل وبيع السنين وأما المعجوز عن تسليمه كالعبد الآبق وأما المجہول المطلق أو المعین المجہول جنسہ أو قدرہ كقوله بعثك عبداً أو بعثك ما فی بیتی أو بعثك عبیدی.

(۳) تكملة فتح الملهم، العثماني (مولانا محمد تقی عثمانی) كراتشي، مكتبه دارالعلوم كراتشي. الطبعة الأولى ۱۴۰۵ھ (۱/۳۲۰)؛ والجامع الذي يجمع هذه البيوع كلها إما جهالة المبيع، أو عدم قدرة البائع على تسليمه أو كون المبيع على خطر.

اس کی مزید چھ صورتیں ہیں:-

۱- بیعتان فی بیعة (ایک عقد میں دوسرے معاملے کرنا)۔

۲- بیع العربان۔

۳- بیع الحصة۔

۴- بیع المناذہ۔

۵- بیع الملامہ۔

۶- العقد المعلق والعقد المضاف۔

ب:- محل عقد کے اعتبار سے غرر۔

اس کی مزید نو اقسام ہیں:-

۱- بیع کی ذات میں جہالت۔

۲- بیع کی جنس میں جہالت۔

۳- بیع کی نوع میں جہالت۔

۴- بیع کی صفت میں جہالت۔

۵- بیع کی مقدار میں جہالت۔

۶- بیع کی مدت میں جہالت۔

۷- بیع کا غیر مقدور لتسلیم ہونا۔

۸- معدوم کی بیع۔

۹- اُن دیکھی چیز کی بیع^(۱)۔

(۱) الغرر وأثره فی العقود، الضریر (الدكتور الصديق محمد الأمين الضریر) طبع المؤلف بنفسه، الطبعة الأولى ۱۴۱۶ھ-۱۹۹۵م ص: ۹۷: التقسیم الذی اخترته: الف... الغرر فی صیغة القدر ولیشمل: ۱... بیعتین فی بیعة و صفتین فی صفقة ۲... بیع العربان ۳... بیع الحصة ۴... بیع المناذہ ۵... بیع الملامہ ۶... العقد المعلق والعقد المضاف. ب... الغرر فی محل العقد ویفرع هذا القسم الى الفروع الآتية: ۱... الجهل بذات المحل ۲... الجهل بجنس المحل ۳... الجهل بنوع المحل ۴... الجهل بصفة المحل ۵... الجهل بمقدار المحل ۶... الجهل بأجل المحل ۷... عدم القدرة علی تسلیم المحل ۸... التعاقد علی المعدوم ۹... عدم رؤية المحل.

ترجیح

احقر کے خیال میں ذکر کردہ تقسیمات میں زیادہ عمدہ اور آسان تقسیم وہ ہے جو مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے ذکر فرمائی ہے کیونکہ یہ اختصار اور جامعیت کا پہلو لئے ہوئے ہے، البتہ جہالت کے سبب کو صرف بیع کے ساتھ خاص کرنے کے بجائے عام کر دینا مناسب ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہالت چار چیزوں کے اندر پائی جاسکتی ہے:-

- ۱- عقد میں، ۲- بیع میں، ۳- ثمن میں، ۴- مدت میں۔

اس طرح غرر کی کل چھ صورتیں بن جاتی ہیں:-

الف:- جہالت کے اعتبار سے غرر۔

اس کی چار صورتیں ہیں:-

۱- عقد میں جہالت کے اعتبار سے غرر۔

۲- بیع میں جہالت کے اعتبار سے غرر۔

۳- ثمن میں جہالت کے اعتبار سے غرر۔

۴- مدت میں جہالت کے اعتبار سے غرر۔

ب:- بیع کا غیر مقدور التسليم ہونا۔

ج:- بیع کا مبنی بر خطر ہونا۔

احقر نے یہی تقسیم اپنے اس مقالے میں اختیار کی ہے۔

وضاحت

اس عنوان کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلے حصے میں غرر کی حقیقت اور اس کی مختلف صورتوں پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، جبکہ دوسرے حصے میں مختلف مالی معاملات پر غرر کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے، اس وقت آپ کے سامنے پہلا حصہ ہے۔ دوسرا حصہ ”مالی معاملات پر غرر کے اثرات“ کے نام سے الگ شائع ہوا ہے،

وللہ الحمد اولاً و آخراً۔

بابِ اوّل

عقد میں جہالت کے اعتبار سے غرر

عقد میں جہالت کے اعتبار سے غرر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خود عقد اس طرح انجام دیا جائے کہ اسی کی ذات میں جہالت اور غرر کی خرابی موجود ہو جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ میں تجھے اپنا مکان نقداً ایک لاکھ روپے میں جبکہ ادھار میں ڈیڑھ لاکھ روپے میں فروخت کرتا ہوں اور کسی ایک قیمت پر اتفاق ہوئے بغیر مجلس عقد ختم ہو جائے۔ تو یہاں پائی جانے والی جہالت نفس عقد کے اندر موجود ہے۔

عقد میں جہالت کے اعتبار سے غرر کی مختلف صورتیں ہیں۔ ذیل میں چند ایک کی حقیقت اور ان کے شرعی احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

بیعتان فی بیعة

(ایک عقد میں بیع کے دو الگ الگ معاملے کرنا)

ایک عقد میں بیع کے دو الگ الگ معاملے کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ احادیث کے اندر اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:-

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیعتین فی

بیعة^(۱)۔

(۱) صحیح ابن حبان، التمیمی، محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم التمیمی المتوفی ۳۵۴ھ، بیروت، مؤسسة الرسالة، الطبعة الثانية ۱۴۱۳ھ-۱۹۹۳م (۳۴۷/۱۱) حدیث: ۴۹۷۳، جامع الترمذی، البیوع، حدیث: ۱۲۳۱، سنن الکبریٰ للبیہقی، باب النہی عن بیعتین فی بیعة، حدیث: ۱۰۶۶۰، سنن النسائی، البیوع، حدیث: ۴۶۳۲، مسند احمد بن حنبل، بیروت، المکتب الاسلامی (۴۳۲/۲)، نیز مسند احمد بن حنبل میں یہ روایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جده کے طریق سے بھی موجود ہے، ملاحظہ فرمائیے: (۱۷۴/۲)۔

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عقد کے اندر بیع کے دو الگ الگ معاملے کرنے سے منع فرمایا۔

ایک اور روایت میں ہے:-

من باع بیعتین فی بیعة فله أو کسهما أو الربا۔^(۱)

ترجمہ:- جو شخص ایک عقد میں بیع کے دو الگ الگ معاملے کرے گا تو

اسے یا تو ان دونوں میں سے کم قیمت ملے گی یا وہ ربا کھائے گا۔

اس بات پر تو ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ بیعتان فی بیعة یعنی ایک عقد میں بیع کے

دو الگ الگ معاملے کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ لیکن بیعتان فی بیعة کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی متعدد تفاسیر فقہاء سے منقول ہیں۔

بیعتان فی بیعة کی حقیقت

ایک عقد میں بیع کے دو الگ الگ معاملے کرنے سے کیا مراد ہے؟ اس بارے

میں فقہائے کرام سے متعدد تشریحات منقول ہیں۔ ان میں سے درج ذیل تین تشریحات زیادہ مشہور ہیں۔

پہلی تشریح

”بیعتان فی بیعة“ کی ایک تشریح یہ کی گئی ہے کہ ایک شخص دوسرے کے ساتھ

کسی مدت کے لئے بیع مسلم کر لے مثلاً یوں کہے کہ اتنے روپے کے بدلے میں تجھ سے ایک

ماہ بعد ایک من گندم لوں گا، اور اس کی قیمت بھی ادا کرے۔ جب گندم کی ادائیگی کا وقت

آئے تو بیچنے والا شخص یہ کہے کہ جو ایک من تمہاری گندم میرے ذمہ ہے، اس کے بدلے

میں مجھ سے دو ماہ کے بعد دو من گندم لے لینا۔ گویا یہ ایک من گندم تمہاری ہے اور میں تم

سے تمہاری یہ ایک من گندم دو من گندم کے بدلے خرید لیتا ہوں اور اس دو من گندم کی

ادائیگی دو ماہ بعد کروں گا تو اس طرح گویا ایک بیع کے اندر دوسری بیع داخل ہوگئی۔ یہ

(۱) ابو داؤد، باب فیمن باع بیعتین فی بیعة، حدیث: ۳۳۱۶۔

تفسیر علامہ شوکانی رحمہ اللہ علیہ نے نیل الاوطار میں شرح السنن لابن ارسلان کے حوالے سے نقل کی ہے^(۱) لیکن جمہور فقہائے کرام نے اس تشریح کو اختیار نہیں کیا اس لئے کہ یہ تفسیر حدیث کے ظاہری مفہوم سے قدرے بعید ہے۔

دوسری تشریح

دوسری تشریح یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک معاہدے میں بیع کے دو معاملے اس طرح کئے جائیں کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ مشروط ہو مثلاً ایک شخص دوسرے سے یہ کہے کہ میں تجھے اپنا یہ گھر اس شرط پر بیچتا ہوں کہ تم اپنی فلاں چیز مجھے اتنی قیمت پر فروخت کرو۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:-

وَإِذَا قَالَ: بَعْتُكَ بِكَذَا عَلَى أَنْ آخِذَ مِنْكَ الدِّينَارُ بِكَذَا، لَمْ يَنْعَقِدِ الْبَيْعُ، وَكَذَلِكَ إِنْ بَاعَهُ بِكَذَا عَلَى أَنْ يَأْخِذَ مِنْهُ دِرَاهِمٌ بِصَرَفٍ ذَكَرَاهُ. وَجُمْلَتُهُ أَنَّ الْبَيْعَ بِهَذِهِ الصِّفَةِ بَاطِلٌ، لِأَنَّهُ شَرْطٌ فِي الْعَقْدِ أَنْ يَصَارِفَهُ بِالْشَمْنِ الَّذِي وَقَعَ الْعَقْدُ بِهِ، وَالْمَصَارِفَةُ عَقْدٌ بَيْعٌ، فَيَكُونُ بَيْعَتَانِ فِي بَيْعَةٍ، قَالَ أَحْمَدُ هَذَا مَعْنَاهُ وَهَكَذَا كُلُّ مَا كَانَ فِي مَعْنَى هَذَا.^(۲)

ترجمہ:- اگر ایک شخص نے دوسرے سے یہ کہا کہ میں فلاں چیز تجھے اتنی قیمت میں اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ میں تجھ سے اتنے کے بدلے ایک دینار لوں گا تو اس سے بیع منعقد نہیں ہوگی، اسی طرح اگر اس نے سونا اس شرط پر فروخت کیا کہ اس کے بدلے بیع صرف کریں

(۱) نیل الاوطار، الشوکانی (الامام محمد بن محمد الشریکانی المتوفی ۱۲۵۵ھ) مصر،

مصطفی البابی الحلبي وأولاده، الطبعة الأولى رجب ۱۳۳۷ھ (۱۲۹/۵)

(۱) المغنی، ابن قدامة (موفق الدین أبو محمد عبد اللہ بن أحمد بن محمد بن قدامة) ریاض، دار

عالم الكتب، الطبعة الثالثة ۱۴۱۷ھ-۱۹۹۷م (۳۳۲/۶)۔

گے تو یہ بھی جائز نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ اس طرح کی بیع باطل ہے کیونکہ اس نے عقد کے اندر اس ثمن کے مصارفہ کی شرط لگائی جس کے عقد منعقد ہوا تھا اور مصارفہ (صرف) عقد بیع ہے لہذا یہ بیعتان فی بیعة ہو گیا۔ امام احمد نے اس کے یہی معنی ذکر کئے ہیں اسی طرح جو عقد بھی اس طرح کا ہوگا وہ بیعتان فی بیعة کہلائے گا۔

تیسری تشریح

تیسری تشریح یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک شخص کسی چیز کو نقد کی صورت میں کم قیمت پر اور ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت پر بیچے لیکن یہ معاملہ اس طرح ہو کہ بیچنے والا شخص مجلس میں اس چیز کی دونوں قیمتوں کو ذکر کر دے اور پھر کسی ایک قیمت کی تعیین کے بغیر اسی طرح عقد مکمل ہو جائے اور وہ اس حال میں جدا ہوں کہ خریدنے والے کو یہ اختیار رہے کہ وہ ان دونوں صورتوں میں سے جس صورت کو اختیار کرنا چاہے، کر لے مثلاً ایک شخص دوسرے سے یہ کہے کہ یہ گھڑی میں تجھے نقد سو روپے کے بدلے اور ادھار کی صورت میں ڈیڑھ سو روپے کے بدلے بیچتا ہوں۔ خریدار اس معاملے کو اسی حال میں قبول کر لے اور اس مجلس میں اس بات کا فیصلہ نہ ہو کہ خریدار اسے نقداً خریدے گا یا ادھار خریدے گا۔ تو یہ معاملہ ”بیعتان فی بیعة“ میں ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوگا۔ یہ تفسیر زیادہ مشہور ہے اور جمہور فقہائے کرام نے اسے اختیار کیا ہے۔

وقد روی فی تفسیر بیعتین فی بیعة وجه آخر، وهو أن يقول: بعتك هذا العبد بعشرة نقداً أو بخمسة عشر نسيئة..... هكذا فسرہ مالک والثوری وإسحاق وهو أيضاً باطل وهو قول الجمهور.^(۱)

(۱) المغنی، بحوالہ بالا وأيضاً فی نیل الأوطار (۱۲۹/۵) وفی جامع الترمذی، الترمذی (أبو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورة الترمذی)، بیروت، دار احیاء التراث العربی، الطبعة الأولى ۱۴۱۵ھ - ۱۹۹۵م باب ما جاء فی النهی عن بیعتین فی بیعة، حدیث: ۱۲۳۱ وفی نہایة المحتاج، الرملی (شمس الدین محمد بن أبی العباس أحمد بن حمزة ابن شهاب الدین الرملی المتوفی ۱۰۰۴ھ) بیروت، دار احیاء التراث العربی (۳/۳۳۳).

ترجمہ:- ”بیعتین فی بیعة“ کی ایک اور تفسیر بھی منقول ہے وہ یہ کہ کوئی شخص دوسرے سے یہ کہے کہ میں تجھے یہ غلام نقد میں دس روپے میں اور ادھار پر پندرہ روپے میں فروخت کرتا ہوں۔۔۔۔ امام مالک، ثوری اور اسحاق نے یہی تفسیر کی ہے اور یہی جمہور کا قول ہے۔

ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت پر اشیاء کی خرید و فروخت کا حکم

اس بات پر تو کوئی اختلاف نہیں کہ جس قیمت پر اشیاء کو نقد فروخت کرنا جائز ہے، اسی قیمت پر ادھار پر بیچنا بھی جائز ہے۔ البتہ ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت پر خرید و فروخت کے جواز اور عدم جواز میں کچھ اختلاف ہے کہ کیا یہ بیعتان فی بیعة میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے یا اس پر بیعتان فی بیعة کی حقیقت صادق نہیں آتی۔ ائمہ اربعہ اور جمہور فقہائے کرام کی رائے یہ ہے کہ ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت پر خرید و فروخت کرنا جائز ہے جبکہ بعض شخصیات کی طرف منسوب ہے کہ ان کے نزدیک بیع کی یہ صورت جائز نہیں۔^(۱)

عصر حاضر کے تجارتی معاملات میں یہ صورت بہت زیادہ اہمیت اختیار کر چکی ہے۔ عام طور پر تاجر حضرات ادھار کی صورت میں اپنی اشیاء اسی قیمت پر فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے جس قیمت پر وہ چیز نقداً بیچی جاتی ہے، زرعی ادویات، بیج اور کھاد وغیرہ کی خرید و فروخت میں یہ بات روزمرہ کے مشاہدے کے طور پر سامنے آتی ہے کہ دکاندار ان چیزوں کو ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت پر ہی فروخت کرتے ہیں، اس کے علاوہ اسلامی بینکاری کے طریقہ ہائے تمویل میں ایک طریقہ ”مراجحہ“ کا ہے جس میں اسلامی بینک کوئی چیز خرید کر اپنے خریدار کو ادھار پر زیادہ قیمت کے بدلے فروخت کرتے ہیں۔ مذکورہ صورت کی اہمیت کے پیش نظر ذیل میں اسے ذرا تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

جمہور فقہاء اور محدثین کا مذہب

ائمہ اربعہ، جمہور فقہائے کرام اور محدثین عظام کی رائے یہ ہے کہ یہ صورت شرعاً جائز ہے البتہ اس میں درج ذیل شرائط کی پابندی ضروری ہے:-

۱- ادائیگی کی مدت متعین ہو۔

۲- بیچی جانے والی چیز اور ادائیگی کی مدت اسی مجلس میں متعین کی جائے جس مجلس میں اسے بیچا جا رہا ہو۔

۳- ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے بیچی جانے والی چیز کی قیمت میں اضافہ نہ کیا جائے۔
ان تین شرائط کی پابندی کے بعد یہ معاملہ ”بیعتان فی بیعة“ میں داخل ہوتا ہے نہ کوئی اور شرعی خرابی لازم آتی ہے۔ امام عبدالرزاق نے اپنی کتاب ”المصنف“ میں زہری، طاؤس اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے:-

لا بأس بأن يقول: أبيعك هذا الثوب بعشرة إلى شهر أو بعشرين إلى شهرين، فباعه على أحدهما قبل أن يفارقه فلا بأس به، وهكذا عن قتاده^(۱)۔

ترجمہ:- اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک شخص یوں کہے کہ میں فلاں چیز ایک مہینے کی مدت کی صورت میں دس روپے کے بدلے اور دو ماہ کی صورت میں بیس روپے کے بدلے بیچتا ہوں، بشرطیکہ مجلس ختم ہونے سے پہلے یہ بیع مکمل ہو جائے۔ اور حضرت قتادہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

امام ترمذی لکھتے ہیں:-

قد فسرہ بعض أهل العلم، قالوا: بيعتين في بيعة أن يقول:

(۱) المصنف، الصنعانی (أبو بكر عبدالرزاق بن همام الصنعانی ۲۶ھ - ۲۱۱ھ) مع تحقیق الشیخ حبیب الرحمن الأعظمی، جنوبی افریقا جوہانسرگ ص ۱، المجلس العلمی، الطبعة الأولى ۱۳۹۲ھ - ۱۹۷۲م (۱۳۶۸)

أبيعك هذا الثوب بنقدٍ بعشرة وبنسيئةٍ بعشرين، ولا يفارقه
على أحد البيعين، فإن فارقه على أحدهما فلا بأس إذا كان
العقد على أحد منهما. ^(۱)

ترجمہ:- بعض اہل علم نے ”بیعتان فی بیعة“ کی تفسیر یہ کی ہے کہ ایک شخص
(بھاؤ کرنے کے مرحلے میں) یوں کہے کہ میں یہ چیز نقد دس روپے کے
بدلے جبکہ ادھار بیس روپے کے بدلے فروخت کروں گا اور اگر دونوں
اس حال میں جدا ہوں کہ کسی ایک قیمت پر متفق ہو چکے ہوں تو پھر اس
میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ عقد کسی ایک قیمت پر طے ہو جائے۔
علامہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد كذا أو
قال إلى شهر بكذا أو إلى شهرين بكذا فهو فاسد لأنه لم
يعاطه على ثمن معلوم، ونهى النبي صلى الله عليه وسلم عن
شرطين في بيع وهذا هو تفسير الشرطين في بيع ومطلق
النهي يوجب الفساد في العقود الشرعية وهذا إذا اختلفا
على هذا فإن كان يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتى قاطعه
على ثمن معلوم وأتما العقد عليه فهو جائز لأنهما ما اختلفا
إلا بعد تمام شرط صحة العقد. ^(۲)

ترجمہ:- اگر کسی شخص نے دوسرے سے اس شرط پر عقد کیا کہ اگر اتنی
مدت کے بعد قیمت لوگے تو اتنے میں اور نقد میں بیچتے ہو تو اتنی قیمت
میں یا ایک مہینے یا دو مہینے کے لئے بیچتے ہو تو اتنی قیمت میں، تو یہ عقد

(۱) جامع الترمذی، البیوع، حدیث: ۱۳۳۱۔

(۲) کتاب المبسوط، السرخسی (العلامة شمس الدين السرخسي) بيروت، دار المعرفة

۱۴۱۳ھ-۱۹۹۳م (۸/۱۳)۔

فاسد ہو جائے گا کیونکہ اس میں قیمت متعین نہیں کی گئی۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بیع کے اندر دو شرطیں لگانے سے منع فرمایا ہے اور بیع میں دو شرطیں لگانے کا یہی مفہوم ہے جو ہم نے بیان کیا اور شرعی معاملات پر نہی وارد ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ عقود فاسد ہو جائیں، لیکن یہ حکم اس وقت ہے جبکہ کسی ایک جہت کی تعین کے بغیر جدا ہو جائیں اور اگر مجلس کے اندر دونوں کا کسی ایک بات پر اتفاق ہو جائے اور اسی پر دونوں اپنا عقد مکمل کر لیں تو یہ جائز ہے کیونکہ جدا ہونے سے پہلے عقد کے صحیح ہونے کی تمام شرائط پائی گئیں۔

حاشیہ الدسوقی میں علامہ محمد الماکی فرماتے ہیں:-

إنما منع للجہل بالثمن حال البیع فإن وقع لا علی الإلزام فلا منع ای کما أنه لا منع فی عکس مثال المؤلف وهو أن یبیعها بأحد عشر لقدًا أو بعشرة لأجل وذلك لعدم تردد المشتري غالباً لأن العاقل إنما یختار الأقل لأجل^(۱)

ترجمہ:- ایک عقد میں بیع کے دو الگ الگ سودے کرنے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ بیع کے وقت نیچے جانے والی چیز کا ثمن مجہول ہوتا ہے لہذا اگر اسی مجلس میں یہ سودا طے ہو جائے اور خریدار کو کسی ایک جہت کی تعین کا اختیار ہو تو یہ صورت جائز ہے جیسا کہ مؤلف کی بیان کردہ صورت کے برعکس صورت جائز ہے یعنی اگر کوئی شخص اُدھار دس روپے پر اور نقد گیارہ روپے کے بدلے فروخت کرے تو یہ جائز ہے اس لئے کہ اس میں خریدار کے اندر کوئی تردد نہیں پایا جاتا کیونکہ عقلمند شخص مدت کی وجہ سے اقل کو اختیار کرتا ہے۔

(۱) حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر، الدسوقی (الشیخ محمد عرفة الدسوقی) بیروت،

علامہ بغوی رحمہ اللہ ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت لینے کے جواز کے بارے میں فرماتے ہیں:-

(۱) الأجل يأخذ جزءاً من الثمن.

ترجمہ:- مدت اصل قیمت کا جزو بن جاتی ہے۔
دوسری جگہ فرماتے ہیں:-

(۲) الخمسة نقداً تساوى ستة مؤجلة.

ترجمہ:- نقد میں پانچ کے بدلے چیز بیچنا اور ادھار پر چھ کے بدلے بیچنا برابر ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:-

لا بأس بأن يقول: أبيعك بالنقد بكذا وبالنسيئة بكذا فيذهب على أحدهما. وهذا محمول على أنه جرى بينهما بعد ما يجرى في العقد، فكان المشتري قال: أنا أخذه بالنسيئة بكذا: فقال خذه أو قد رضيت ونحو ذلك فيكون هذا عقداً كافياً.^(۳)

ترجمہ:- اس طرح معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ ایک شخص یوں کہے کہ میں یہ چیز نقد اتنے کے بدلے میں اور ادھار اتنے کے بدلے میں فروخت کرتا ہوں اور پھر کسی ایک قیمت پر معاملہ طے ہو جائے۔ یہ یوں سمجھا جائے گا کہ بائع کی طرف سے پیشکش ہونے کے بعد خریدار نے یہ کیا کہ میں ادھار میں فلاں قیمت کے بدلے خریدتا ہوں

(۱) المجموع شرح المہذب، النووی (ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف النووی المتوفی

۶۷۶ھ) بیروت، دارالفکر (۶/۱۳)۔

(۲) المجموع شرح المہذب (۲۲/۶)۔

(۳) المغنی، لابن قدامة (۶/۳۳۲)۔

تو بائع نے کہا اسے لے لو، یا کہا کہ میں اس پر راضی ہوں یا اسی جیسا کوئی لفظ کہا، تو یہ عقد مکمل ہو گیا۔
علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

(۱) الأجل يأخذ قسطاً من الثمن.

ترجمہ:- مدت (ادھار) اصل قیمت کا جزو بن جاتی ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کی اس عبارت، اسی طرح علامہ بغوی کی ذکر کردہ عبارت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر مدت کی وجہ سے زائد قیمت لینا جائز ہے تو پھر اس میں اور دبا النسئۃ میں کیا فرق رہا؟ دبا النسئۃ میں بھی تو مدت کے مقابلے میں زائد رقم لی جاتی ہے اور یہاں بھی یہ کہا جا رہا ہے کہ مدت قیمت کا حصہ بن جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ ظاہری مشابہت کے باوجود بھی دونوں صورتوں میں بہت بڑا فرق موجود ہے، وہ یہ کہ دبا النسئۃ میں خالصتاً مدت کے بدلے میں اضافی رقم لی جاتی ہے جبکہ ادھار بیع کے اندر کوئی چیز یا سامان بیچا جاتا ہے، اگر درمیان میں کوئی بیع (Subject Matter) نہ ہو تو پھر محض مدت کی وجہ سے زائد قیمت لینا جائز نہیں۔

اس کو بذریعہ مثال اس طرح واضح کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی بینکوں میں بعض مرتبہ کلائنٹ مطلوبہ سامان کی خریداری کے لئے بینک سے کچھ رقم پیشگی (Advance) لے لیتا ہے، بعد میں جب وہ عملاً خریداری کر لیتا ہے تو بینک خریدی گئی چیز پر اپنا نفع رکھ کر اُسے فروخت کر دیتا ہے، لیکن اگر کبھی ایسا ہو کہ وہ بینک سے پیشگی رقم تو لے لے لیکن مطلوبہ سامان کی خریداری نہ کر سکے جس کی وجہ سے اُسے بینک سے لی گئی رقم واپس کرنی پڑے تو وہ اتنی ہی رقم واپس کرنے کا پابند ہے جتنی رقم اُس نے بینک سے لی تھی، بینک اُس سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتا کہ جتنے دن ہماری رقم آپ کے پاس رہی، اتنے دنوں کے بدلے کچھ اضافی رقم دو۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اسلام میں Time Value of Money کا اعتبار نہیں ہے۔

(۱) مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ (۲۹/۴۹۹) ابن تیمیہ (الإمام أحمد بن عبد الحليم بن تيمية)

ریاض، مطبع الرياض، الطبعة الأولى ۱۳۸۳ھ

جمہور کے دلائل

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوا کہ جمہور فقہائے کرام کی رائے یہ ہے کہ ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت پر اشیاء کی خرید و فروخت جائز ہے۔ ذیل میں ان کے دلائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

۱- اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:-

وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. ^(۱)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام قرار دیا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع کی تمام قسمیں شرعاً جائز ہیں البتہ اگر کسی معاملے کے بارے میں کوئی نص آجائے جس سے اس کا ناجائز ہونا واضح ہو تو اسے ناجائز کہا جائے گا ورنہ وہ معاملہ جائز ہوگا چونکہ ادھار پر خرید و فروخت بھی بیع کی ایک قسم ہے اور اس کے عدم جواز کے متعلق کوئی نص (آیت یا حدیث) نہیں آئی، اس لئے بیع کی مذکورہ صورت اس آیت کے عموم میں داخل ہو کر جائز قرار پائے گی۔

۲- قرآن مجید میں ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ. ^(۲)

ترجمہ:- اے ایمان والو! ایک دوسرے کے مال کو ناحق طریقے سے نہ کھاؤ، ہاں مگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو۔

ظاہر ہے کہ ادھار پر خرید و فروخت کرنا بھی تجارت کی ایک قسم ہے اور زیادہ قیمت کے بدلے بیچنے یا خریدنے میں فریقین کی رضامندی بھی ہوتی ہے۔ بیچنے والا اس لئے راضی ہوتا ہے کہ ادائیگی میں تاخیر کی تلافی قیمت کی زیادتی سے ہو جاتی ہے اور خریدار اس لئے راضی ہوتا ہے کہ اسے قیمت فوراً ادا نہیں کرنا پڑتی، کوئی فریق اس معاملے میں مجبور

محض نہیں ہوتا۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے بیع سلم کہ وہ بھی تجارت کی ایک قسم ہے اور اس میں عام طور پر مسلم فیہ (Subject Matter) کی قیمت کم لگائی جاتی ہے، بیچنے والا اس لئے راضی ہو جاتا ہے کہ اُسے قیمت سامان سپرد کرنے سے کافی پہلے مل جاتی ہے اور خریدنے والا اس لئے راضی ہو جاتا ہے کہ اُسے یہ چیز کم قیمت میں مل رہی ہوتی ہے۔

اس کے جواز کی عقلی دلیل یہ ہے کہ شرعاً نفع کی کوئی شرح مقرر نہیں، ایک شخص اگر ایک چیز نقد آٹھ روپے میں اور ادھار کی صورت میں دس روپے کے بدلے فروخت کرتا ہے تو اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ نقد کی صورت میں اسے دس روپے پر فروخت کرے بشرطیکہ کوئی دھوکہ دہی وغیرہ نہ ہو تو جب وہ نقداً دس روپے میں فروخت کر سکتا ہے تو ادھار کی صورت میں دس روپے کے بدلے فروخت کرنے میں کیا مانع ہے؟

بعض فقہائے کرام کا مذہب اور ان کے دلائل

بعض فقہائے کرام^(۱) کا مذہب یہ ہے کہ یہ بیع جائز نہیں، ان کے دلائل درج

ذیل ہیں:-

۱- ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کرنا سود ہے یا کم از کم اس میں سود کا شبہ تو ضرور ہے، اور شرعاً دونوں چیزیں ناجائز ہیں۔ لہذا بیع کی یہ قسم جس میں ان دونوں میں سے کوئی بھی پائی جائے تو وہ ناجائز ہوگی۔^(۲)

۲- ادھار کی صورت میں خریدار زیادہ قیمت دینے کے لئے اس لئے تیار ہو جاتا ہے کہ اس کے پاس فی الحال اتنی رقم نہیں ہوتی کہ اس سے ادائیگی کر سکے وہ مجبوری کی وجہ سے ادھار پر اشیاء خریدتا ہے لہذا زیادہ قیمت ادا کرنے پر اس کی رضا مندی نہیں پائی

(۱) نیل الاوطار للشوکانی (۱۲۹/۵) میں ان کے اسماء گرامی یہ ذکر کئے گئے ہیں: امام زین

العابدین، ناصر باللہ، منصور باللہ اور علامہ ہادویہ۔

(۲) مجلة مجمع الفقه الاسلامی، الدورة السادسة، العدد السادس، الجزء الأول (۱۴۱۰ھ-۱۹۹۰م) بحث لفصيلة الدكتور إبراهيم فاضل الدبو، الأستاذ بكلية الشريعة بجامعة بغداد ص: ۲۲۵، ۲۲۶۔

جاتی بلکہ یہ ایک قسم کی ”بیع المکرہ“ (مجبور شخص کی بیع) ہوتی ہے جبکہ شرعاً بیع صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں فریقین کی باہمی رضامندی پائی جائے^(۱) جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:-

إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ^(۲)

۳- یہ معاملہ بیعتان فی بیعة (ایک عقد کے اندر بیع کے دو الگ الگ معاملے کرنے) میں داخل ہے جو شرعاً ناجائز ہے۔^(۳)

مذکورہ دلائل کے جوابات

جمہور فقہائے کرام کی طرف سے عدم جواز کے قول پر مبنی دلائل کے درج ذیل جوابات دیئے گئے ہیں۔

پہلی دلیل کا پہلا جواب

مذکورہ معاملے کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ معاملے کی مدت طے ہونے کے بعد عقد کیا جائے مثلاً ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے کہ میں یہ قلم نقداً آٹھ روپے میں جبکہ ادھار پر دس روپے میں بیچنے کے لئے تیار ہوں۔ دوسرا شخص اس مجلس میں یہ کہتا ہے کہ میں اسے ادھار پر خریدتا ہوں۔ تو خریدار کی طرف سے ادھار کی شق متعین ہونے کے بعد بیچنے والا شخص اس کے ساتھ ادھار پر معاملہ کرتا ہے اور اسے ایک متعین مدت مثلاً ایک ماہ کی ادائیگی کے وعدے پر دس روپے میں فروخت کر دیتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دکاندار اور خریدار کے درمیان نقد کی صورت میں قیمت متعین ہو جائے لیکن جب خریدار فوری ادائیگی سے عذر کرے تو دکاندار کچھ رقم بڑھا دے مثلاً خریدار نے دکاندار سے آٹھ روپے کے بدلے میں قلم خرید لیا، جب دکاندار نے قیمت

(۱) بحوالہ بالا۔

(۲) القرآن: (۴: ۲۹)

(۳) مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی، بحوالہ بالا۔

کا مطالبہ کیا تو خریدار نے کہا کہ میں اس کی قیمت ایک ماہ بعد ادا کروں گا تو اب دکاندار نے کہا کہ اگر تم ایک مہینہ تاخیر سے ادائیگی کرو گے تو آٹھ روپے کے علاوہ مزید دو روپے دینا ہوں گے۔ یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔^(۱)

پہلی اور دوسری صورت میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں ادھار پر بیچی جانے والی چیز کی قیمت پہلے متعین ہو جاتی ہے اور اس پر عقد بعد میں ہوتا ہے جبکہ دوسری صورت میں عقد پہلے ہو جاتا ہے اور اضافہ بعد میں ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ دوسری صورت سود میں داخل ہے کیونکہ یہ اضافہ اس وقت ہوا ہے جب خریدار بیع کی قیمت کا مقروض بن چکا ہے، اور قرض پر مشروط اضافہ سود ہے اور یہ اضافہ ایسا ہی ہے جیسے قیمت کی ادائیگی کا وقت آجائے اور خریدار ادائیگی میں مہلت مانگے تو بائع اس کی قیمت بڑھا دے جو کہ بالاتفاق سود میں داخل ہے، جبکہ پہلی صورت سود میں اس لئے داخل نہیں کہ یہاں کسی قرض پر اضافہ نہیں ہوا کیونکہ عقد ہونے سے پہلے خریدار کسی رقم کا مقروض نہیں بنا، لہذا یہ اضافی رقم جیسے مذکورہ مثال میں دو روپے قیمت ہی کا حصہ بن جاتی ہے۔^(۲)

قرآن مجید کی آیت ”قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا“ کے تحت مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ اگر ادھار پر فروخت کرنے کی صورت میں اضافہ جائز ہے تو پھر ادائیگی کی مدت آنے کے بعد بھی اضافہ جائز ہونا چاہئے۔ لیکن شریعت نے اس خیال کی سختی سے تردید کی۔ چنانچہ تفسیر قرطبی میں ہے:-

(إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا) أَيْ إِنَّمَا الزِّيَادَةُ عِنْدَ حُلُولِ الْأَجَلِ
آخِرًا كَمِثْلِ أَصْلِ الشَّمْنِ فِي أَوَّلِ الْعَقْدِ وَذَلِكَ أَنَّ الْعَرَبَ

(۱) بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرہ، ص: ۱۴، العثمانی (محمد تقی العثمانی) کراچی، مکتبہ دارالعلوم کراچی۔

(۲) مجلة مجمع الفقه الاسلامی، بحوالہ بالا۔ — ایضاً فی امداد الفتاویٰ، تھانوی (مولانا اشرف علی تھانوی) کراچی، مکتبہ دارالعلوم کراچی طبع پنجم ۱۴۰۶ھ (۲۰/۳)۔

كانت لا تعرف ربا إلا ذلك، فكانت إذا حل دينها قالت
للغريم: إما أن تقضى وإما أن تربى أى تزيد فى الدين فحرم
الله سبحانه ذلك ورد عليهم قولهم بقوله الحق "وَأَحَلَّ اللَّهُ
الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا" (۱)

ترجمہ:- بیع مثل سود کے ہے یعنی ادائیگی کی مدت آنے کے بعد اضافہ
کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ادھار بیچنے کی صورت میں شروع ہی میں
اضافہ کر دینا، یہ مطلب اس لئے ہے کہ اہل عرب ربا کا یہی طریقہ
جانتے تھے۔ چنانچہ جب قرض کی ادائیگی کی مدت آتی تو مقروض سے
کہتے کہ یا تو قرض ادا کرو یا ربا دو یعنی قرضہ کی مقدار سے زیادہ دو۔
پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان حق کے ذریعے اس کو حرام قرار دیا کہ
اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے جبکہ سود کو حرام کہا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوا کہ ادھار کی صورت میں زائد قیمت وصول کرنا سود
نہیں بشرطیکہ انہی شرائط کے مطابق ہو جو شروع میں بیان کی گئیں۔

دوسرا جواب

دوسرا جواب یہ ہے کہ ربا کی دو قسمیں ہیں:-

- ۱- ربا القرض: وہ سود جو قرض پر مشروط اضافے کے طور پر لیا جاتا ہے۔
- ۲- ربا الفضل: وہ مشروط اضافہ جو چند مخصوص اجناس کے ہم جنس تبادلے کے طور
پر حاصل ہو جیسے گندم کی باہمی خرید و فروخت میں اضافہ وغیرہ۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ادھار کی وجہ سے قیمت میں ہونے والا اضافہ سود کی کون سی
قسم میں داخل ہے۔ پہلی قسم میں اس لئے داخل نہیں کہ سودا ہونے سے پہلے خریدار مقروض
نہیں بنا لہذا یہ اضافہ قرض پر مشروط اضافہ نہیں قرار پائے گا اور دوسری قسم میں اس لئے
داخل نہیں کہ یہ ہم جنس اشیاء کا تبادلہ نہیں کیونکہ اس میں ایک طرف جنس ہے جیسے گندم،

کپاس، کھاد، اسپرے وغیرہ وغیرہ۔ دوسری طرف نقد رقم ہے۔ جب یہ سود کی کسی بھی قسم کے ڈمرے میں نہیں آتا تو اسے ربا کہنا درست نہیں۔^(۱)

تیسرا جواب

اس کا ایک جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عذر یا کساد بازاری یا اس چیز کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے خریدی ہوئی چیز قیمت خرید سے بھی بہت کم قیمت پر فروخت کر دیتا ہے تو اس کے بارے میں کوئی یہ کہنے کیلئے تیار نہیں کہ خریدار فروخت کنندہ سے سود لے رہا ہے کہ کم قیمت ادا کر کے اس کے مقابلے میں زیادہ مبیع وصول کر رہا ہے تو جب قیمت میں کمی کرنا سود نہیں تو اضافے کو سود قرار دینا بھی درست نہیں۔^(۲)

دوسری دلیل کا جواب

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ کہنا درست نہیں کہ خریدار زیادہ قیمت دینے پر اس قدر مجبور ہے کہ اس پر ”مکرة“ کے احکام جاری ہو جاتے ہیں بلکہ بعض اوقات ایسی خریداری میں اسے رغبت بھی ہوتی ہے کیونکہ اسے قیمت کی فوری ادائیگی والی پریشانی کا سامنا نہیں ہوتا بعد میں اسی خریدی ہوئی چیز مثلاً مشینری وغیرہ کے ذریعے اتنا کمالیتا ہے کہ جس سے ادائیگی میں آسان ہو، اور کچھ نفع بھی ہاتھ آئے۔ اس لئے اسے ”مکرة“ قرار دینا شرعی اصطلاح کے مطابق درست نہیں۔

تیسری دلیل کا جواب

تیسری دلیل کا جواب وہی ہے جو اس بحث کے شروع میں بیان ہوا کہ ”بیعتان فسی بیعة“ سے ثابت ہونے والی ممانعت اس وقت ہے جب فروخت کنندہ دونوں قیمتوں کو بیان کر دے اور کسی ایک قیمت کی تعیین کے بغیر مجلس ختم ہو جائے جبکہ مذکورہ صورت میں یہ

(۱) مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی، الدورۃ السادسة، العدد السادس، الجزء الأول (۱۴۱۰ھ - ۱۹۹۰م) بحث فضیلة الدککور ابراہیم فاضل الدبؤ، الأستاذ بكلية الشريعة بجامعة

بغداد ص: ۲۲۵، ۲۲۶۔

(۲) بحوالہ بالا

خرابی نہیں پائی جاتی۔

مجمع الفقہ الاسلامی (جدہ) کی قرارداد

آج سے چند برس قبل (مارچ ۱۹۹۰ء میں) مجمع الفقہ الاسلامی (العالمی) میں اس مسئلے کو زیر غور لایا گیا۔ اس مجلس میں کافی بحث و تمحیص کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ بیع کی یہ قسم شرعاً جائز ہے۔ اس مسئلے کے متعلق جو قراردادیں منظور کی گئیں، ذیل میں انہیں بعینہ مع ترجمہ ذکر کیا جاتا ہے۔

- ۱- تجوز الزیادة فی الثمن المؤجل عن الثمن الحال کما یجوز ذکر ثمن المبیع نقدًا و ثمنه بالإقساط لمدد معلومة. ولا یصح البیع إلا إذا جزم العاقدان البیع بالنقد أو بالتأجل فإن وقع البیع مع التردد بین النقد والتأجل بأن لم یحصل الاتفاق الجازم علی ثمن واحد محدد فهو غیر جائز شرعاً.
- ۲- لا یجوز شرعاً فی بیع الأجل التنصيص فی العقد علی فوائد التقسیط مفصولة عن الثمن الحال بحيث ترتبط بالأجل سواء اتفق العاقدان علی نسبة الفائدة أم ربطها بالفائدة السائدة.

- ۳- إذا تأخر المشتري المدین فی دفع الأقساط عن موعد المحدد فلا یجوز إلزامه أی زیادة علی الدین بشرط سابق أو بدون شرط، لأن ذلك ربا محرم.

ترجمہ: ۱- نقد خریداری کے مقابلے میں ادھار خریداری کی صورت میں قیمت زیادہ مقرر کرنا جائز ہے، اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ بیچنے والا خریدار کو نقد اور ادھار دونوں کی قیمتوں کا فرق بتا دے، لیکن جب تک عاقدین نقد یا ادھار میں سے کسی ایک صورت کو متعین نہ کریں، اس

وقت تک بیع درست نہ ہوگی، لہذا اگر نقد اور ادھار کے درمیان تردد اور شک کے ساتھ اس طرح بیع ہو جائے کہ ایک معین ثمن پر اتفاق قطعی نہ ہوا ہو تو اس صورت میں یہ بیع شرعاً ناجائز ہوگی۔

۲- یہ صورت شرعاً جائز نہیں ہے کہ ادھار فروختگی کی صورت میں فروخت شدہ سامان کی ایک قیمت مقرر کر لی جائے، پھر اس قیمت پر قسط وار ادائیگی کے سود کا قیمت سے الگ اس طرح ذکر کیا جائے کہ یہ سود مدت کے ساتھ مربوط ہو، یہ صورت بہر حال ناجائز ہے، خواہ شرح سود فریقین نے باہمی رضامندی سے طے کی ہو یا اسے بازار میں رائج شرح سود سے منسلک کیا ہو۔

۳- اگر خریدار قسطوں کی ادائیگی میں مقررہ مدت سے تاخیر کر دے، تو اس پر سابقہ شرط کی بنیاد پر یا سابقہ شرط کے بغیر قرض کی مقدار پر زیادتی کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ یہ حرام ”ربا“ میں داخل ہے۔^(۱)

وضاحت

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ادھار کی صورت میں چند شرائط کے ساتھ اشیاء زیادہ قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے، البتہ احقر کا خیال یہ ہے بلا وجہ اس صورت کو اختیار کرنے کی عادت نہیں ڈالنی چاہئے۔ اس کی درج ذیل وجوہ بندہ کے ذہن میں ہیں:-

۱- بعض مرتبہ کچھ لوگ واقعہ کسی مالی مجبوری کے پیش نظر چیزیں ادھار خریدنے پر مجبور ہوتے ہیں مثلاً غریب کاشتکاروں کا یہ حال دیکھا گیا ہے کہ ان کے پاس اس قدر رقم نہیں ہوتی کہ کھاد اور اسپرے وغیرہ نقد خرید سکیں اور نہ خریدنے کی صورت میں کھیتی وغیرہ ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے۔ ان حالات میں وہ یہ چاہتے ہیں کہ دکاندار اگر نقد والی قیمت پر فروخت نہ کرے تو قیمت میں کچھ مناسب اضافہ کر کے فروخت کر دے لیکن

(۱) مجلة مجمع الفقه الاسلامی، الدورة السادسة، العدد السادس، الجزء الأول، قرار رقم:

(۶/۲/۵۳) بشأن البيع بالتقسيط (۱۷-۲۳ شعبان ۱۴۱۰ھ - ۱۴-۲۰ مارچ ۱۹۹۰ء)۔

عام طور دکاندار اس پر آمادہ نہیں ہوتے اور بہت بھاری قیمت مقرر کر کے مطلوبہ اشیاء فروخت کرتے ہیں، حتیٰ کہ بعض مرتبہ ادھار کی صورت میں بیچی گئی چیز کی قیمت نقد کے مقابلے میں ڈیڑھ گنا تک بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً ایک زرعی دوا اگر نقد میں چار سو روپے میں ملتی تو اب وہ چھ سو روپے میں فروخت ہوتی ہے۔ خوشحال افراد اور بڑے زمینداروں کے لئے تو یہ چیز قابل برداشت ہے لیکن مفلوک الحال کسان اس صورت حال کی وجہ سے پریشانی کا شکار ہوتے ہیں۔

۲۔ یہ بات بھی بارہا مشاہدے میں آئی ہے کہ بہت سے لوگ رقم ہونے کے باوجود بلا جھجک ادھار پر اشیاء خریدتے رہتے ہیں۔ دکاندار زیادہ نفع کے لالچ میں خوشی خوشی سب سامان دے دیتا ہے لیکن جب ادائیگی کا وقت آتا ہے تو عام طور پر ٹال مٹول کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے دکاندار کو اپنی تجارت باقی رکھنے میں کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ مسلسل ادھار کی وجہ سے اصل سرمایہ بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ ان حالات میں دکاندار اور خریدار کے درمیان بھی رنجش اور لڑائی کے کئی واقعات بھی دیکھنے میں ملتے ہیں۔

لیکن ان خرابیوں کی وجہ اس بیع کا جائز ہونا نہیں بلکہ بندے کے خیال میں اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس بیع کو مثالی (Ideal) سمجھ کر اندھا دھند اختیار کیا گیا ہے۔ اگر اس پر قدرے قابو پایا جائے اور بلا ضرورت اس کی عادت نہ بنانے کے ساتھ ساتھ مفلوک الحال افراد کے ساتھ قیمت میں مناسب اضافہ کے خرید و فروخت کا معاملہ کیا جائے تو اُمید کی جاسکتی ہے کہ ذکر کردہ خرابیاں کافی حد تک دور ہو جائیں گی۔

اسلامی بینکاری میں بھی مرابحہ (Murabaha) کے اندر عام طور پر بینک عمیل (Client) کو اپنی اشیاء ادھار پر فروخت کرتا ہے اور عام طور نقد کے مقابلے میں زیادہ قیمت لی جاتی ہے۔ اس کے بارے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ معاصر علمائے کرام کی رائے میں مرابحہ کوئی مثالی طریقہ تمویل نہیں، اس لئے اس کی زیادہ حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسلامی بینک کسی کو مرابحہ کی سہولت فراہم کرنے سے پہلے قیمت کی

ادائیگی کے حوالے سے اچھی طرح اطمینان کرتا ہے اور اس حوالے سے ضروری اقدامات بھی کرتا ہے، اس لئے بینک کے مراکز میں عام طور پر وہ خرابیاں سامنے نہیں آئیں جو عام کاروباری زندگی میں اُدھار کو رواج دینے کی صورت میں نظر آتی ہیں۔

صفقتان فی صفقة

(ایک عقد میں کوئی سے دو معاملات کرنا)

”بیعتان فی بیعة“ سے ملتی جلتی ایک صورت ”صفقتان فی صفقة“ ہے، اور ان دونوں کے درمیان ظاہری طور پر اتنی مشابہت ہے کہ بعض فقہائے کرام نے ان دونوں کو ایک ہی چیز قرار دیا، چنانچہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

(۱) معنی صفقتان فی صفقة بیعتان فی بیعة.

ترجمہ:- ”صفقتان فی صفقة“ اور ”بیعتان فی بیعة“ ہم معنی ہیں۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان عموم و خصوص کا فرق ہے۔ ”بیعتان فی بیعة“ کے اندر ایک عقد کے اندر بیع ہی کے دو معاملے جمع ہوتے ہیں جبکہ ”صفقتان فی صفقة“ کے اندر صرف دو معاملات کا پایا جانا کافی ہے خواہ وہ دونوں معاملے بیع کے ہوں یا دونوں نہ ہو یا ایک بیع کا ہو اور دوسرا بیع کا نہ ہو۔ لہذا اگر اجارہ اور عاریت یا بیع اور اجارہ ایک عقد میں جمع ہو جائیں تو اس معاملے کو ”صفقتان فی صفقة“ تو کہا جائے گا لیکن ”بیعتان فی بیعة“ کہنا درست نہ ہوگا۔

صفقة عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی ہیں ”ہاتھ مارنا“۔ عربی کا محاورہ ہے ”صفقتہ علی رأسہ“ اسی ضربتہ بالید (میں نے اس کے سر پر ہاتھ مارا) زمانہ جاہلیت میں اس کا عمومی رواج تھا کہ جب متعاقدین آپس میں بیع کرتے تو ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے۔ لیکن بعد میں صفقة کے لفظ کا اطلاق مطلقاً عقد پر ہونے لگا خواہ وہ بیع کا معاملہ ہو یا کسی اور چیز کا۔ چنانچہ علامہ فیومی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

صفقتہ علی رأسہ اسی ضربتہ بالید و صفقت له بالبیعة

(صفقاً) ایضاً ضربت بیدی علی یدہ و کانت العرب إذا

وجب البیع ضرب أحدهما ید صاحبه ثم استعملت

(۱) (الصفقة) فی العقد .

ترجمہ:- ”صفقتہ علی رأسہ“ کا مطلب ہے کہ میں نے اس کے سر پر ہاتھ مارا اور ”صفقت لہ بالبیعة“ سے مراد یہ ہے کہ میں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر مارا۔ عرب میں یہ رواج تھا کہ جب بیع منعقد ہو جاتی تو ایک فریق دوسرے کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارتا۔ پھر صفقہ کا لفظ مطلقاً ”عقد“ کے لئے استعمال ہونے لگا۔

اس کے علاوہ صفقہ ”عہد“ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ القاموس الفقہی میں ہے:

الصفقة العهد: فی حدیث الشریف: إن أكبر الكبائر أن تقاتل أهل صفقتک. هو أن يعطى الرجل عهدہ وميثاقہ.^(۲)
ترجمہ:- صفقہ کے ایک معنی ”عہد“ کے ہیں جیسا کہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ ”اہل صفقہ“ سے قتال کرنا بڑا گناہ ہے۔ ”اہل صفقہ“ سے مراد وہ لوگ ہیں جن سے عہد و پیمان کیا گیا ہو۔

شرعی اصطلاح میں بھی صفقہ مطلقاً عقد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ علامہ جرجانی فرماتے ہیں:-

الصفقة: فی اللغة: عبارة عن ضرب اليد عند العقد وفي الشرع: عبارة عن العقد.^(۳)

(۱) المصباح المنیر، الفیومی (أحمد بن محمد بن علی المقرئ الفیومی المتوفی ۷۷۰ھ) بیروت، المكتبة العلمية، الطبعة القديمة ص: ۳۳۳/۱۔

..... وأيضاً فی کتاب المغرب فی ترتیب المغرب، الخوارزمی (الإمام أبو الفتح ناصر بن عبد السید بن علی المطرزی الخوارزمی ۵۳۸ھ - ۶۱۶ھ) بیروت، دارالکتب العربی ص: ۲۶۸۔

(۲) القاموس الفقہی لغة وعادة، أبو حبيب (سعدی أبو حبيب) دمشق، دارالفکر، الطبعة الأولى ۱۴۰۲ھ - ۱۹۸۲م ص: ۲۱۳۔

(۳) کتاب التعریفات، الجرجانی (علی بن محمد بن علی أبو الحسن الحسینی الجرجانی المتوفی ۸۲۶ھ) بیروت، دارالفکر، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ - ۱۹۹۷م ص: ۹۵۔ ایضاً فی رد المحتار مع الدر (۵۲۶/۳)۔

ترجمہ:- لغت میں عقد کے وقت ہاتھ مارنے کو صفقہ کہا جاتا ہے جبکہ شرعی اصطلاح میں اس کا اطلاق مطلق عقد پر ہوتا ہے۔

لہذا ”صفقتان فی صفقۃ“ کا مطلب ہوگا ”ایسا معاملہ جس میں دو عقد جمع ہو جائیں خواہ وہ بیع کے ہوں یا اور معاملات ہوں۔“

”صفقتان فی صفقۃ“ کا ایک دوسرا مطلب

”صفقتان فی صفقۃ“ کا ایک مفہوم تو وہ ہے جو اوپر ذکر کیا گیا، یعنی ایک عقد کے اندر دو مختلف معاملات کو جمع کرنا۔ اس کے علاوہ سماک سے اس کا ایک اور مطلب بھی منقول ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کے ہاتھ کوئی چیز اس شرط پر فروخت کرے کہ اگر نقد خریدو گے تو اس کی قیمت کم ہوگی اور اگر ادھار پر خریدو گے تو قیمت زیادہ ہوگی۔ مسند احمد بن حنبل میں ان کا یہ مذہب ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:-

فسر سماک صفقتین فی صفقۃ؛ بأن یبیع الرجل البیع
فیقول: هو بنسأ بكذا وكذا وهو بنقد بكذا وكذا۔^(۱)

یہ مطلب بعینہ وہی ہے جو ”بیعتان فی بیعۃ“ کے معانی میں گزر چکا ہے۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مطلب رائج نہیں کیونکہ اس صورت میں ”صفقتان فی صفقۃ“ صرف بیع ہی کے ساتھ خاص ہوگا اور گزشتہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ صفقہ کا اطلاق ہر عقد پر ہو سکتا ہے خواہ وہ بیع کا ہو یا اجارے کا، عاریۃ کا ہو یا سلم کا وغیرہ۔ اس لئے پہلے معنی کو اختیار کرنا زیادہ رائج اور قابل قبول معلوم ہوتا ہے۔^(۲)

صفقتان فی صفقۃ سے متعلق روایات

”بیعتان فی بیعۃ“ کی طرح ”صفقتان فی صفقۃ“ کا عدم جواز بھی احادیث

(۱) مسند أحمد بن حنبل (۳۹۸/۱)

(۲) ذاکر الصدیق الضریر نے اپنے مقالہ ”عقود الصیانۃ وتکیفہا الشرعی“ ص: ۱۰ پر بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے۔

سے ثابت ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے:-

نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن صفقتین فی صفقة واحدة^(۱).
ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عقد کے اندر دو معاملات
کرنے سے منع فرمایا۔

ایک دوسری روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس طرح منقول ہے:-
لا تحل صفقتان فی صفقة^(۲).

ترجمہ:- ایک عقد میں دو معاملے کرنا حلال نہیں۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

الصفقتان فی صفقة ربا^(۳).

ترجمہ:- ایک عقد کے اندر دو معاملات جمع کرنا ربا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:-

لا یصلح صفقتان فی صفقة^(۴).

ترجمہ:- ایک عقد میں دو معاملات کرنا صحیح نہیں۔

(۱) مسند احمد بن حنبل (۳۹۸/۱)، ایضاً فی مجمع الزوائد، باب ما جاء فی الصفقتین فی صفقة (۸۴/۳) ... وفی مسند بزار، حدیث: ۲۰۱۷ (۳۸۳/۵) ... وفی سنن النسائی، رقم الحدیث: ۳۶۲۹.

(۲) معجم الطبرانی الأوسط، رقم الحدیث: ۱۶۳۳ (۳۶۳/۲) ... ایضاً فی صحیح ابن حبان، حدیث: ۵۰۲۵ (۳۹۹/۱۱) ... مجمع البحرین فی زوائد المعجمین، الہیثمی (الحافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی ۷۳۵-۸۰۷ھ) ریاض، مکتبة الرشد، الطبعة الثانية، ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۵م.

(۳) موارد الظمآن، الہیثمی (الحافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی) بیروت، دار الکتب العلمیة، باب اسباغ الوضوء، حدیث: ۱۶۳، وباب ما نہی عنہ فی البیع عن الشروط وغیرہا، حدیث: ۱۱۱۱.

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ (فصل) فی الرجل یبیع البیع علی أن يأخذ الدینار بكذا، حدیث: ۲۳۲۳۷ (۱۲/۵) ... ایضاً فی مسند بزار، حدیث: ۲۰۱۶ (۳۸۳/۵)۔

کیا ”صفقتان فی صفقۃ“ کی تمام صورتیں ممنوع ہیں؟

احادیث کے ظاہر کا تقاضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ ”صفقتان فی صفقۃ“ کی تمام صورتیں ناجائز ہوں لہذا اگر کوئی بھی دو معاملات ایک دوسرے سے مشروط کر کے جمع کئے گئے تو وہ ناجائز ہوں گے، لیکن ائمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی علی الاطلاق تمام صورتوں کو ناجائز نہیں کہا، بلکہ اس میں سے چند صورتیں مستثنیٰ کی ہیں۔ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں ”صفقتان فی صفقۃ“ کی اکثر صورتیں ناجائز ہیں البتہ صرف چند صورتیں مستثنیٰ ہیں جن کی تفصیل آگے ”بیع و شرط اور بیع و شرطین“ کے عنوان کے تحت آئے گی۔ البتہ اتنی بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ ”صفقتان فی صفقۃ“ کے عدم جواز کے لئے ضروری ہے کہ ایک عقد دوسرے سے مشروط ہو۔

چنانچہ علامہ سرخسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

وَإِذَا اشْتَرَاهُ عَلَى أَنْ يَقْرَضَ لَهُ قَرْضًا أَوْ يَهَبَ لَهُ هِبَةً أَوْ
يَتَصَدَّقَ عَلَيْهِ بِصَدَقَةٍ أَوْ عَلَى أَنْ يَبِيعَهُ بِكَذَا وَكَذَا مِنَ الثَّمَنِ
فَالْبَيْعُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ فَاسِدٌ.^(۱)

ترجمہ:- اگر کسی شخص نے دوسرے سے کوئی چیز اس شرط پر خریدی کہ وہ اسے قرضہ دے گا یا اسے کچھ ہدیہ دے گا یہ اس پر کچھ صدقہ کرے گا یا فلاں چیز اسے اتنی رقم کے بدلے بیچے گا تو ان تمام صورتوں میں بیع فاسد ہوگی۔

علامہ سرخسی کی ذکر کردہ عبارت سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ دو عقود کو جمع کرنا اس وقت ناجائز ہوگا جب ان میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ مشروط ہو، اس لئے کہ یہاں حرف ”علی“ استعمال کیا گیا ہے جو کہ شرطیت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے تو اس بات کی تصریح بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ ”صفقتان فی صفقۃ“ کی ایک صورت کے عدم جواز کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

(۱) المبسوط للسرخسی (۱۳/۱۶) وأيضاً في فتح القدير (۸۰/۶)۔

لأنه اشترط عقداً في عقد. (۱)

ترجمہ:- کیونکہ اس نے ایک عقد کو دوسرے عقد کے ساتھ مشروط قرار دیا ہے۔

لہذا اگر کوئی ایک عقد دوسرے کے ساتھ مشروط نہیں نیز جس علاقے میں یہ عقد ہو رہے ہیں وہاں ان دونوں کو جمع کرنے کا عرف بھی نہیں تو وہ معاملہ جائز ہو جائے گا لیکن اگر دونوں عقد ایک دوسرے کے ساتھ مشروط ہیں، یا مشروط تو نہیں البتہ انہیں جمع کرنے کا عرف ہے تو بھی "المعروف كالمشروط" (۲) کے قاعدے کے تحت یہ عقد ناجائز ہوگا کیونکہ شریعت نے عرف کو بھی شرط کے قائم مقام قرار دیا ہے۔ اسے بذریعہ مثال یوں واضح کیا جاسکتا ہے کہ مثلاً زید، بکر کو اپنا مکان فروخت کرتا ہے اور پھر بیچنے کے بعد اس سے کرائے پر خرید لیتا ہے تو دیکھا جائے گا کہ بیع کے وقت متعاقبین میں سے کسی نے یہ شرط لگائی تھی کہ زید اسے کرائے پر بھی لے گا یا اس جگہ اس کا عام رواج اور عرف ہے کہ بہت سے لوگوں نے اسے کاروبار کے طور پر اختیار کر رکھا ہے کہ اپنا مکان بیچ کر پھر اسے ہی کرائے پر لے لیتے ہیں تو ایسی صورت میں زید کے لئے وہی مکان کرائے پر لینا جائز نہ ہوگا، اور اگر ان میں سے کوئی صورت بھی نہیں اور بیع ہونے کے بعد بکر اس مکان پر قبضہ بھی کر لیتا ہے تو پھر زید کے لئے یہ مکان کرائے پر لینا جائز ہے، اس لئے کہ اس صورت میں یہ "صفقتان فی صفقة" کی حقیقت میں داخل نہیں۔

مالکیہ کے ہاں یہ قاعدہ تمام عقود کے لئے نہیں، بلکہ ان کے ہاں قاعدہ یہ ہے کہ جن معاملات کے درمیان طبعی تضاد پایا جاتا ہے، صرف انہیں ایک ساتھ جمع نہیں کیا جاسکتا، اور وہ سات ہیں:-

(۱) المغنی (۱/۳۳۲)

(۲) رد المحتار (۳/۱۳۰)۔ وأيضاً في المجلة رقم المادة: ۴۳، وشرحها للخالد الأناسی

(۱/۱۰۰)۔ وفي الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية (۱/۳۸۵)۔ وفي المبسوط

للسرخسی (۱۲/۵۲) وفي القواعد الفقهية للندوی ص: ۵۶۔

۱- جعالة (کسی عمل پر انعام کا التزام)۔^(۱)

۲- عقد صرف۔

۳- مساقاة۔

۴- شریکۃ۔

۵- نکاح۔

۶- قراض (مضاربہ)۔

۷- بیع۔

علامہ قرانی مالکی کا کہنا ہے کہ ان میں سے پہلے چھ عقود کو بیع کے ساتھ جمع نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ آپ لکھتے ہیں:-

أسماء العقود التي لا يجوز اجتماعها مع البيع في قولك
حص مشتق فالجيم للجعالة والصاد للصرف والميم
للمساقاة والشين للشركة والنون للنكاح والقاف للقراض
..... الجعالة للزوم الجهالة في عمل الجعالة وذلك ينافي
البيع ولا إجارة مبنية على نفي الغرر والجهالة له وذلك
موفق للبيع ولا يجتمع النكاح والبيع لتضادهما في
المكايسة في العوض والمعوض بالمسامحة في النكاح
والمشاحة في البيع فحصل التضاد والصرف مبنی على
التشديد وامتناع الخيار والتأخير وأمور كثيرة لا تشترط في
البيع فضاء البيع الصرف والمساقاة والقراض فيهما الغرر

(۱) القاموس الفقہی ص: ۲۳؛ الجعالة؛ الجعالة: وضم الجیم ضعیف شرعاً: التزام عوض معلوم على عمل معين۔۔۔۔۔ وأيضاً في التعليق على تحرير ألفاظ التنبيه أو لغة الفقه بتعليق عبد الغنى الدقة، النووي (محي الدين يحيى بن شرف النووي) بيروت، دار القلم، الطبعة الأولى ۱۴۰۸ هـ۔
۱۹۸۸ م ص: ۲۲۵، جعالة کے متعلق پوری تفصیل باب پنجم میں آئے گی۔

والجہالة كالجعالة وذلك مضاد للبيع وفي الشركة
مخالفة الأصول والبيع على وفق الأصول فهما متضادان. ^(۱)

ترجمہ:- وہ عقود جنہیں بیع کے ساتھ جمع نہیں کیا جاسکتا، وہ ”جـصـ“
مشتق کے اندر جمع ہو جاتے ہیں جس میں ”جـ“ سے مراد جعالة،
”صـ“ سے مراد عقد صرف، ”مـ“ سے مراد مساقاة، ”شـ“ سے مراد شرکت،
”نـ“ سے مراد نکاح اور ”قـ“ سے مراد قراض (مضاربہ) ہے۔

جعالة بیع کے ساتھ اس لئے جمع نہیں ہو سکتا کہ اس کے اندر
جہالت کا پایا جانا لازمی ہے جبکہ جہالت بیع کے منافی ہے، نکاح اس
لئے بیع کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا کہ نکاح میں مالی لین دین (مہر
وغیرہ) کے اندر توسع اور کشادگی ہوتی ہے جبکہ بیع کے اندر عوضین کی
تبدیلی میں ذرا بخل اور تنگی سے کام لیا جاتا ہے لہذا تضاد پایا گیا، عقد
صرف کے احکام سخت ہیں، اس میں خیار اور (عوضین پر قبضے میں)
تاخیر ممنوع ہے اور اس کے علاوہ اور بھی بعض شرائط ایسی ہیں جن کا
عام بیوع کے اندر پایا جانا ضروری نہیں لہذا بیع اور صرف کے درمیان
تضاد واقع ہو گیا، مساقاة اور مضاربہ کے اندر جعالة کی طرح غرر اور
جہالت پائی جاتی ہے اور شرکت میں اصولوں کی مخالفت پائی جاتی ہے
جبکہ بیع اصولوں کے مطابق ہوتی ہے لہذا ان کے اندر بھی تضاد ہے۔

شیخ میارۃ مالکی کے نزدیک ان سات عقود کے علاوہ قرض بھی ان میں شامل ہے
نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان عقود میں سے کوئی بھی دو معاملات آپس میں جمع نہیں ہو سکتے۔

(۱) الفروق، القرافي (الإمام شهاب الدين أبو العباس الصنهاجي المشهور بالقاضي) بيروت، دار
المعرفة، الطبعة القديمة (۱۳۲/۳)۔

..... مواهب الجليل، المغربي (محمد بن عبد الرحمن أبو عبد الله المغربي المتوفى ۹۵۴ھ)
بيروت، دار الفكر، الطبعة الثانية ۱۳۹۸ھ (۳۱۳/۴)

چنانچہ ان کے بارے میں مشہور مالکی عالم الشیخ محمد علی لکھتے ہیں:-

وكل عقد من هذه العقود الستة يضاد البيع فلذا اختصرت
فی المشهور بانه لا يجوز ان يجمع واحدا منهما مع البيع
عقد واحد بل قال الشيخ ميارة كما لا يجمع البيع مع
واحد من هذه السبع بزيادة القرض فكذلك لا يجمع
اثنان منهما في عقد واحد لا فتراق أحكامها.^(۱)

ترجمہ:- درج بالا چھ عقود میں سے ہر عقد بیع کے متضاد ہے اس لئے
یہ بات مشہور ہے کہ ان میں سے کوئی ایک عقد بھی بیع کے ساتھ جمع
نہیں ہو سکتا بلکہ شیخ میارہ کا کہنا ہے کہ ان چھ کے علاوہ قرض بھی بیع
کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا نیز ان عقود میں سے کوئی بھی دو معاملات
آپس میں جمع نہیں ہو سکتے۔

درج بالا مضمون کو شیخ محمد علی رحمہ اللہ نے ان دو اشعار کے اندر جمع کیا ہے:-

عقود منعا اثنین منها بعقدہ

لکون معانیہا معاً تتفرق

فجعل وصرف والمساواة شركة

نکاح قراض قرض بیع محقق^(۲)

ترجمہ:- وہ عقود جن کے معانی میں تضاد پائے جانے کی وجہ سے ہم
نے ان کے ایک عقد میں جمع ہونے کو منع کیا ہے، وہ یہ ہیں: بیع،
عقد صرف، مساواة، شرکت، نکاح، مضاربہ، قرض اور بیع۔

اگر شیخ میارہ کے قول کو اختیار کیا جائے تو اس طرح دو معاملات کے جمع ہونے کی
ناجائز صورتوں کے اندر عقلی طور پر چونسٹھ احتمالات ہیں، البتہ ان میں سے چھتیس^۳ صورتوں

(۲۱) تہذیب الفروق علی هامش الفروق (الشیخ محمد علی بن الشیخ حسین مفتی المالکیہ)

بیروت، دار المعرفة، الطبعة القدیمة (۱۷۷/۳)۔

میں تکرار واقع ہو جاتا ہے اس لئے کل ناجائز صورتیں اٹھائیں باقی رہ جاتی ہیں۔^(۱)

”صفقتان فی صفقة“ کی منصوص صورتیں

ایک عقد کے اندر دو معاملات کرنے کی ویسے تو بہت سی صورتیں ہیں لیکن تین صورتیں ایسی ہیں جن کی ممانعت احادیث میں بھی وارد ہے:-

(۲) کل معاملات آٹھ ہیں، انہیں آٹھ سے ضرب دی جائے تو عقلی طور پر درج ذیل چوتھ صورتیں سامنے آئیں گی: ۱- بیع اور بیع، ۲- بیع اور جعالة، ۳- بیع اور صرف، ۴- بیع اور مساقاة، ۵- بیع اور شریکة، ۶- بیع اور نکاح، ۷- بیع اور مضاربة، ۸- بیع اور قرض، ۹- جعالة اور بیع، ۱۰- جعالة اور جعالة، ۱۱- جعالة اور صرف، ۱۲- جعالة اور مساقاة، ۱۳- جعالة اور شریکة، ۱۴- جعالة اور نکاح، ۱۵- جعالة اور مضاربة، ۱۶- جعالة اور قرض، ۱۷- صرف اور بیع، ۱۸- صرف اور جعالة، ۱۹- صرف اور صرف، ۲۰- صرف اور مساقاة، ۲۱- صرف اور شریکة، ۲۲- صرف اور نکاح، ۲۳- صرف اور مضاربة، ۲۴- صرف اور قرض، ۲۵- مساقاة اور بیع، ۲۶- مساقاة اور جعالة، ۲۷- مساقاة اور صرف، ۲۸- مساقاة اور مساقاة، ۲۹- مساقاة اور شریکة، ۳۰- مساقاة اور نکاح، ۳۱- مساقاة اور مضاربة، ۳۲- مساقاة اور قرض، ۳۳- شریکة اور بیع، ۳۴- شریکة اور جعالة، ۳۵- شریکة اور صرف، ۳۶- شریکة اور قرض، ۳۷- نکاح اور بیع، ۳۸- شریکة اور نکاح، ۳۹- شریکة اور مضاربة، ۴۰- شریکة اور قرض، ۴۱- نکاح اور بیع، ۴۲- نکاح اور جعالة، ۴۳- نکاح اور صرف، ۴۴- نکاح اور مساقاة، ۴۵- نکاح اور شریکة، ۴۶- نکاح اور نکاح، ۴۷- نکاح اور مضاربة، ۴۸- نکاح اور قرض، ۴۹- مضاربة اور بیع، ۵۰- مضاربة اور جعالة، ۵۱- مضاربة اور صرف، ۵۲- مضاربة اور مساقاة، ۵۳- مضاربة اور شریکة، ۵۴- مضاربة اور نکاح، ۵۵- مضاربة اور مضاربة، ۵۶- مضاربة اور قرض، ۵۷- قرض اور بیع، ۵۸- قرض اور جعالة، ۵۹- قرض اور صرف، ۶۰- قرض اور مساقاة، ۶۱- قرض اور شریکة، ۶۲- قرض اور نکاح، ۶۳- قرض اور مضاربة، ۶۴- قرض اور قرض، لیکن ان میں سے بعض ایسی ہیں جس میں ایک ہی عقد کا نام تکرار کے ساتھ لکھا گیا اور وہ آٹھ صورتیں ہیں یعنی صورت نمبر ۱۰، ۱۹، ۲۸، ۳۷، ۳۸، ۴۶، ۵۵، ۶۴، اور باقی سب صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں ایک جیسے عقد دوبارہ مذکور ہیں، صرف ان کے ناموں میں تقدیم و تاخیر ہے مثلاً ایک صورت میں بیع کا نام پہلے ہے اور جعالة کا بعد میں، اور دوسری میں جعالة کا نام پہلے ہے اور بیع کا بعد میں۔ ان صورتوں میں سے صرف ایک صورت کو باقی رکھا اور مکرر کو حذف کیا جائے تو غیر تکرار والی کل اٹھائیں صورتیں باقی رہ جاتی ہیں۔

- ۱- بیع و سلف (بیع اور قرض یا سلم کو ایک ساتھ کرنا)۔
 - ۲- بیع و شرط (بیع کے اندر کوئی شرط لگانا)۔
 - ۳- بیع و شرطین (بیع کے اندر دو شرطیں لگانا)۔
- ذیل میں ہر ایک کو قدرے وضاحت سے ذکر کیا جاتا ہے۔

بیع و سلف

(بیع اور قرض یا سلم کو ایک ساتھ جمع کرنا)

سلف ”قرض“ اور ”سلم“ دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے^(۱) اور فقہائے کرام نے یہاں پر دونوں معنی مراد لئے ہیں۔ لہذا بیع و سلف کا مطلب یہ ہوا کہ بیع کے ساتھ قرض کو جمع کرنا۔ اور بیع کے ساتھ سلم کو جمع کرنا۔ دونوں جائز نہیں۔

”بیع و سلف“ کی ممانعت کے بارے میں ایک حدیث میں ہے:-

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل سلف وبيع ولا شرطان في بيع ولا ربح ما لم يضمن ولا بيع ما ليس عندك.^(۲)

(۱) القاموس الوحيد، کیرانوی (مولانا وحید الزمان کیرانوی) لاہور، ادارہ اسلامیات، الطبعة الأولى ربيع الأول ۱۴۲۲ھ - جون ۲۰۰۱ء، ص: ۷۹۲۔

(۲) جامع الترمذی، کتاب البیوع، باب ما جاء فی کراهیة بیع ما لیس عندہ، رقم الحدیث: ۱۲۳۴۔

..... سنن أبی داؤد، کتاب البیوع، باب شرط فی بیع، رقم الحدیث: ۳۳۶۱۔

..... سنن نسائی، باب بیع ما لیس عند البائع، رقم الحدیث: ۶۲۰۳۔

..... المنتقى لابن جارود، النيسابوري، (ابو محمد عبدالله بن علي بن الجارود النيسابوري المتوفى ۲۰۷ھ) بيروت، مؤسسة الكتاب الثقافية، الطبعة الأولى ۱۴۰۸ھ - ۱۹۸۸م
حدیث: ۶۰۱ (۱۵۳/۱)۔

..... المستدرک علی الصحیحین، النيسابوري (محمد بن عبدالله ابو عبدالله الحاکم النيسابوري ۳۲۱ھ - ۳۰۵ھ) بيروت، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى ۱۴۱۱ھ - ۱۹۹۰م
حدیث: ۲۱۸۵ (۲۲/۲)۔

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرضہ اور بیع ایک ساتھ کرنا حلال نہیں، ایک بیع کے اندر دو شرطیں ایک ساتھ نہیں لگائی جاسکتیں اور جو چیز انسان کے ضمان میں نہیں، اس پر نفع لینا جائز نہیں اور جو چیز انسان کے پاس موجود نہیں، اس کے لئے اسے فروخت کرنا جائز نہیں۔

۲- عمرو بن شعیب عن أبیه عن جدّه عبد الله بن عمر بن العاص قال: قلت: يا رسول الله إني أسمع منك أشياء أخاف أنساها أفأذن لي أن أكتبها؟ قال: نعم، قال: فكان فيما كتب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه لما بعث عتاب بن أسيد إلى أهل مكة قال: أخبرهم أنه لا يجوز بيعان في بيع ولا بيع ما لا يملك ولا سلف وبيع ولا شرطان في بيع.^(۱)

ترجمہ:- عبد اللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں آپ سے بہت سی باتیں سنتا ہوں اور مجھے خوف ہے کہ میں انہیں بھول جاؤں گا تو کیا میں اسے لکھ لیا کروں؟ فرمایا: ہاں۔ ابن عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھوائی گئی باتوں میں ایک بات یہ بھی تھی کہ جب آپ نے عتاب بن اسید کو مکہ کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ: انہیں خبر دو کہ ایک عقد میں بیع کے دو معاملات کرنا، غیر مملوک کی بیع، بیع و سلف اور ایک بیع کے اندر دو شرطیں لگانا جائز نہیں۔

(۱) المستدرک علی الصحیحین، النیسابوری (محمد بن عبد اللہ ابو عبد اللہ الحاکم النیسابوری ۳۲۱ھ - ۳۰۵ھ) بیروت، دار الکتب العلمیہ، الطبعة الأولى ۱۴۱۱ھ - ۱۹۹۰م (۲۱/۲) حدیث: ۲۱۸۶.

بیع و سلف کی صورتیں

بیع و سلف سے متعلق تقریباً پانچ صورتیں ہیں، جن میں چار بیع اور قرض کو جمع کرنے سے متعلق ہیں اور ایک صورت بیع اور سلم کو جمع کرنے سے متعلق ہے۔
بیع کے ساتھ قرض کو جمع کرنے کی صورتیں یہ ہیں:-

۱- کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ میں تمہارا سامان فلاں قیمت پر اس شرط پر خریدتا ہوں کہ تم مجھے اتنی رقم بطور قرض دو۔ اسے امام مالکؒ نے یوں ذکر فرمایا ہے:-
أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ أَخَذَ سَلْعَتَكَ بِكَذَا عَلَى أَنْ تَسْلِفَنِي كَذَا وَكَذَا.^(۱)

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے یوں کہے کہ میں اپنا سامان فلاں قیمت پر تمہیں اس شرط کے ساتھ بیچتا ہوں کہ تم مجھے اتنی رقم قرض دو۔ علامہ خطابی نے اس صورت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:-

أَنْ يَقُولَ: أُبِيعُكَ بِكَذَا عَلَى أَنْ تَقْرَضَنِي أَلْفَ دِرْهَمٍ.^(۲)

۳- تیسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے یوں کہے کہ میں تمہیں اتنی رقم بطور قرض اس شرط پر دیتا ہوں کہ تم مجھے اپنا فلاں سامان اتنی قیمت پر فروخت کرو۔ اسے علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:-

أَنْ يَقُولَ: أَسْلَفْتُكَ كَذَا دِرْهَمًا عَلَى أَنْ تَبِيعَنِي دَارَكَ بِكَذَا.^(۳)

۴- چوتھی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کو قرض کی ضرورت ہے، اس نے

(۱) کتاب المؤطا بہامش المنتقى (۲۹/۵)۔

(۲) معالم السنن مع سنن أبي داود، الخطابی (أبو سليمان الخطابی) لاہور، المطبعة العربية، الطبعة الثانية، ۱۳۹۹ھ-۱۹۷۲م (۱۳۵/۵)۔

(۳) إعلاء السنن، العثماني (العلامة ظفر أحمد عثمانی) کراتشی، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، الطبعة الأولى ۱۴۰۶ھ (۱۷۵/۱۳)۔

دوسرے سے قرض مانگا تو اس نے کہا کہ میں تم کو اس وقت تک قرض نہ دوں گا جب تک تم مجھ سے فلاں چیز اتنی قیمت پر نہیں خریدو گے مثلاً ایک پنکھے کی قیمت بازار میں دو ہزار روپے ہے، لیکن قرض دینے والا کہتا ہے کہ اگر تم مجھ سے یہ پنکھا تین ہزار روپے میں خریدو تو میں تمہیں قرض دینے کے لئے تیار ہوں۔

اس صورت کے بارے میں علامہ خطابی لکھتے ہیں:-

إذا أقرضه مائة إلى سنة ثم باعه ما يساوي خمسين بمائة.

(۱)

فقد جعل هذا البيع ذريعة إلى الزيادة في القرض.

ترجمہ:- جب ایک شخص نے دوسرے کو ایک سال کے لئے سو روپے قرض دیا اور پھر پچاس روپے کی چیز اس کے ہاتھوں سو روپے کی فروخت کی تو گویا اس نے اس بیع کو قرض کے اندر زیادتی کا ذریعہ بنایا۔

بیع اور سلم کو جمع کرنے کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے دوسرے سے سلم کرتے ہوئے کہا کہ تم یہ سو روپے لے لو اور ایک ماہ بعد مجھے ایک من گندم دے دینا اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ اگر کسی وجہ سے تم ایک ماہ بعد مجھے گندم فراہم نہ کر سکتے تو وہ گندم میں نے تجھے ایک سو دس روپے میں فروخت کی۔ اس صورت کو علامہ شوکانی رحمہ اللہ اس طرح ذکر فرماتے ہیں:-

يسلم إليه في شيء ويقول إن لم يتهيا المسلم فيه عندك فهو

(۲)

بيع لك.

مذکورہ بالا تمام صورتیں ”سلف و بیع“ میں داخل ہیں اور ”سلف و بیع“ کو جمع کرنا حدیث کی وجہ سے ناجائز ہے، اس لئے مذکورہ بالا تمام صورتیں شرعاً ناجائز ہیں۔ اور اس پر

(۱) معالم السنن مع سنن أبي داود (۵/۱۳۵).

(۲) نیل الأوطار (۵/۱۵۲).

..... وأيضاً في عارضة الأحوذی شرح جامع الترمذی، ابن العربی (الإمام أبو بکر محمد بن عبد الله المعروف بابن العربی) بیروت، دار إحياء التراث العربی، الطبعة الأولى ۱۴۱۵ھ - ۱۹۹۵م (۵/۲۴۱).

تقریباً تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے، چنانچہ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-
 ولو باعه بشرط أن يسلفه أو يقرضه أو شرط المشتري
 ذلك عليه فهو محرم والبيع باطل.... ولا أعلم فيه خلافاً^(۱)
 ترجمہ:- اگر کسی شخص نے اس شرط پر بیع کی کہ وہ اس سے سلم کرے گا
 یا قرض دے گا یا خریدار نے یہ شرط لگائی تو ایسا کرنا حرام ہے اور بیع
 باطل ہو جائیگی..... اور اس حکم میں فقہائے کرام کا کوئی اختلاف
 میرے علم میں نہیں۔

بیع و شرط (بیع کے اندر کوئی شرط لگانا)

”صفقتان فی صفقة“ کی دوسری منصوص صورت ”بیع و شرط“ ہے۔ ”بیع و شرط“ کا مطلب ہے کہ بیع کے اندر کوئی اور شرط بھی لگائی جائے کہ اس کے پائے جانے پر متعاقبین یا ان میں سے کوئی ایک بیع کرنے پر تیار ہو، مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ میں تمہیں فلاں چیز اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ تم اسے آگے فروخت نہیں کر سکتے۔ اس طرح شرط لگانے سے گویا ایک عقد میں دو معاملات جمع ہو گئے، اس لئے یہ صورت ”صفقتان فی صفقة“ میں داخل ہو گئی اس کے علاوہ ”بیع و شرط“ کی جتنی صورتیں ہیں تقریباً ان سب میں شرط لگانے سے دو معاملات وجود میں آ جاتے ہیں۔ روایات کے اندر جس طرح ”صفقتان فی صفقة“ کا عدم جواز مذکور ہے، اسی طرح بیع و شرط کی ممانعت بھی وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے:-

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع و شرط.
 ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کے اندر شرط لگانے سے

منع فرمایا۔^(۱)

لہذا ”بیع و شرط“ میں داخل صورتوں کی ممانعت دو وجہ سے ظاہر ہوئی، ایک ”صفقتان فی صفقة“ میں داخل ہونے کی وجہ سے، دوسرے ”بیع و شرط“ کے متعلق الگ سے ممانعت آنے کی وجہ سے، لیکن ائمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی ”بیع و شرط“ کو علی الاطلاق ناجائز نہیں فرمایا۔

ائمہ کرام کے اختلاف اور ان کے دلائل کو ذکر کرنے سے پہلے ایک علمی لطیفے کو بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ذکر اختلاف ائمہ کی وجہ سمجھنے میں بھی مفید ہوگا۔

علمی لطیفہ

عبدالوارث بن سعید کہتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ آیا، معلوم ہوا کہ وہاں امام ابوحنیفہ، ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ آئے ہوئے ہیں۔ میں نے ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ جس نے بیع کے اندر شرط لگائی؟ آپ نے فرمایا کہ بیع بھی باطل اور شرط بھی باطل۔ پھر میں ابن ابی لیلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یہی سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ بیع جائز اور شرط باطل ہے۔ پھر میں ابن شبرمہ کے پاس آیا اور یہ سوال ان کے سامنے بھی رکھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ بیع بھی جائز اور شرط بھی جائز۔ میں نے بہت حیران ہو کر کہا: سبحان اللہ! ایک مسئلے میں تینوں فقہائے عراق کا نقطہ نظر مختلف ہے۔

پھر میں امام ابوحنیفہ کے پاس آیا اور انہیں دوسرے دو حضرات کے جواب سے آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا: مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے کیا کہا، مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ

(۱) مجمع البحرین فی زوائد المعجمین (۳/۳۳۸)۔

..... أيضًا فی مجمع الزوائد، الہیثمی (الحافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ) بیروت، دارالکتاب العربی، الطبعة الثالثة ۱۹۶۷م۔

..... وأيضًا فی مسند الإمام أبی حنیفة، الأصفهانی (الإمام أبو نعیم أحمد بن عبد اللہ الأصفهانی ۴۳۰ھ) الرياض، مكتبة الأثر، الطبعة الأولى ۱۴۱۵ھ-۱۹۳۴م ص: ۱۶۰۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کے اندر شرط لگانے سے منع کیا۔ لہذا بیع بھی باطل ہے اور شرط بھی۔ پھر میں نے ابن ابی لیلیٰ کو دوسرے حضرات کے جواب سے آگاہ کیا تو انہوں نے جواب دیا: مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے کیا کہا۔ مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں بریرہؓ کو خرید لوں اور اسے آزاد کر دوں۔^(۱) لہذا بیع جائز ہے البتہ شرط باطل ہے۔ پھر میں ابن شبرمہ کے پاس آیا اور انہیں ساری بات بتائی، انہوں نے فرمایا: مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے کیا کہا۔ مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُونٹنی فروخت کی اور اس میں یہ شرط لگائی کہ مدینہ تک تو میں اس پر سوار رہوں گا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دوں گا۔ (آپؐ نے اس شرط کے ساتھ اُونٹنی خرید لی)، لہذا بیع بھی جائز اور شرط بھی جائز۔^(۲)

اختلاف مذاہب

اگر شرط فی نفسہ حرام ہو یا خود شرط کے اندر غمر موجود ہو تو ایسی شرط لگانا تو جائز نہیں لیکن اگر شرط فی نفسہ حرام نہ ہو اور خود شرط کے اندر غمر موجود نہ ہو تو بیع کے اندر شرط لگانے کے متعلق مذاہب فقہائے کرام میں درج ذیل تفصیل ہے:-

(۱) حضرت بریرہؓ ایک باندی تھیں، ان کے آقا نے یہ شرط لگائی کہ اگر تم اتنی رقم ادا کر دو تو میں تمہیں آزاد کرتا ہوں۔ وہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں اور قصہ بیان کیا آپؐ نے فرمایا: اگر تمہارے آقا یہ پسند کریں کہ میں یہ رقم دوں اور تمہارا ولاء (ترک) بھی مجھے ملے تو میں تیار ہوں۔ وہ اپنے آقا کے پاس گئیں لیکن اس نے یہ بات تسلیم نہ کی۔ حضرت عائشہؓ نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، آپؐ نے فرمایا کہ اسے خرید کر آزاد کر دو اس کا ولاء تجھے ہی ملے گا کیونکہ ولاء کا مستحق وہی ہے جو اسے آزاد کرے۔ پھر آپؐ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوا کہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں، اور جو شرط کتاب اللہ میں نہیں، وہ باطل ہے خواہ سو شرطیں ہی کیوں نہ ہوں۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۳۶۶۳)۔

(۲) المعجم الأوسط للطبرانی (۵/۱۸۴)۔

..... مجمع البحرين فی زوائد المعجمین (۳/۳۶۸)۔

..... مجمع الزوائد (۴/۳۶۸)۔

حنفیہ

حنفیہ کے نزدیک شرط کی تین قسمیں ہیں:-

۱- شرط صحیح۔

۲- شرط فاسد۔

۳- شرط باطل۔

شرط صحیح کی تین صورتیں ہیں:-

۱- وہ شرط جو مقتضائے عقد کے مطابق ہو یعنی خود عقد کی حقیقت اس شرط کے پائے جانے کا تقاضا کرتی ہو جیسے بائع کوئی چیز اس شرط پر فروخت کرے کہ جب تک خریدار ادائیگی نہیں کرے گا، میں اپنی بیع اس کے حوالے نہیں کروں گا۔
یہ شرط تو محض عقد کے اندر تاکید پیدا کرتی ہے اس لئے اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ وہ شرط ملائم عقد ہو یعنی عقد کو پختہ کرنے کے لئے اس کا لگانا مناسب ہو جیسے کوئی شخص^(۱) یہ شرط لگائے کہ میں اپنا سامان اس شرط پر ادھار فروخت کروں گا کہ خریدار اس کی قیمت کے بدلے کوئی ضامن دے یا رہن رکھوائے۔

۳- تیسری صورت یہ ہے کہ وہ شرط مقتضائے عقد کے تو خلاف ہو لیکن تاجروں کے عرف میں وہ شرط عقد کے اندر داخل سمجھی جاتی ہو جیسے کوئی شخص بازار سے قالین اس شرط پر خریدے کہ دکاندار اسے خریدار کے ہاں لگا کر بھی دے گا۔ اس تیسری قسم کے بارے میں قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ شرط ناجائز ہوتی لیکن عرف کی وجہ سے اسے جائز قرار دیا گیا۔
علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

إِنَّ النَّاسَ تَعَامَلُوا هَذَا الشَّرْطَ فِي الْبَيْعِ كَمَا تَعَامَلُوا

الِاسْتِصْنَاعِ فَسَقَطَ الْقِيَاسُ بِتَعَامُلِ النَّاسِ كَمَا سَقَطَ فِي

الِاسْتِصْنَاعِ^(۲)۔

(۲) بدائع الصنائع (۵/۱۷۲)۔

(۱) رد المحتار (۵/۲۴۱)۔

ترجمہ:- بلاشبہ لوگوں کے ہاں بیع کے اندر یہ شرطیں لگانے کا عام رواج ہو چکا ہے جیسا کہ عقد استھناع کا عام رواج ہے، لہذا لوگوں کے تعامل کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا جیسا کہ استھناع کے اندر قیاس چھوڑ دیا گیا۔

شرط صحیح کا حکم یہ ہے کہ اس کی وجہ سے عقد فاسد نہیں ہوتا بلکہ صحیح رہتا ہے اور خود اس شرط کا لگانا بھی جائز ہے۔

شرط فاسد وہ ہے کہ جس میں مذکورہ تین صورتیں نہ ہوں اور اس میں عاقدین (Contractors) میں سے کسی ایک کا فائدہ ہو، جیسے کوئی شخص اس شرط پر مکان بیچے کہ وہ ایک سال تک خود اس میں رہے گا یا خود معقود علیہ (Subject Matter) کا فائدہ ہو بشرطیکہ وہ فائدہ حاصل کرنے کا اہل ہو جیسے کوئی شخص اس شرط پر غلام فروخت کرے کہ خریدار اسے آزاد کرے گا، اس قسم کی شرائط سے عقد فاسد ہو جاتا ہے۔

شرط باطل وہ ہے کہ جس میں شرط صحیح کی مذکورہ تین صورتیں بھی نہ ہوں اور اس میں کسی فریق یا معقود علیہ کا فائدہ بھی نہ ہو، جیسے کوئی شخص اس شرط پر گاڑی فروخت کرے کہ خریدار اسے آگے نہیں بیچے گا، اس شرط کا حکم یہ ہے کہ شرط خود باطل ہو جاتی ہے لیکن عقد صحیح رہتا ہے۔^(۱)

اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ کاسانی فرماتے ہیں:-

لأن هذا الشرط لا منفعة فيه لأحد، فلا يوجب الفساد وهذا لأن فساد البيع في مثل هذه الشروط لتضمنها الربا لا يقبلها عوض ولم يوجد في هذا الشرط لأنه لا منفعة فيه لأحد، إلا أنه شرط فاسد في نفسه لكنه لا يؤثر في العقد فالعقد جائز والشرط باطل.^(۲)

ترجمہ:- کیونکہ یہ ایسی شرط ہے کہ اس میں کسی کا فائدہ نہیں اس لئے

(۲) بدائع الصنائع (۵/۱۷۲)۔

(۱) المبسوط للسرخسی (۱۳/۱۵)۔

یہ عقد کو فاسد نہیں کرتی کیونکہ بیع ان شرائط سے فاسد ہوتی ہے جن میں کسی کا فائدہ ہو کیونکہ ایسی شرائط کے اندر ربا کا مفہوم ہوتا ہے کہ ایک فریق کو ایسی چیز زائد مل رہی ہوتی ہے جس کا کوئی عوض نہیں جبکہ ایسی شرط میں ایسا نہیں کیونکہ اس میں کسی کا کوئی فائدہ نہیں، البتہ اپنی ذات کے اعتبار سے درست نہیں لیکن عقد پر اس کا اثر نہیں ہوگا لہذا عقد جائز ہوگا اور شرط فاسد ہوگی۔

شافعیہ

شافعیہ کا مذہب بھی حنفیہ کی طرح ہے، البتہ ایک بنیادی اختلاف موجود ہے وہ یہ کہ حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی شرط مقتضائے عقد کے مطابق نہ ہو اور نہ ہی ملائم عقد ہو لیکن تجار کے ہاں اس کا عرف ہو تو وہ بھی جائز ہے لیکن شوافع عرف کی بنیاد پر اسے جائز نہیں سمجھتے بلکہ ان کے ہاں یہ شرط بدستور ناجائز رہتی ہے۔ اور اس کی وجہ سے عقد بھی فاسد ہو جاتا ہے، البتہ وہ اس سے ایک صورت کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں وہ یہ کہ ان کے نزدیک اس شرط کے ساتھ غلام خریدنا جائز ہے کہ خریدنے والا اسے آزاد کر دے گا۔ اگرچہ قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ ان کے ہاں یہ صورت ناجائز ہوتی لیکن حدیث بریرہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے انہوں نے اسے جائز قرار دیا، چنانچہ علامہ شربینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

ولو باع رقیقاً أو أمة بشرط إعتاقه... فالمشہور صحة

(۱)

البيع والشرط لتشوف الشارع إلى العتق.

ترجمہ:- اگر کسی نے اس شرط پر غلام یا باندی کو فروخت کیا کہ وہ اسے آزاد کرے گا تو مشہور قول یہ ہے کہ یہ شرط لگانا بھی صحیح ہے اور بیع بھی صحیح ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے۔

مالکیہ

مالکیہ کے ہاں صرف مقتضائے عقد کے خلاف ہونے سے بیع فاسد نہیں ہوتی

بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ شرط متناقض عقد ہو، جیسے کوئی شخص بیع کے اندر یہ شرط لگا دے کہ میں یہ چیز اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ ایک سال تک اس کی ملکیت تمہاری طرف منتقل نہ ہوگی۔^(۱)

حنابلہ

حنابلہ کے ہاں بیع کے اندر شرط لگانے کی چار صورتیں ہیں:-

۱- شرط مقتضائے عقد کے مطابق ہو، جیسے خریدار یہ شرط لگائے کہ بائع خریداری کے فوراً بعد سامان خریدار کے سپرد کرے گا۔

۲- اس شرط میں عاقدین کی مصلحت پوشیدہ ہو، جیسے رہن اور ضمانت لینا یا خیارِ رؤیت اور خیارِ شرط وغیرہ کے ساتھ بیع کرنا۔

مذکورہ بالا دونوں اقسام کی شرطیں جائز ہیں۔

۳- وہ شرط عقد کا مقتضی بھی نہ ہو اور اُس میں کوئی مصلحت بھی پوشیدہ نہ ہو، اور عقد کے مقتضی کے منافی بھی نہ ہو، اس کی دو قسمیں ہیں:-

الف:- بائع کا اپنے لئے منفعت کی شرط لگانا جیسے خریدار اس شرط پر خریدار سے کپڑا خریدے کہ وہ بائع اُسے سی کر بھی دے گا، یا اس شرط پر جو تا خریدار کہ بائع تسمہ لگا کر دے گا، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر منفعت معلوم ہو تو یہ شرط لگانا جائز ہے۔

ب:- ایک عقد میں دوسرے عقد کی شرط لگانا جیسے اس شرط پر کوئی چیز بیچنا کہ دوسرا فریق اُسے فلاں چیز بیچے گا، یا اجارہ پر دے گا، وغیرہ، یہ شرط فاسد ہے اور اس سے عقد بھی فاسد ہو جائے گا۔^(۲)

۴- ایسی شرط لگانا جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو۔ اس کی مزید کئی صورتیں ہیں، اور ان کے جواز و عدم میں مختلف اقوال ہیں۔^(۳)

(۱) مواہب الجلیل للحطاب (۳/۳۷۳)

(۲) یہ صورت "صفقتان فی صفقة" میں داخل ہے۔

(۳) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: الکافی، ابن قدامة (عبد اللہ بن احمد بن قدامة المقدسی

۵۴۱ - ۶۲۰ھ) بیروت، المکتب الاسلامی، الطبعة الخامسة ۱۴۰۸ھ - ۱۹۸۸م (۲/۳۸)

وأيضاً فی المغنی لابن قدامة (۶/۳۳۱)۔

دیگر مذاہب

ذکر کردہ تفصیل ائمہ اربعہ کے مذاہب سے متعلق ہے۔ ان کے علاوہ ابن حزم رحمہ اللہ اور ظاہریہ کا کہنا یہ ہے کہ بیع کے اندر کسی قسم کی شرط لگانا بھی جائز نہیں اور جو بھی شرط لگائی جائے گی، اس سے عقد فاسد ہو جائے گا۔ ان کی دلیل مذکورہ روایت ہے کہ اس کے ظاہر سے علی الاطلاق ہر قسم کی شرط لگانے کا عدم جواز معلوم ہوتا ہے۔^(۱)

ابن ابی شبرمہ کے نزدیک ہر طرح کی شرط لگانا جائز ہے اور اس سے عقد بھی فاسد نہیں ہوتا جبکہ ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک شرط لگانا تو جائز نہیں، البتہ شرط فاسد کی وجہ سے عقد فاسد نہیں ہوتا بلکہ یہ عقد بدستور جائز رہے گا۔

ابن شبرمہ کا استدلال حضرت جابر کی روایت سے ہے جبکہ ابن ابی لیلیٰ حضرت بریرہؓ والی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔^(۲)

ائمہ اربعہ کے دلائل کا جائزہ اور ترجیح

بیع کے اندر شرط لگانے کے متعلق تین طرح کی روایات مروی ہیں جو کہ علمی لطیفے کے ذیل میں بیان ہوئیں۔ پہلی روایت جس میں بیع کے اندر شرط لگانے کی ممانعت کا ذکر ہے جسے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے دلیل کے طور پر ذکر فرمایا۔ اس کے علاوہ حضرت بریرہؓ اور حضرت جابرؓ کی روایات۔

احناف ان میں سے پہلی روایت سے استدلال کرتے ہیں البتہ بعض صورتوں کو اس لئے جائز قرار دیتے ہیں کہ ان کا لگانا خود مقتضائے عقد میں شامل ہے، لہذا ان کا لگانا یا نہ لگانا برابر ہے کیونکہ ان شرائط کے لگائے بغیر بھی عقد کے اندر ان کی پابندی کرنا ضروری ہوتی ہے جیسے بیع کے اندر قیمت ادا کرنا اور بعض شرائط عقد کے تقاضے کو پختہ کرنے کے لئے لگائی جاتی ہیں جیسے قیمت کی وصولی کے لئے ضامن لینا یا رہن رکھوانا اور بعض شرائط کو عرف

(۱) المحلی لابن حزم ج: ۸ ص: ۴۱۲-۴۱۵

(۲) یہ دونوں روایات علمی لطیفے کے ذیل میں گزر چکی ہیں۔

کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے کیونکہ عرف ایک شرعی دلیل ہے اور اس کے اوپر بھی بہت سے شرعی احکام کا دار و مدار ہے جیسا کہ علامہ سرخسی ایسی شرائط کے بارے میں فرماتے ہیں:-

وإن كان شرطاً لا يقتضيه العقد وفيه عرف ظاهر فذلك جائز أيضاً، كما لو اشترى نعلًا وشراكتًا بشرط أن يحدو البائع، لأن الثابت بالعرف ثابت بدليل شرعي ولأن في النزاع عن العادة الظاهرة حرجاً بيناً^(۱).

ترجمہ:- اگر کوئی شرط ایسی ہے کہ وہ مقتضائے عقد کے مطابق نہیں لیکن اس کا واضح اور ظاہر عرف موجود ہے تو ایسی شرط جائز ہے، جیسے کوئی شخص اس شرط پر جوتا خریدے کہ بائع اسے قسمہ لگا کر دے گا۔ (اس کے جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ) جو چیز عرف کی بنیاد پر ثابت ہے تو وہ بھی شرعی دلیل ہی سے ثابت ہے (کیونکہ عرف بھی ایک شرعی دلیل ہے) اور دوسری بات یہ ہے کہ لوگوں کو ان کے عرف و عادت سے کھینچنے میں بہت بڑا حرج لازم آتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ احناف ”بیع و شرط“ والی روایت سے بعض صورتیں ”شرعی دلائل“ کی بنیاد پر مستثنیٰ کر کے بقیہ صورتوں کو اسی روایت کی بنیاد پر ناجائز قرار دیتے ہیں۔ بقیہ دو روایات کے بارے میں درج ذیل جوابات دیئے گئے ہیں۔

حدیث جابرؓ کے جوابات

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کا جواب دیتے ہوئے علامہ طحاوی فرماتے ہیں کہ واقعہ کے سیاق و سباق پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہاں پر اونٹ کی خرید و فروخت کا معاملہ ہوا ہی نہیں (بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو نوازنے کا ایک انداز تھا) چنانچہ اسی واقعہ کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ

(۱) المبسوط للسرخسی (۱۳/۱۳)، وأيضاً في بدائع الصنائع (۱۷۲/۵)

(۲) شرح معانی الآثار (۲۰۳/۲)۔

علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے:-

لعلمک تری انی إنما حبستک لأذهب ببعیرک یا بلال:

أعطیه أوقیة وخذ ببعیرک فہما لک^(۱).

ترجمہ:- (اے جابر!) کیا تم یہ سمجھے تھے کہ میں نے تمہیں اس لئے

روکا ہے کہ تمہارا اونٹ لے ہوں، اے بلال! اسے اوقیہ چاندی دے

دو۔ (اور اے جابر!) اپنا اونٹ بھی لے لو، یہ دونوں تمہارے ہیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ بیع کا معاملہ نہیں تھا، اس لئے اس

سے استدلال کرنا درست نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ واقعہ سے متعلق مختلف

روایات ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سوار ہونے کی شرط عقد میں شامل تھی جبکہ

دیگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عقد کے اندر تو یہ شرط نہیں لگائی گئی تھی البتہ بعد میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان فرماتے ہوئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اس اونٹ

پر سوار ہونے کی اجازت دے دی۔ علامہ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

وبعض هذه الألفاظ تدل على أن ذلك كان شرطاً في البيع،

وبعضها يدل على أن ذلك كان منه صلى الله عليه وسلم

تفضلاً وتكرماً ومعروفاً بعد البيع^(۲).

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ جن روایات سے یہ

معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرط عقد میں نہیں تھی وہ روایات زیادہ صحیح ہیں۔ اس لئے انہیں ترجیح

حاصل ہے اور اگر یہ صورت نہ بھی ہو تو بھی ان روایات کے آنے سے یہ احتمال پیدا ہو گیا

(۱) السنن الكبرى، البيهقي (الإمام أبو بكر أحمد بن حسين بن علي البيهقي المتوفى ۴۵۸ھ)

ملتان، نشر السنة (۳۳۷/۵).

(۲) السنن الكبرى للبيهقي (۳۳۷/۵).

کہ ہو سکتا ہے کہ عقد کے اندر یہ شرط نہ لگائی گئی ہو اور احتمال کے ہوتے ہوئے استدلال تام نہیں ہوتا لہذا حدیث جابر سے استدلال کرنا درست نہ ہوگا۔^(۱)

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی رائے یہ ہے کہ جن روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرط صلب عقد (عقد کے اندر) لگائی گئی تھی، ان کے بارے میں یہ احتمال ہے کہ راویوں سے واقعہ کی تعبیر میں سہو ہو گیا ہو کیونکہ احسان کی بنیاد پر سوار ہونے کی اجازت عقد کے فوراً بعد ہی ملی تھی اس لئے بعض رواۃ نے یہ سمجھا ہو کہ یہ شرط عقد کے اندر لگائی گئی تھی۔ آپ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور صحابہ کرام کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتماد کی کیفیت کا ملاحظہ کرنے کے بعد اس بات کا گمان کرنا مشکل ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں خدا نخواستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں صحراء میں تنہا نہ چھوڑ دیں اور اس کی وجہ سے انہوں نے عقد کے اندر ہی مدینہ تک سوار ہونے کی شرط لگا دی۔ اس لئے قابل اطمینان بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ شرط عقد کے اندر نہ تھی بلکہ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سوار ہونے کی اجازت دی گئی۔^(۲) ان کے علاوہ اور جوابات بھی دیئے گئے ہیں، ان کی تفصیل ذکر کرنا یہاں ضروری معلوم نہیں ہوتا۔^(۳)

حدیث بریرہ رضی اللہ عنہا کے جوابات

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ سے متعلق روایت کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں، ذیل میں صرف دو جوابات ذکر کئے جاتے ہیں۔^(۴)

۱۔ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ روایت سے بیع کے اندر شرط

(۱) اعلیٰ السنن (۱۴۳/۱۴)۔

(۲) تکملة فتح الملہم (۶۳۳/۱)۔

(۳) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: تکملة فتح الملہم ج: ۱ ص: ۶۳۱، ۶۳۲۔

(۴) دیگر جوابات کے لئے ملاحظہ فرمائیے: اعلیٰ السنن (۱۴۳/۱۴)، تکملة فتح الملہم

(۲۸۰/۱)، فتح القدیر (۷۷/۶)، فتاویٰ ابن تیمیہ ج: ۲۹ ص: ۳۳۷ الی ۳۴۰۔

لگانے کا جواز معلوم ہوتا ہے اور جن روایات سے ہم نے استدلال کیا ہے (یعنی نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع و شرط) اس سے ممانعت معلوم ہوتی ہے اور یہ ضابطہ ہے کہ:-

إِنْ مَا فِيهِ مِنَ الْإِبَاحَةِ مَنْسُوخٌ بِمَا فِيهِ مِنَ النَّهْيِ.

ترجمہ:- جس حکم کے اندر جواز کا ذکر ہو، وہ اس حکم سے منسوخ ہو سکتا ہے جس میں ممانعت وارد ہو۔

لہذا یہاں ممانعت والی روایت پر عمل کیا جائے گا۔^(۱)

۲..... مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ جس شرط فاسد سے بیع فاسد ہوتی ہے، وہ ایسی شرط ہے جس پر عمل کرنا انسان کے اختیار میں ہو لہذا اگر کسی شرط پر عمل کرنا عقلاً یا شرعاً انسان کے اختیار میں نہ ہو تو اس سے بیع فاسد نہ ہوگی، جیسے کوئی شخص یوں کہے کہ میں نے تجھے یہ کپڑا اس شرط پر فروخت کیا کہ تجھ پر نماز واجب نہ ہوگی یا اس شرط پر کپڑا فروخت کیا کہ تیرے بیٹے تمہارے وارث نہ ہوں گے، چونکہ ان شرائط پر عمل کرنا انسان کے اختیار میں نہیں لہذا یہ شرائط فاسد ہو جائیں گی اور بیع صحیح ہوگی۔

اسی طرح مذکورہ روایت کی مثال ہے کہ چونکہ شرعاً ولّاء (غلام کے ترکہ) کا مستحق صرف معتق (غلام کو آزاد کرنے والا) ہے اور معتق کے علاوہ کسی اور کو ولّاء کا مستحق قرار دینا شرعاً جائز نہیں لہذا یہ ایسی شرط ہے کہ خریدار اسے پورا کرنے پر شرعاً قادر نہیں اس لئے یہ شرط لغو ہوگی اور بیع صحیح ہو جائے گی۔^(۲)

عصر حاضر میں بیع کے اندر شرط لگانے کی بعض صورتیں

عصر حاضر میں بہت سی ایسی صورتیں وجود میں آچکی ہیں کہ جو بظاہر مقتضائے عقد کے خلاف ہیں لیکن ان کا عام رواج ہو گیا ہے جیسے ایک شخص قالین اس شرط پر خریدتا ہے کہ دکاندار اس کے گھر لگا کر بھی دے گا۔ اسی طرح مفت سروس کا یہ رواج دیگر بہت سی اشیاء

اور مشینریوں میں بھی جاری ہے۔ حنفیہ کی بیان کردہ تشریح کے مطابق بیع کے اندر اس قسم کی شرط لگانا جائز ہے۔

کیا حکومت وقت بھی قانونی طور پر ایسی شرط جاری کر سکتی ہے؟
اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی ایسی شرط کا عرف نہ ہو لیکن حکومت قانونی طور پر اسے نافذ کر دے تو کیا اس کی گنجائش ہے؟

فقہ کی روایتی کتب عام طور پر اس سوال کے صریح جواب میں خاموش نظر آتی ہیں البتہ قواعد کی روشنی میں اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، بشرطیکہ کوئی ایسی شرط نہ ہو جو ربا کا ذریعہ بنے۔ اس کے جواز کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں:-

۱- بیع کے اندر شرط لگانے کی ممانعت کی علت یہ ہے کہ یہ شرط باہمی نزاع اور جھگڑے کا باعث بنتی ہے تو جس طرح کسی عمل کا رواج پذیر ہونا باہمی نزاع کے لئے ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے اسی طرح حکومت کا قانون بھی ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

۲- فقہ کا ضابطہ ہے کہ جن فروعی مسائل میں فقہائے کرام کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہو، ان میں حاکم وقت جس فقہی مسلک پر فیصلہ کر دے، دوسرے مسلک کے آدمی کے لئے بھی اس پر عمل کرنا درست ہوتا ہے، اس ضابطے کو فقہی انداز میں یوں کہا جاتا ہے ”حاکم/قاضی کا فیصلہ رافع للخلاف ہوتا ہے“ اور چونکہ مالکیہ اور امام احمد بن حنبل کے مسلک پر ایسی شرائط لگانے کی گنجائش ہے لہذا اگر حکومت وقت کی ایسی شرائط جاری ہونے سے ان کو اختیار کرنا جائز ہوگا۔^(۱)

بیع و شرطین

(بیع کے اندر دو شرطیں لگانا)

احادیث میں جس طرح بیع کے اندر ایک شرط لگانے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، اسی طرح دو شرطیں لگانے کو بھی منع کیا گیا ہے^(۲) لہذا اس پر تقریباً تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ بیع کے اندر دو شرطیں لگانا جائز نہیں۔ چنانچہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

(۱) تکملة فتح الملهم (۱/۲۸۱)، (۲) بیع و سلف کے ذیل میں اس کے متعلق روایت گزر چکی ہے۔

واتفقوا علی عدم صحة ما فيه شرطان. ^(۱)

ترجمہ:- جس معاملے میں دو شرطیں ہوں، اس کے عدم جواز پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

البتہ اس سے مراد وہ دو شرطیں ہیں جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں لہذا اگر صحیح شرائط ہوں تو چاہے وہ دو ہوں یا اس سے زیادہ، ان کی وجہ سے عقد فاسد نہ ہوگا جیسے کوئی شخص یہ شرط لگائے کہ میں یہ سامان اس شرط پر خریدتا ہوں کہ بائع یہ سامان میرے حوالے کرے گا اور میں اس کی قیمت دو ماہ بعد ادا کروں گا اور بائع بھی اس پر راضی ہے تو ان شرطوں کی وجہ سے عقد ناجائز نہ ہوگا کیونکہ بیع (Subject Matter) کو خریدار کے سپرد کرنا اور ادائیگی کے لئے مدت کا متعین کرنا خود مقتضائے عقد میں شامل ہے۔ اور اگر دو میں سے ایک شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے تو اس صورت میں ”بیع و شرط“ کے ذیل میں بیان شدہ تفصیل کے مطابق حکم ہوگا۔

البتہ امام احمد بن حنبل کے بارے میں مروی ہے کہ ان کے نزدیک بیع کے اندر ایک شرط لگانا تو بہر حال جائز ہے، تاہم دو شرطیں لگانا درست نہیں۔ گویا ائمہ ثلاثہ اور امام احمد بن حنبل کے درمیان دو شرطوں کے عدم جواز کے متعلق تو اتفاق ہے البتہ ایک شرط کے متعلق امام احمد کی رائے دوسرے ائمہ سے مختلف ہے کہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایک شرط کی اجازت ہے اور دیگر ائمہ اس کی بھی بعض صورتوں کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ شرط فاسد خواہ ایک ہو یا کئی اس سے عقد فاسد ہو جاتا ہے محض عدد کے کم یا زیادہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ چنانچہ ان کے بارے میں ابن قدامہ فرماتے ہیں:-

ولم يفرق الشافعي وأصحاب الرائيين الشرط والشرطين

لأن الصحيح لا يؤثر في البيع وإن كثر والفساد يؤثر فيه

وإن اتحد. ^(۱)

(۱) نيل الأوطار (۵/۱۵۲)۔ (۲) المبدع شرح المقنع (۳/۵۶)۔

(۳) الشرح الكبير مع المغنی، المقدسی (شمس الدین ابو الفرج عبدالرحمن بن ابی عمر محمد بن أحمد بن قدامة المقدسی) بیروت، دار الكتاب العربی، الطبعة الجديدة ۱۳۹۲ھ - ۱۹۷۲م (۳/۵۳)۔

ترجمہ:- شافعی اور اصحاب الرائے ایک اور دو شرطوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے کیونکہ ان کا کہنا یہ ہے کہ شرط صحیح بیع پر اثر انداز نہیں ہوتی خواہ کئی ہوں اور فاسد اثر انداز ہوتی ہے خواہ ایک ہو۔

جبکہ امام احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ اگر بیع کے اندر ایک شرط ہو تو اس کی وجہ سے عقد میں پایا جانے والا غرر ”غرر یسیر“ ہوتا ہے اور دو شرطوں کی صورت میں غرر فاحش ہو جاتا ہے، اور غرر یسیر تو معاف ہے جبکہ غرر فاحش جائز نہیں، اس لئے عقد کے اندر دو شرطیں تو جائز نہیں البتہ ایک شرط لگانے کی اجازت ہے^(۱) اور جس حدیث سے بیع کے اندر ایک شرط لگانے کی ممانعت وارد ہوئی اسے امام احمد بن حنبل منکر قرار دیتے ہیں۔

لیکن علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے متعلق تفصیلی تحقیق کرنے کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ ”بیع و شرط“ کی ممانعت سے متعلق روایت قابل استدلال ہے، چنانچہ آپ اپنی بحث کے آخر میں لکھتے ہیں:-

واحتجاج أبی حنیفة والشافعی بہ مع العمل دلیل علی صحۃ عندهما وقد ذکرنا فی ”المقدمة“ أنّ احتجاج المجتہد بحديث تصحیح له منه ودرجة أبی حنیفة والشافعی فی الحديث لیس بأقل من درجة أحمد فیہ مع ما لهما من التقدم والسبق، فإنّ أبا حنیفة من التابعین والشافعی من أتباعهم وأحمد بعدهما بكثير أما الفقه والإجتہاد فلا یخفی أنّ أحمد عیال فی ذلک علیہما.^(۲)

ترجمہ:- امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا اس روایت سے استدلال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت ان کے نزدیک قابل استدلال ہے اور ہم ”مقدمہ“ میں یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ کسی مجتہد کا کسی

(۱) بحوالہ بالا۔

(۲) اعلاء السنن (۱۴۸/۱۳)۔

حدیث سے استدلال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ روایت اس مجتہد کے نزدیک قابل استدلال ہے۔ اور حدیث میں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا درجہ امام احمد سے کم نہیں، علاوہ ازیں انہیں مقدم اور پہلے ہونے کا شرف بھی حاصل ہے کیونکہ ابوحنیفہ تابعی ہیں، شافعی تبع تابعی ہیں جبکہ امام احمد ان سے بہت بعد میں آئے ہیں، اور جہاں تک فقہ اور اجتہاد کا تعلق ہے تو یہ بات واضح ہے کہ امام احمد اس میں ان کے عیال کی طرح ہیں۔

فائدہ

یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اعلاء السنن کی مذکورہ عبارت میں یہ کہا گیا ہے کہ: ”احتجاج المجتہد بحديث صحيح له“ حالانکہ یہ حکم علی الاطلاق نہیں کہ جب بھی کوئی مجتہد کسی روایت سے استدلال کرے تو اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ یہ حدیث صحیح ہے بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی حدیث ضعیف ہوتی ہے، لیکن فقہائے کرام ایسی صورت میں اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جیسے حالت نماز میں قہقہے سے نماز اور وضو کے ٹوٹنے کا حکم حدیث ضعیف سے ثابت ہے لیکن قیاس کے مقابلے میں اس کو ترجیح دی گئی تو ایسی صورت میں حدیث کو اختیار کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ یہاں قیاس کے مقابلے حدیث قابل استدلال ہے، اس لئے حدیث کا درجہ قیاس سے زیادہ ہے، خواہ وہ حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو، اسی لئے ترجمے میں ”تصحیح“ کا ترجمہ ”قابل استدلال“ کیا گیا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

ایک سوال اور اس کا جواب

البتہ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حج کے اندر ایک شرط فاسد لگانا ہی جائز نہیں تو پھر دو شرطوں کی ممانعت کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

اس کے بارے میں امام طحاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

البيع في نفسه شرط فإذا شرط فيه شرط آخر فكأنهما
شرطين في بيع فهذا هو الشرطان المنهين عنهما^(۱)

ترجمہ:- بیع خود ایک شرط ہے اور جب اس میں ایک اور شرط لگائی گئی
تو دو شرطیں ہو گئیں، پس یہ وہ دو شرطیں ہیں جن سے منع کیا گیا۔
یعنی اصل میں تو ایک شرط سے ہی منع کیا گیا ہے لیکن جن روایات میں دو شرطوں
کی ممانعت کا ذکر ہے، اس میں دوسری شرط سے ”بیع“ سے زائد شرط مراد ہے۔
ترجیح

مذکورہ دلائل کا جائزہ لینے کے بعد یہی بات رائج معلوم ہوتی ہے کہ شرط فاسد
سے عقد ناجائز ہو جانا چاہئے خواہ وہ ایک شرط ہو یا زائد۔ اور جن روایات کے اندر دو
شرطوں سے منع کیا گیا اس کا جواب وہ بھی ہو سکتا ہے جو علامہ طحاوی رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا
اور یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ دو شرطوں کی قید احترازی نہیں بلکہ اتفاقی ہے یعنی کسی خاص واقعہ
میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ متعاقدین (Contractors) نے دو فاسد شرطیں
لگائی ہوئی ہیں تو آپ نے اس سے منع کر دیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بیع کے اندر ایک
شرط فاسد لگانا جائز ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مروجہ بینکاری میں صفقتان فی صفقة کی رائج ایک صورت ہائر پر چیز (Hire Purchase)

ہائر پر چیز کا مطلب ہے کسی چیز کو خریدنے کے لئے کرایہ پر لینا۔^(۱) یعنی اگر کوئی شخص یا ادارہ کسی مالیاتی ادارے سے کرایہ پر کوئی چیز لے اور کرایہ کی قسطیں اس طرح مقرر کی جائیں کہ کرایہ کے ساتھ ساتھ اس کی قیمت بھی وصول ہوتی رہے تو اس عمل کو ہائر پر چیز کہا جائے گا۔ عربی میں اسے "التأجير الممتھی بالتملیک" اور "البيع الإيجاری" کہا جاتا ہے۔ مروجہ بینکاری میں یہ معاملہ کثرت سے رواج پذیر ہے۔ بہت سے فیکٹری مالکان بینک سے کوئی بڑی مشینری خریدنے کے بجائے اسے ہائر پر چیز کے طریقے سے حاصل کرتے ہیں اس عقد میں اصل مقصود اس چیز کی خریداری ہوتی ہے لیکن عام طور پر درج ذیل دو وجوہ کی بنیاد پر براہ راست خریداری کرنے کے بجائے ہائر پر چیز کی صورت اختیار کی جاتی ہے۔

- ۱- اس مشینری وغیرہ کو خریدنے سے حکومت کے ٹیکسوں میں اضافہ ہو جاتا ہے جبکہ ہائر پر چیز کی صورت میں تمام اقساط کی ادائیگی تک ٹیکس سے چھوٹ رہتی ہے۔
- ۲- ہائر پر چیز پر لی گئی اشیاء عام طور پر بہت قیمتی ہوتی ہیں، جن کی بیع قسطوں پر ہوتی ہے اور ایسی صورت میں بیچنے والے شخص یا ادارے کو اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ مطلوبہ سامان بیچنے کی صورت میں اس کی ملکیت فوراً خریدار کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

(۱) Chitty on contracts ,sweet and max well LTD, London edition 24. 1977. vol, II page 461 (3212)

اب ہو سکتا ہے کہ وہ اس کی اقساط کی ادائیگی بروقت نہ کرے یا بعد میں دینے سے ہی انکار کر دے تو اس صورت میں بیچنے والے ادارے کو کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

لہذا وہ اپنے لئے بہتر طریقہ یہ سمجھتے ہیں کہ فی الحال تو اس مشینری کو اجارہ پر دیا جائے البتہ اس کی اقساط اس طرح مقرر کی جائیں کہ اسے بیچنے کی صورت میں نفع سمیت جو کل قیمت ملتی، اجارہ کی مدت میں اتنی ہی رقم مل جائے۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر ہائر پر چیز میں اجارہ پر دی گئی اشیاء کی اجرت ان کی اجرت مثل (بازاری اجرت) سے کچھ زیادہ ہوتی ہے اور مستاجر بھی یہ زیادہ اجرت دینے پر اس لئے راضی ہو جاتا ہے کہ اجارہ کی مدت کی انتہاء پر یہ چیز خود بخود اس کی ملکیت میں آ جاتی ہے۔

فقہی اعتبار سے بننے والی صورت

اس عقد کی حقیقت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہی اعتبار سے اس کی صورت یوں بنتی ہے کہ جیسے کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ میں تمہیں یہ سامان اس شرط کے ساتھ اجارہ پر دیتا ہوں کہ تم اس کے کرائے کی اقساط ادا کرو گے اور آخری قسط کی ادائیگی کے ساتھ تم اپنی ادا شدہ اقساط کے بدلے اس چیز کے مالک بن جاؤ گے۔ دوسرا اسے قبول کر لے۔

یا

یوں کہا جائے کہ ایک شخص دوسرے سے یوں کہے کہ میں تم سے یہ سامان اس شرط پر کرائے پر لیتا ہوں کہ میں اس کے کرائے کی اقساط ادا کروں گا۔ آخری قسط کی ادائیگی کے ساتھ ہی ادا شدہ اقساط کے بدلے اس چیز کا مالک بن جاؤں گا۔ دوسرا اسے قبول کر لے۔

اس تکلیف سے معلوم ہوا کہ اس معاملے میں ایک عقد (یعنی عقد اجارہ) ایک دوسرے عقد (یعنی عقد بیع) کے ساتھ مشروط ہے۔ فقہی اصطلاح میں اس معاملے کو ”صفقتان فی صفقۃ“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

”صفقتان فی صفقۃ“ کی اس صورت کے اندر بیع اور اجارہ کے عقود جمع ہو

رہے ہیں جو جمہور فقہائے کرام کے نزدیک تو جائز نہیں^(۱) البتہ مالکیہ کے ہاں بیع اور اجارہ کا ساتھ جمع ہونا جائز ہے اس لئے کہ مالکیہ کے ہاں صرف ان عقود کا آپس میں جمع ہونا ناجائز ہے، جن کے درمیان طبعی تضاد پایا جاتا ہو اور ان کی بیان کردہ تشریح کے مطابق بیع اور اجارہ کے درمیان مطلوبہ تضاد موجود نہیں۔^(۲) معاصرین میں سے ڈاکٹر حسن علی شاذلی^(۳) کے نزدیک بھی مذکورہ صورت ناجائز نہیں، چنانچہ آپ لکھتے ہیں:-

أرى أنه لا مانع من اجتماع عقد البيع مع عقد الإجارة سواء
أكان العقدان واردین علی محل واحد كما هو الحال فی
الصور التي معنا أو كانا واردین علی محلین مختلفین.^(۴)

ترجمہ:- میری رائے یہ ہے کہ بیع کے ساتھ اجارہ کو جمع کرنے میں
کوئی مانع نہیں، عام ہے کہ یہ دونوں عقود ایک ہی محل میں ہوں جیسے
مذکورہ (یعنی ہائر پر چیز) کی صورت میں یا الگ الگ عقود میں ہوں۔

البتہ ایسی صورت میں ان کا کہنا ہے کہ دونوں عقود کی جملہ شرائط کا لحاظ رکھنا
ضروری ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:-

وإذا رجحنا صحة اشتراط عقد فی عقد، فإنه من الضروري
لصحة كل من هذين العقدین أن یکون كل عقد منها

(۱) المبسوط للمرخسی (۱۶/۱۳)، فتح القدیر (۸۰/۶)، المغنی (۳۳۴/۱)۔

.....الروض المربع، الهجاوی (شرف الدین أبو النجاء موسی بن أحمد الهجاوی) بیروت، لبنان
دار الکتب العلمیة، الطبعة التاسعة ۱۴۰۸ھ - ۱۹۸۸م (۱۹۲/۲)۔

.....کشاف القناع، البهوتی (منصور بن یونس بن إدريس البهوتی ۱۰۰۰ھ - ۱۰۵۱ھ) مکة
المکرمة، مطبعة الحكومة، الطبعة الأولى ۱۳۹۴ھ (۱۸۱/۳)۔

(۲) الفروق للقرافی (۱۴۲/۳)۔

.....تهذيب الفروق علی هامش الفروق (۷۷۱/۳)۔

(۳) استاد و رئیس قسم الفقه المقارن، جامعة الازهر۔

(۴) التأجیر المنتهی بالتملیک، الشاذلی (الدكتور حسن علی الشاذلی) بحث فی مجلة مجمع
الفقه الاسلامی، العدد الخامس، الجزء الرابع ۱۴۰۹ھ - ۱۹۸۸م ص: ۲۶۳۱، ۲۶۳۲۔

مستوفیاً أركانہ و شروط صحته^(۱)۔

ترجمہ:- جب ہم نے ایک عقد کے اندر دوسرے عقد کی شرط لگانے کے صحیح ہونے کو راجح قرار دے دیا تو یہ بھی ضروری ہے کہ ان میں سے ہر عقد کے ارکان اور تمام شرائط کا لحاظ رکھا جائے۔

لیکن متقدمین اور معاصر علماء میں سے جمہور کی رائے یہ ہے کہ ان دو عقود کو ایک معاملے میں جمع کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ ایسی صورت میں عقد کی صورت حال واضح نہیں ہوتی۔

عقد کی صورت واضح نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے مستأجر تمام قسطیں ادا نہ کر سکے بلکہ کچھ اقساط ادا کرے اور پھر معاملہ نامکمل ہی رہے تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ ہم اس معاملے کو بیع شمار کر کے ادا شدہ قسطوں کے بقدر مستأجر کی ملکیت تسلیم کریں یا ان قسطوں کو کرایہ شمار کر کے یوں کہا جائے کہ جتنے عرصے تک کی اقساط ادا کی گئی ہیں یہ اس مدت کا کرایہ ہے اور اس سامان کا اصل مالک مؤجر (Lessor) ہے۔ گویا یہ واضح نہیں ہو رہا کہ حاصل ہونے والی رقم کرایہ ہے یا قیمت کا حصہ، لہذا عقد کے اندر جہالت پائی گئی اور جہالت پر مبنی عقد شرعاً جائز نہیں اس لئے یہ عقد بھی جائز نہیں۔ یہی قول راجح ہے۔^(۲)

شرعی متبادل

چونکہ یہ معاملہ کثرت سے مروجہ بینکاری میں رائج ہے، اسلئے اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ اس کا کوئی شرعی متبادل تلاش کیا جائے تاکہ اس عقد کے مقاصد کو جائز اور حلال طریقے سے حاصل کیا جاسکے۔

(۱) بحوالہ بالا۔

(۲) متقدمین کے اقوال پیچھے بیان ہو چکے، معاصر علماء کی آراء کے لئے ملاحظہ فرمائیے: مجلة مجمع الفقه الاسلامی، العدد السادس، الجزء الرابع ص: ۲۵۹۵ تا ۲۶۸۷۔

ہیئۃ المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الإسلامية^(۱) (AAOIFI) کی ذیلی تنظیم ”المجلس الشرعی“ نے اس کے متبادل کے طور پر ایک صورت متعارف کرائی ہے جسے عربی میں ”الإجارة المنتهية بالتملیک“ کہا جاتا ہے، اس صورت کے اندر اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ بیک وقت ایک معاملے میں دو عقد نہ ہوں بلکہ پہلے اجارے کا عقد ہو اور الگ سے بیع یا ہبہ کا عقد ہو۔ المتطلبات الشرعية میں ہے:-

وإن الإجارة المنتهية بالتملیک المشروعة تتميز عن البيع الإيجاری المعمول بها فی المؤسسات المالية التقليدية بان الإجارة التملیكية التقليدية تطبق أحكام البيع والإجارة كليهما علی العين المؤجرة فی آن واحد ثم تنتقل مکیتها إلى المستأجر بمجرد دفع آخر قسط من أقساط الأجرة دون أن يكون هناك عقد مستقل للتملیک أما الإجارة المنتهية بالتملیک المشروعة، فإنها تطبق فیها أحكام الإجارة علی العين المؤجرة إلى نهاية مدة الإجارة، ثم يحصل التملیک إلى المستأجر علی النحو المستبين فی المتطلبات^(۲).

ترجمہ:- موجود بینکاری میں رائج مشروع اجارة منتهية بالتملیک اور بیع الایجاری (Hire Purchase) کے درمیان فرق یہ ہے کہ ہائر پر چیز میں اجارہ ہر دی گئی چیز پر ایک ہی وقت میں بیع اور اجارہ دونوں کے احکام جاری ہوتے ہیں اور پھر محض آخری قسط ادا کرتے ہی وہ چیز مستأجر کی ملکیت میں چلی جاتی ہے، ملکیت منتقل کے لئے

(۱) دُنیا بھر میں کام کرنے والے اسلامی بینکوں اور مالیاتی اداروں کے لئے شرعی رہنمائی اور حسابات (Accounting) کے لئے قائم تنظیم جس کا صدر دفتر ”بحرین“ ہے۔ ”AAOIFI“ مخفف ہے: ”Accounting & Auditing Organization for Islamic Financial Institutions“ کا۔

(۲) المتطلبات، الهيئة (هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الإسلامية) البحرين.

الگ سے کوئی عقد نہیں کرنا پڑتا جبکہ مشروع اجارۃ منتہیۃ بالتملیک میں مدت اجارہ کے اختتام تک اجارہ پر لی گئی چیز پر اجارہ کے احکام جاری ہوتے ہیں اور پُر آئندہ آنے والے طریقوں میں کسی طریقے سے الگ مستقل عقد کے ذریعے وہ چیز مستاجر کی طرف ملکیت منتقل ہوتی ہے۔

اجارہ کی مدت مکمل ہونے کے بعد ایک نئے عقد کے ذریعے تین طریقے سے ملکیت منتقل کی جاسکتی ہے:-

۱- بیع کا وعدہ کرنے سے۔

۲- ہبہ کا وعدہ کرنے سے۔

۳- ہبہ کو اقساط کی ادائیگی کے ساتھ مشروط ٹھہرانے سے۔^(۱)

بیان کئے گئے شرعی متبادل کی مختصر تشریح

ذیل میں ہم ان صورتوں کی مختصر تشریح ذکر کرتے ہیں:-

پہلی صورت: بیع کا وعدہ

پہلی صورت یہ ہے کہ اجارہ کے عقد کے علاوہ مستقل طور پر ایک دوسرا عقد کیا جائے جس میں مستاجر سے یہ وعدہ کیا جائے کہ درج ذیل چار صورتوں میں کسی صورت کے تحت یہ چیز مستاجر کو فروخت کر دی جائے گی۔

۱- ثمن رمزی (Token Money) کے بدلے یہ سامان فروخت کیا جائے گا۔

ثمن رمزی (Token Money) کا مطلب ہے کہ اس چیز کی کوئی معمولی قیمت

لگا کر اسے فروخت کر دیا جائے۔ چونکہ بعض اوقات اس اجارہ کے اندر طے شدہ اجرت اس

(۱) یحب فی الإجارة المنتہیۃ بالتملیک، تحدید طريقة تملیک العین للمستاجر بوثيقة مستقلة عن عقد الإجارة. ویكون بإحدى الطرق التالية:

الف - وعد بالبیع بثمان رمزی أو بثمان حقیقی أو تعجیل أقساط المدة الباقية أو بسعر السوق.

ب - وعد بالہبة

ج - عقد هبة معلق علی شرط سداد الأقساط.

چیز کی بازاری اجرت سے زیادہ ہوتی ہے اور مستاجر یہ زیادہ اجرت ادا کرنے کے لئے اس لئے تیار ہوتا ہے کہ اجارہ کی مدت مکمل ہونے پر ملکیت کے حصول کا مقصد سامنے ہوتا ہے^(۱) اس لئے مدت مکمل ہونے پر اس چیز کی پوری قیمت وصول کرنے کے بجائے اسے معمولی قیمت کے بدلے فروخت کر دیا جاتا ہے۔

۲- دوسری شکل یہ ہے کہ اس چیز کی حقیقی قیمت کے بدلے اس کو فروخت کر دیا جائے۔

۳- تیسری شکل یہ ہے کہ اس کی بازاری قیمت کے بدلے فروخت کر دیا جائے۔

۴- چوتھی شکل یہ ہے کہ الگ سے کئے گئے معاہدے میں اس شرط کا اضافہ کر دیا

جائے کہ اگر مستاجر نے اقساط طے شدہ مدت سے پہلے ادا کر دیں تو یہ سامان اسے ٹمن رمزی (Token Money) یا اس کی حقیقی قیمت کے بدلے فروخت کر دیا جائے گا۔

دوسری صورت: ہبہ کا وعدہ

دوسری صورت یہ ہے کہ کلائنٹ سے یہ وعدہ کیا جائے کہ اجارہ کی مدت مکمل ہونے پر مستاجر کو یہ چیز ہبہ کے طور پر دی جائے گی۔

تیسری صورت: معلق ہبہ

تیسری صورت یہ ہے کہ مستاجر کے لئے اس ہبہ کو اس شرط کے ساتھ معلق کر دیا جائے کہ اگر اس نے اجارہ کی تمام اقساط ادا کریں تو اسے یہ سامان بطور ہبہ دیا جائے گا ورنہ نہیں۔^(۲)

(۱) المتطلبات الشرعية ص ۴۴، المستاجر رضى بزيادة الأجرة عن أجرة المثل فى مقابلة الوعد له بالتملك فى نهاية مدة الإجارة.

(۲) ہبہ کو اس جیسی شرط کے ساتھ معلق کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں فقہائے کرام کی دو آراء ہیں۔ حنابلہ، شافعیہ اور بعض فقہائے حنفیہ کے نزدیک ایسی تعلیق درست نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہبہ ان عقود میں سے ہے جن کے اندر اشیاء کی ملکیت منتقل ہوتی ہے اور عقود تملیک کے اندر ملکیت کا انتقال فوری ہوتا ہے اسے مستقبل کی مدت کی طرف مضاف نہیں کیا جاسکتا۔ جبکہ مالکیہ اور بعض حنفیہ نے اس کی اجازت دی ہے، ہبہ کے اندر ایسی شرط کا لگانا ملائم عقد یا متعارف ہے لہذا اس کی گنجائش ہونی چاہئے۔ غالباً مذکورہ صورت میں اسی رائے کو اختیار کیا گیا ہے۔

البتہ ان صورتوں پر عمل کرنے کے لئے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے ان صورتوں کا عقد، اجارہ کے عقد سے بالکل الگ اور منفصل ہو اور اس میں اس بات کا ہرگز تذکرہ نہ ہو کہ یہ عقد اجارہ کے عقد لازمی حصہ ہے۔ چنانچہ المتطلبات میں ہے:-

فی حالات إصدار وعد بالهبة أو وعد بالبيع أو عقد هبة
معلق بمستندات مستقلة، لا يجوز أن يذكر أنها جزء لا
يتجزأ من عقد الإجارة المنتهية بالتملیک^(۱).

ترجمہ:- اگر ہبہ یا بیع کا وعدہ یا ہبہ کی تعلیق کی جائے تو یہ الگ
دستاویزات کے ذریعہ ہوگی اور ان میں اس کا تذکرہ کرنا جائز نہیں کہ
یہ عقد اجارہ منتہیہ بالتملیک کا لازمی جزو ہے۔

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اگر ایک ہی معاملے کے ساتھ دونوں عقود کا ذکر دیا یا ایک
عقد کو دوسرے کے ساتھ مشروط کر دیا تو پھر ”صفقتان فی صفقة“ کی خرابی دوبارہ لوٹ
آئے گی۔ اس سے بچنے کے لئے درج بالا قید کا اضافہ ضروری ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

البتہ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بینک یا ادارہ ہائر پر چیز (Hire Purchase) کے معاملے میں ایک الگ عقد کے ذریعے اس چیز کو بیچنے یا ہبہ کرنے کا وعدہ کرے لیکن بعد میں اس کو پورا نہ کرے تو اس کی شرعاً کیا حیثیت ہوگی؟

اس کا جواب دینے سے قبل وعدہ کی شرعی حیثیت کو قدرے وضاحت سے بیان کرنا ضروری ہے۔

وعدہ پورا کرنے کی شرعی حیثیت

وعدہ کرنے کے بعد اسے پورا کرنا شرعاً لازم ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں کل پانچ مذاہب ہیں:-

(۱) المعاییر الشرعیة، المعیار رقم ۹، ص: ۱۵۲.

۱- جمہور فقہانے کرام کی، جن میں امام ابوحنیفہ، امام شافعی، احمد بن حنبل اور بعض مالکیہ شامل ہیں، رائے یہ ہے کہ وعدہ پورا کرنا اگرچہ شرعاً پسندیدہ اور مکارم اخلاق میں سے ہے لیکن لازم اور واجب نہیں۔^(۱)

۲- دوسرا مذہب یہ ہے کہ وعدہ پورا کرنا دینا اور قضاء ہر اعتبار سے ضروری ہے۔ یہ مذہب حضرت سمرۃ بن جناب رضی اللہ عنہ، عمر بن عبدالعزیز، حسن بصری، قاضی سعید بن اشوع، اسحاق بن راہویہ اور امام بخاری رحمہم اللہ کا ہے۔^(۲)

۳- تیسرا مذہب یہ ہے کہ وعدہ پورا کرنا دینا تو لازم ہے البتہ قضاء لازم ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر واعد (وعدہ کرنے والے) نے موعودہ کو کسی کام پر مامور کیا اور اس کے بدلے کچھ دینے کا وعدہ کیا اور موعودہ نے اس وعدے کی بنیاد پر وہ کام شروع کیا تو اب قضاء اسے پورا کیا جائے گا، یعنی قاضی (عدالت) وعدہ کرنے والے کو مجبور کرے گا کہ وہ وعدہ پورا کرے جیسے کوئی شخص دوسرے سے کہے ”تم اپنا گھر گراؤ اور میں تمہیں اتنی رقم قرضہ دوں گا“ دوسرے شخص نے اس پر اعتماد کرتے ہوئے اپنا گھر گرا دیا تو وعدہ کرنے والے کو کہا جائے گا کہ تم مطلوبہ رقم بطور قرض دو۔ یہ ابن القاسم اور حنن کا مذہب اور امام مالک کا مشہور قول ہے۔^(۳)

۴- چوتھا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی واعد نے دوسرے کو کام پر مامور کیا اور اس کے بدلے کچھ دینے کا وعدہ کیا تو اس کے ذمہ اس وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے خواہ موعودہ

(۱) فتح العلی المالک (۲۵۴/۱)، الاذکار للنووی ص: ۲۸۲۔

(۲) الصحیح للبخاری، کتاب الشهادات، باب من أمر بإنجاز الوعد وفعله الحسن وذكر إسماعیل أنه کان صادق الوعد وقضى ابن أشوع بالوعد وذكر ذلك عن سمرۃ بن جندب وقال مسور بن مخرمة سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وذكر صهرا وقال وعدنی فوفانی، قال أبو عبد اللہ: ورأیت إسحاق بن إبراهيم یحتج بحديث ابن أشوع۔

(۳) الفروق، القرافي (شہاب الدین أبو العباس الصنهاجی المشہور بالقرافي) بیروت لبنان، دار المعرفة (۲۵/۲) الذی یلزم من الوعد قوله إهدم دارک وأنا أسلفک ما تبني به أو أخرج إلى الحج وأنا أسلفک أو أشر سبعة أو تزوج امرأة وأنا أسلفک إن أدخله فی سبب یلزم بوعده لزم كما قال مالک وابن القاسم وسحنون۔

نے اس کام کو شروع کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ مثلاً ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ تم نکاح کرو، میں تمہیں اس کے لئے قرضہ دوں گا۔ تو اب اس کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اسے قرضہ دے، خواہ وہ نکاح کرے یا نہ کرے، یہ مذہب مالکیہ میں سے علامہ اصبح کا ہے، علامہ قرافی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

قال أصبغ يقضى عليك به تزوج الموعود أم لا قاله
لتأكد العزم على الدفع حينئذ.^(۱)

ترجمہ:- اصبح کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں قضاء تمہارے خلاف وعدہ پورا کرنے کا حکم لگایا جائے گا خواہ موعود نہ نکاح کرے یا نہ کرے، اور انہوں نے یہ قول اس لئے اختیار کیا ہے تاکہ ایسی صورتوں میں رقم دینے میں تاکید پیدا ہو سکے۔

۵- پانچواں مذہب یہ ہے کہ عام حالات میں تو وعدہ کو پورا کرنا قضاء لازم نہیں البتہ اگر کہیں اس کے پورا کروانے کی حاجت ہو تو اس وقت اسے قضاء بھی لازم قرار دیا جاسکتا ہے، یہ مسلک متاخرین فقہائے حنفیہ نے اختیار کیا ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

المواعيد قد تكون لازمة فتجعل لازمة لحاجة الناس.^(۲)

(۱) الفروق بحوالہ بالا۔

..... أيضا في فتح العلى المالک، عیش (أبو عبد الله الشيخ محمد أحمد عیش المتوفى ۱۲۹۹ھ) بیروت، لبنان، دار المعرفة (۲۵۳/۱)۔

(۱) رد المحتار (۱۳۵/۳)۔

..... أنظر أيضا شرح المجلة، الأتاسی (محمد خالد الأتاسی) کوئٹہ، المكتبة الإسلامية، الطبعة الأولى ۱۴۰۳ھ (۳۱۵/۲)۔

..... شرح الأشباه والنظائر، ابن نجيم (زين الدين إبراهيم الشهير بابن نجيم) كراتشي، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ، الفن الثاني، كتاب الحظر والإباحة (۱۱۰/۲)۔

ترجمہ:- کبھی کبھی وعدے لازم ہوتے ہیں، پس لوگوں کی حاجت کے پیش نظر انہیں لازم قرار دیا جاسکتا ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر حاضر میں واقعہ ایسے بہت سے معاملات پیش آتے ہیں، جہاں وعدہ کو لازم قرار دینے کی ضرورت پیش آتی ہے، مثلاً کوئی شخص کسی تاجر یا ادارے سے وعدہ کرے کہ وہ فلاں صفات اور سائز کے دس ہزار خیمے تیار کر کے اسے دے۔ تاجر انہیں باہر ملک برآمد کرنا چاہتا ہے، وہ تاجر یا ادارہ جب اپنی طرف سے خطیر رقم خرچ کر کے مطلوبہ سامان تیار کرے تو برآمد کنندہ (Exporter) اس کے لینے سے انکار کر دے۔ تو ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ بائع (Seller) کو بھاری نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس تاجر یا ادارے کو کوئی اچھا گاہک مل جائے تو یہ سارا سامان زیادہ قیمت پر خریدنے کے لئے آمادہ ہو جائے، پس اگر یہ سامان دوسرے کے ہاتھ بک گیا تو اس صورت اس برآمد کنندہ کے لئے کافی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں کیونکہ اس کی وجہ سے وہ مطلوبہ سامان اپنے گاہک تک مقررہ وقت پر نہیں پہنچا سکے، جس سے نہ صرف اس کی کاروباری ساکھ خراب ہوگی بلکہ اسے لاکھوں روپے کے نفع سے بھی محرومی ہوگی، بلکہ نقصان کا بھی خطرہ ہے۔ لہذا ان حالات میں اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ قضاء وعدہ پورا کرنے کو لازم قرار دیا جائے۔

مجمع الفقہ الاسلامی نے اپنی قرارداد میں ان حالات میں وعدہ پورا کرنے کو لازم

قرار دیا ہے۔

طے شدہ قرارداد یہ ہے:-

الوعد (هو الذی یصدر من الامر أو المأمور علی وجه
الانفراد) یکون ملزماً للواعد دیانۃً إلا لعذر وهو ملزم قضاء
إذا کان معلقاً علی سبب ودخل الوعود فی کلفة نتیجة
الوعد. ویحدد أثر الإلزام إما بتنفيذ الوعد وإما بالتعویض

عن الضرر الواقع فعلاً بسبب عدم الوفاء بالوعد بلا عذر^(۱)
ترجمہ:- وعدہ (جو حکم کرنے والے یا حکم دیئے جانے والے شخص کی طرف سے انفرادی طور پر ہوتا ہے) وعدہ کرنے والے پر اس کا پورا کرنا دینا ضروری ہے الا یہ کہ کوئی عذر شرعی پیش آجائے۔ اور قضاء اس وقت لازم ہوگا جب وہ کسی کے ساتھ معلق ہو (اور اس کی وجہ سے موعود نے وہ کام شروع کر دیا ہو) اور اس وعدے کی وجہ سے اسے پریشانی کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ اور اس وعدے کے لزوم کا اثر یہ ظاہر ہوگا کہ یا تو واعد کے لئے لازم قرار دیا جائے گا کہ وہ وعدے کو پورا کرے یا اس وعدے کی وجہ سے موعود نے کو جو نقصان ہو، اس کی تلافی کی جائے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مذکورہ صورت میں بھی وعدے کے پورا کرنے کو لازمی قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ اجارہ کی مدت مکمل ہونے کے بعد اگر بینک وہ چیز مستاجر کو بیچنے یا ہبہ کرنے سے انکار کر دے تو مستاجر کو کافی نقصان کا سامان کرنا پڑے گا۔

البتہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس متبادل کا نتیجہ بھی وہی نکلتا ہے جو ہائر پر چیز کا ہے، تو پھر ایک صورت جائز اور دوسری ناجائز کیوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ محض دو چیزوں کا نتیجہ ایک جیسا ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں کا شرعی حکم بھی ایک ہو، اس لئے کہ شریعت کسی معاملے پر جائز یا ناجائز ہونے کا حکم اس کے نتیجے کو دیکھ کر نہیں لگاتی بلکہ اس کی حقیقت پر لگاتی ہے۔ چنانچہ اللہ کا نام پڑھ کر جانور ذبح کرنا جائز اور جانور کا گوشت حلال ہے، جبکہ جان بوجھ کر اللہ کا نام لئے بغیر جانور

(۱) مجلة مجمع الفقه الإسلامی، المؤتمر (المؤتمر لمجمع الفقه الإسلامی) العدد الخامس، الجزء الثاني ۱۴۰۹ھ- ۱۹۸۸م ص: ۱۰۹۹.

..... أنظر أيضاً المعايير الشرعية، الهيئة (هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الإسلامية) البحرين، ۱۴۲۱ھ- ۲۰۰۰م ص: ۱۴۴.

ذبح کرنا ناجائز ہے اور ایسے جانور کا گوشت حرام ہے، حالانکہ دونوں قسم کے گوشت سے سالن اور قورمہ وغیرہ ایک جیسا بنتا ہے۔ اور جس مسلمان کو بھی پوری صورت حال کا علم ہوگا، وہ دوسری قسم کا گوشت کھانے کے لئے کبھی آمادہ نہ ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک عام مسلمان بھی یہ جانتا ہے کہ حلت و حرمت کا مدار نتیجے پر نہیں بلکہ حقیقت پر ہے، اور گزشتہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ہائر پر چیز اور اسلامی اجارہ کی حقیقتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ چنانچہ ان دونوں کا شرعی حکم بھی مختلف ہے، یعنی ہائر پر چیز کا معاملہ شرعاً ناجائز اور اسلامی بینکوں کا اجارہ جائز ہے، بشرطیکہ اس کی متعلقہ تمام شرائط کی پابندی کی جائے۔

یہاں یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ مروجہ ہائر پر چیز کے ناجائز ہونے کی وجہ صرف یہی نہیں کہ اس میں بیع اور اجارہ کے دو عقد جمع ہو جاتے ہیں، بلکہ اس کے علاوہ اس کے اندر درج ذیل دو اور خرابیاں بھی پائی جاتی ہیں۔

۱۔ کنوینشنل لیز میں لیز پر دیئے گئے سامان کی تمام ذمہ داریاں (Liabilities) مستاجر (Lessee) کے ذمہ ہوتی ہیں، حالانکہ شرعاً صرف استعمال سے متعلق ذمہ داریاں مستاجر پر ڈالی جاسکتی ہیں، جیسے گاڑی کی سروس کرانا یا چھوٹی موٹی مرمت کرانا وغیرہ۔ جبکہ وہ ذمہ داریاں (Liabilities) جن کا تعلق اس چیز کے مالک ہونے سے ہے، انہیں برداشت کرنا مؤجر (Lessor) کی ذمہ داری ہے۔

۲۔ اجارہ پر دی گئی چیز مستاجر کے حوالے کرنے سے پہلے ہی اس کا کرایہ لینا شروع کر دیا جاتا ہے۔

اس کے برعکس اسلامی بینکوں کے لئے جو اجارہ ڈیزائن کیا گیا ہے، اس میں درج بالا خرابیوں کا ازالہ اس طرح کیا گیا ہے:-

۱۔ اجارہ پر دی گئی چیز (Leased Asset) کے استعمال سے متعلق ذمہ داریاں مستاجر (Lessee) برداشت کرتا ہے، جبکہ اس کی ملکیت سے متعلق ذمہ داریاں بینک برداشت کرتا ہے، مثلاً اگر وہ ہلاک ہو جائے یا اس کا حادثہ ہو جائے تو وہ بینک کا نقصان

سمجھا جاتا ہے۔

۲۔ اسلامی بینک جب تک کرایہ کا معاملہ کر کے مطلوبہ چیز کلائنٹ کے حوالے نہیں کرتا، اس وقت تک کرایہ وصول نہیں کرتا۔

اس دوسری بات کو ذرا تفصیل سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جب کوئی کلائنٹ اسلامی بینک کے پاس کوئی سامان مثلاً کار اجارہ پر حاصل کرنے کے لئے آتا ہے تو پہلے ہی دن اجارہ کا عقد نہیں ہوتا بلکہ بینک پہلے کار کی بکنگ کراتا ہے، پھر چند ماہ بعد (عام طور پر چار سے چھ ماہ بعد) جب گاڑی تیار ہو کر آتی ہے تو بینک اُسے کلائنٹ کے حوالے کرتا ہے اور اُسی وقت اجارہ کا معاملہ ہوتا ہے۔

اجارہ پر دی گئی چیز (Leased Assets) کے کرائے کی اقساط کی وصولی کی ابتداء اس وقت سے ہوتی ہے جب وہ چیز عملاً کلائنٹ کے قبضے میں آ جاتی ہے، لیکن چونکہ اجارہ پر دی گئی چیز کی حوالگی (Delivery) میں کچھ دیر لگ جاتی ہے تو بعض کلائنٹس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان سے شروع سے ہی ماہانہ اجرت کے حساب سے کچھ رقم لینا شروع کر دی جائے تاکہ انہیں مطلوبہ رقم کی ادائیگی میں سہولت رہے۔

ایسی صورت میں اسلامی بینک بکنگ کراتے ہی کلائنٹس سے علی الحساب رقم لے سکتا ہے لیکن اس سلسلے میں یہ بات ذہن میں رہنا ضروری ہے کہ چونکہ یہ رقم اجارہ پر دی گئی چیز کا کرایہ (Rental) نہیں لہذا یہ بینک کی آمدنی (Income) کا حصہ نہیں بن سکتی، لہذا اگر بینک مطلوبہ چیز کلائنٹ کے حوالے کرنے سے عاجز آ جائے تو وہ رقم کلائنٹ کو واپس کرنا ضروری ہوتا ہے اور جب بینک چند ماہ بعد گاڑی کلائنٹ کے حوالے کر دیتا ہے تو جس وقت گاڑی ملتی ہے، اس وقت کلائنٹ کی طرف سے دی گئی گزشتہ رقم کو بھی کرایہ میں شامل کر لیا جاتا ہے۔

بيع العربون (بیعانہ)

لغوی تعریف

لفظ ”عربون“ کو چھ طریقوں سے پڑھایا گیا ہے:-

(۱) عربان، عربون، أربان، أربان، عربون، أربون.

عربون کے لغوی معنی ہیں بیعانہ دینا۔ لسان العرب میں ہے:-

العربان الذي تسميه العامة الأربون، تقول منه عربنته إذا أعطيته ذلك. (۲)

القاموس المحيط میں ہے:

الأربان والأربون لضمها العربون وأربنته أي أعطيه ربونا. (۳)

علامہ باجی مالکی نے ابن حبیب کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ عربون کسی چیز کے ابتدائی حصے کو بھی کہتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

(۴) قال ابن حبیب: العربان أول الشئ وعنفوانه.

(۵) ان کے علاوہ علامہ زرقانی نے ذخیرہ کے حوالے سے بھی یہ معنی ذکر کئے ہیں۔ اس معنی کی بیع کے عربون کے ساتھ مناسبت واضح ہے کیونکہ عربون بھی عقد کے شروع میں دیا جاتا ہے۔

(۱) المرقاة مع مشکوٰۃ، القاری (علامة علی بن سلطان القاری) کوئٹہ، المكتبة الحبية (۸۶/۶).

(۲) لسان العرب، ابن منظور (العلامة ابن منظور ۶۳۰ھ-۷۱۱ھ) بیروت، دار احیاء التراث العربی، الطبعة الأولى ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۸م (۱۱۹/۹).

(۳) القاموس المحيط، الفيروز آبادی (مجدالدین محمد بن یعقوب الفيروز آبادی ۷۲۹-۸۱۷ھ) بیروت دار احیاء التراث العربی، الطبعة الأولى ۱۴۱۲ھ-۱۹۹۱م (۳۲۲/۳).

(۴) المنتقى للباجی (۲۳۳/۳).

(۵) شرح الزرقانی، الزرقانی (سید محمد الزرقانی) مصر، عبد الحمید احمد حنفی (۲۵۰/۳).

اس کے علاوہ ”رمی العربون“ قضاء حاجت کرنے کے معنی میں آتا ہے، جب کوئی شخص قضاء حاجت کرتا ہے تو اس وقت یہ محاورہ بولا جاتا ہے ”رمی فلان بالعربون“^(۱) وجہ تسمیہ

عربون کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے علامہ ابن منظور فرماتے ہیں:-
 قيل سمي بذلك: لأن فيه إعرابًا لعقد البيع أي إصلاحًا وإزالة فساد لنلا يملكه غيره باشتراءه.^(۲)

ترجمہ:- کہا گیا ہے کہ اسے عربون اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں عقد بیع کا اعراب (یعنی اس کی درستگی) اور اس سے فساد کا زائل ہونا پایا جاتا ہے کہ کوئی اور اس چیز کو خرید کر اس کا مالک نہ بن جائے۔

اصطلاحی تعریف

اصطلاح میں عربون کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ خریدار کا بائع کو کچھ رقم ابتداءً اس شرط پر دینا کہ اگر وہ بائع سے مطلوبہ چیز خریدے تو یہ رقم قیمت کا حصہ بن جائے گی لیکن اگر بعد میں خریدار مطلوبہ چیز نہ لے تو وہ رقم بائع کی ہوگی۔ ملا علی القاریؒ نہایت کے حوالے سے لکھتے ہیں:-

هو أن يشتري السلعة ويدفع إلى صاحبها شيئاً على أنه إن مضى البيع حسب وإن لم يمض البيع كان لصاحب السلعة ولم يرجعه المشتري.^(۳)

ترجمہ:- بیع العربون یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے سامان خریدے اور اس کو کچھ رقم اس شرط پر دے کہ اگر بیع ہوگئی تو وہ رقم قیمت میں شمار ہوگی اور اگر بیع نہ ہو سکی تو یہ رقم بائع کی ہوگی اور خریدار واپس نہیں لے سکے گا۔

(۱) لسان العرب (۱۸/۹)۔

(۲) بحوالہ بالا۔

(۳) المرفقة مع المشكوة (۸۶/۶)۔

البتہ بیعانہ کے طور پر دی گئی پیشگی رقم کا تعلق صرف بیع کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عقد اجارہ میں دی گئی پیشگی رقم پر بھی عربون کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ سعید البنانی فرماتے ہیں:-

هو أن يشتري الرجل شيئاً أو يستأجره ويعطى بعض الثمن أو الأجرة ثم يقول: إن تم العقد أحسبناه وإلا فهو لك ولا آخذ منك.^(۱)

ترجمہ:- عربون یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے کوئی چیز خریدے یا کرائے پر لے اور اسے قیمت یا اجرت کا کچھ حصہ دے دے پھر اسے کہے کہ اگر یہ عقد مکمل ہو گیا تو ہم اسے قیمت میں شمار کریں گے ورنہ یہ رقم تمہاری ہوگی اور میں تم سے واپس نہیں لوں گا۔
امام مالک فرماتے ہیں:-

وذلك فيما نرى والله أعلم أن يشتري الرجل العبد أو الوليد أو يتكاري الدابة ثم يقول للذي اشترى منه أو تكاري منه: أعطيتك ديناراً أو درهماً أو أقل من ذلك أو أكثر على أني إن أخذت السلعة أو ركبت ما تكاريت منك فالذي أعطيتك هو من ثمن السلعة أو من كراء الدابة فما أعطيتك لك بغير شيء.^(۲)

ترجمہ:- ہمارے خیال میں عربون یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے کوئی غلام یا باندی خریدے یا کوئی جانور کرائے پر لے اور پھر اس شخص کہے کہ میں تجھے ایک دینار یا ایک درہم یا اس سے کم و بیش (متعین رقم) اس شرط پر دیتا ہوں کہ اگر میں نے سامان خرید لیا یا جس سواری کو

(۱) الأقرب الموارد فی فصیح العربیۃ الشوارد، اللبانی (سعید الحوزی الشرتونی اللبانی)

ایران، دار الأسوة للطباعة والنشر، الطبعة الأولى ۱۳۷۳ھ (۵۰۵/۳)۔

(۲) کتاب المؤطا للإمام مالک بن انس ص: ۵۶۸۔

کرائے پر لینا ہے اُسے لے کر سواری کر لی تو یہ رقم سامان کی قیمت یا جانور کے کرائے میں شمار ہوگی، اور اگر میں نے سامان نہ خریدا یا جانور پر سواری نہ کی تو یہ رقم کسی چیز کا معاوضہ بنے بغیر آپ کی ہوگی۔

لیکن جب بیع العربون یا العربون فی البیع کہا جاتا ہے تو اس وقت صرف وہی تعریف مراد ہوتی ہے جو ملا علی قاریؒ نے نہایت کے حوالے سے ذکر فرمائی اور اسی کو ابن قدامہؒ نے یوں ذکر فرمایا:-

والعربون فی البیع، هو أن يشتري السلعة فيدفع إلى البائع درهماً أو غيره على أنه إن أخذ السلعة، احتسب من الثمن، وإن لم يأخذها فذلك للبائع.^(۱)

ترجمہ:- بیع العربون یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے سامان خریدے اور اس کو ایک درہم یا کچھ رقم اس شرط پر دے کہ اگر اس نے سامان لے لیا تو وہ رقم قیمت میں شمار ہوگی اور اگر بیع نہ ہو سکی تو یہ رقم بائع کی ہوگی۔

بیع العربون میں صرف خریدار کے لئے خیار ہوتا ہے

بیع العربون کی حقیقت اور مذکورہ تعریفات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس میں خریدار کو سامان لینے یا نہ لینے کا اختیار ہوتا ہے۔ اگر وہ سامان لے لے تو اس کی طرف سے دیا ہوا بیعانہ قیمت کا حصہ بن جاتا ہے ورنہ کسی عوض کے بغیر بائع کے پاس چلا جاتا ہے لیکن بائع کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہوتا، اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر حال میں بیع خریدار کے حوالے کرے، وہ کسی حال میں بیع حوالے کرنے سے انکار نہیں کر سکتا۔ گویا اس کے اعتبار سے عقد لازم ہوتا ہے۔^(۲)

(۱) المغنی لابن قدامة (۶/۳۳۱)۔

(۲) الغرر وأثره فی العقود ص ۱۲۳۔

بیع العربون سے متعلق روایات

بیع العربون سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو روایات مروی ہیں، جن میں ایک روایت کے اندر بیع العربون کی ممانعت کا ذکر ہے جبکہ دوسری میں روایت میں جواز کا۔

پہلی روایت

مالک عن الثقة عنده، عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن

جدّه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع العربان^(۱).

ترجمہ:- امام مالک ایسے شخص سے روایت کرتے ہیں جو ان کے

نزدیک ثقہ ہے اور وہ عمرو بن شعیب عن أبيه عن جدّه کے واسطے سے

نقل کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع العربون سے منع فرمایا۔

اس روایت کو بعض محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے^(۲)۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے

کہ امام مالک جس راوی سے یہ حدیث لے رہے ہیں، وہ نامعلوم ہے۔ لیکن علامہ ابن

عبدالبر اور ابن عدی کا کہنا ہے کہ یہ نامعلوم راوی ”ابن لہیعة“ ہے، چنانچہ انہوں نے ایک

طریق ایسا ذکر کیا ہے جس میں ”ابن لہیعة“ کا واسطہ موجود ہے۔^(۳)

(۱) المؤطأ للإمام مالک بن أنس ص: ۵۶۸، سنن ابن ماجه (۱۵۸/۲)، مسند أحمد بن حنبل

(۲) سنن البیهقی الکبریٰ، باب النهی عن بیع العربان (۳۳۲/۵)، سنن أبی داؤد

(۱۳۸/۶)، البتہ سنن أبی داؤد میں سند اس طرح ہے: مالک ابن أنس أنه بلغه عن عمرو بن شعيب

عن أبيه عن جدّه.

(۳) المغنی لابن قدامة (۳۳۱/۶).

المجموع شرح المہذب (۳۳۳/۹).

(۳) الاستذکار، ابن عبدالبر (الحافظ أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبدالبر النمری

الاندلسی ۳۶۸ھ - ۴۶۳ھ) القاهرة، دار الوعی، الطبعة الأولى محرم ۱۴۱۳ھ (۹/۱۹).

پھر ابن لہیعہ کی اسنادی حیثیت پر بھی کلام ہوا ہے۔ ابن وہب نے انہیں مطلقاً ثقہ قرار دیا ہے جبکہ جمہور محدثین جن میں یحییٰ بن سعید القطان، یحییٰ بن معین، ابوزرعة، امام نسائی شامل ہیں، کی رائے یہ ہے کہ یہ ضعیف راوی ہے۔ ان کے ضعیف ہونے کے سبب میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ ان کی کتابیں جل گئی تھیں اور پھر انہوں نے اپنے حافظے سے احادیث نقل کیں جس میں ان سے غلطی ہو گئی، اور بعض نے کہا کہ یہ مدلس راوی ہیں وغیرہ۔ اس سے یہ اختلاف بھی پیدا ہوا ہے کہ یہ راوی مطلقاً ضعیف ہیں یا کچھ عرصے تک ثقہ تھے اور بعد میں ضعیف ہوئے۔^(۱)

دوسری بات یہ ہے کہ اس سند میں ”عمرو بن شعیب عن أبیه عن جدّه“ کا واسطہ ہے اور اس سند کے صحیح یا حسن ہونے میں کلام ہے۔ اس کے بارے میں علامہ سیوطی کا کہنا ہے کہ یہ سند اکثر محدثین کے ہاں مقبول ہے۔ تاہم اس کے متکلم فیہ ہونے میں کسی کو شبہ نہیں۔^(۲)

دوسری روایت

عن زید بن أسلم أنه سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن

(۱) تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، المزی (جمال الدین ابو الحجاج یوسف المزی ۶۵۴-۷۴۲ھ) بیروت، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۸م (۳۸۷/۱۵)۔

..... تاریخ ابن معین، (یحییٰ بن معین) مکة المكرمة، مرکز البحث العلمی و احیاء التراث العلمی، الطبعة الأولى ۱۳۹۹ھ-۱۹۷۹م (۳۸۱۳)۔

..... تقریب التہذیب، العسقلانی (أحمد بن علی بن حجر العسقلانی ۷۷۳-۸۵۲ھ) المدینة المنورة، المكتبة العلمية (۴۴۴/۱)۔

..... سیر أعلام النبلاء، الذہبی (الإمام شمس الدین محمد بن أحمد بن عثمان الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ) بیروت، المؤسسة الرسالة، الطبعة الثانية ۱۴۰۲ھ-۱۹۸۲م (۱۱/۸)۔

(۲) تدرب الراوی، السیوطی (العلامة جلال الدین عبدالرحمن بن أبی بکر السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ) مصر، مطبعة الخيرية ۱۳۰۷ھ ص ۲۲۱۔

(۳) تہذیب الکمال (۶۴/۲۲)۔

..... تقریب التہذیب (۷۲/۲)۔

(۱) العربان فی البیع فأحلہ.

ترجمہ:- زید بن اسلم سے مروی ہے کہ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیع کے لئے بیعہ دینے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے اسے جائز قرار دیا۔

اس روایت پر بھی کلام ہے کہ یہ مرسل روایت ہے اور اس کی سند میں ابراہیم بن یحییٰ ضعیف راوی ہیں۔^(۲) البتہ امام شافعی نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے اور ان سے روایات بھی نقل کی ہیں۔^(۳)

حضرت نافع بن عبد الحارثؓ کا واقعہ

مذکورہ مرفوع روایات کے علاوہ حضرت نافع بن عبد الحارثؓ کے واقعہ سے بھی بیع العربون کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ علامہ ابن عبد البر نے اس واقعہ کو یوں نقل کیا ہے:

عن عبد الرحمن بن فروخ عن نافع بن عبد الحارث. عامل عمر علی مکة. أنه اشتری من صفوان بن أمية داراً لعمر بن الخطاب بأربعة آلاف درهم، واشترط عليه نافع إن رضی عمر فالبيع له وإن لم يرض فلفصفوان أربع مائة درهم.^(۴)

ترجمہ:- عبد الرحمن بن فروخ نقل کرتے ہیں کہ نافع بن عبد الحارث جو کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے مکہ کے عامل تھے، انہوں

(۱) مسند الطیالسی، الطیالسی (سلیمان بن داؤد ابو داؤد الفارسی البصری الطیالسی، المتوفی

۲۰۴ھ) بیروت، دار المعرفة (۵۱/۱) حدیث: ۳۹۰، نیل الأوطار للشوکانی (۵/۱۳۰)۔

(۲) نیل الأوطار (۵/۱۳۰)۔

..... شرح الزرقانی (۳/۲۵۰)۔

..... الاستذکار (۱۹/۱۰)۔

(۳) أوجز المسالك الكاندهلوی، (الشیخ محمد زکریا الکاندهلوی) (۱۱/۳۵)۔

(۴) الاستذکار، ابن عبد البر (الحافظ أبو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر النمري

الأندلسی ۳۶۸ھ-۴۶۳ھ) القاهرة، دار البیعی، الطبعة الأولى محرم ۱۴۱۲ھ (۹/۱۹)۔

نے حضرت عمرؓ کے لئے صفوان بن اُمیہ سے ایک گھر چار ہزار درہم کے بدلے اس شرط پر خریدا کہ اگر وہ حضرت عمرؓ کو پسند آگیا تو ان کے لئے بیع پکی ہو جائے گی اور اگر پسند نہ آیا تو صفوان کو چار سو درہم دیئے جائیں گے۔

ان کے علاوہ یہ واقعہ مصنف عبد الرزاق^(۱) اور السنن الکبریٰ للبیہقی^(۲) میں بھی مذکور ہے۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں اس واقعہ کو تعلیقاً ذکر فرمایا ہے۔^(۳)

بیع العربون کا حکم اور اس میں غرر کا جائزہ

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حسن بصری رحمہ اللہ، حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ میں سے ابوالخطاب کے نزدیک بیع العربون ناجائز ہے۔^(۴) ان کے علاوہ امام اوزاعی، لیث بن سعد، عبد العزیز بن ابی سلمہ اور سفیان ثوری سے بھی بیع العربون کا عدم جواز منقول ہے۔

علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں:-

(۱) المصنف، الصنعانی (أبو بکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی ۱۲۶ھ - ۲۱۱ھ) مع تحقیق الشیخ حبیب الرحمن الأعظمی، جنوبی افریقا جوہانسبرگ ص ۱۱، المجلس العلمی، الطبعة الأولى ۱۳۹۲ھ - ۱۹۷۲م (۱۳۸/۵) باب الکراء فی الحرم.

(۲) السنن الکبریٰ، البیہقی (أبو بکر بن الحسن بن علی البیہقی المتوفی ۲۵۸ھ) بیروت، دار الکتب العلمیہ، الطبعة الأولى ۱۴۲۰ھ - ۱۹۹۹م، باب ما جاء فی بیع دور مکه.

(۳) صحیح البخاری، البخاری (الإمام أبو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری) بیروت، دار ابن کثیر، الطبعة الخامسة ۱۴۱۴ھ - ۱۹۹۳م، کتاب الإستقراض، باب الربط والحبس فی الحرم.

(۴) حاشیة الدسوقی علی الشرح الکبیر، الدسوقی (شمس الدین الشیخ محمد عرفة الدسوقی) بیروت، دار الفکر (۶۳/۳).

..... شرح الزرقانی علی مختصر خلیل، الزرقانی (العلامة السيد عبد الباقي الزرقانی) بیروت، دار الفکر (۸۳/۳).

..... المجموع شرح المہذب (۲۶۸/۹).

..... الاستذکار (۱۱/۱۹).

أما قول مالك فعليه جماعة فقهاء الأمصار من الحجازيين والعراقيين، منهم: الشافعي والثوري وأبو حنيفة والأوزاعي والليث بن سعد وعبد العزيز بن أبي سلمة لأنه من بيع الغرر والمخاطرة وأكل المال بغير عوض ولا هبة وذلك باطل^(۱)۔ ترجمہ:- امام مالک کے قول پر حجاز اور عراق کے فقہاء کی ایک جماعت ہے ان میں سے امام شافعی، امام ثوری، امام ابوحنیفہ، امام اوزاعی، لیث بن سعد اور عبد العزیز بن ابی سلمہ شامل ہیں۔ اس لئے کہ یہ غرر اور خطر والی بیع ہے اور اس میں کسی عوض کے بغیر مال کھانا لازم آتا ہے جو کہ ہبہ بھی نہیں لہذا یہ باطل ہے۔

جبکہ حضرت عمر، ابن عمر اور تابعین میں سے مجاہد، ابن سیرین، نافع بن عبد الحارث اور زید بن اسلم سے اس کا جواز منقول ہے۔ ان کے علاوہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی اس کے جواز کے قائل ہیں۔

علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں:-

وقد روى عن قوم من التابعين منهم: مجاهد وابن سيرين ونافع بن عبد الحارث وزيد بن أسلم أنهم أجازوا بيع العربان على ما وصفنا^(۲)۔

ترجمہ:- تابعین کی جماعت جن میں مجاہد، ابن سیرین، نافع بن عبد الحارث و زید بن اسلم شامل ہیں، نے اس طرح بیع العربون کرنے کو جائز قرار دیا ہے جو ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں۔ ابن قدامہ فرماتے ہیں:-

قال أحمد: لا بأس به، وفعله عمر وابن عمر أنه أجازوه^(۳)۔

(۲) الاستذکار (۱۱۰۹)۔

(۳) المغنی لابن قدامة (۶/۲۳۱)۔

ترجمہ:- امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بیع العربون میں کوئی حرج نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود کی ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دی ہے۔

جانبین کے دلائل

مانعین کے دلائل

جن فقہائے کرام نے بیع العربون کو ناجائز کہا ہے، ان کے دلائل درج ذیل

ہیں:-

پہلی دلیل

وہ مرفوع روایت جو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے واسطے سے بیان ہوئی۔ علامہ شوکانی اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:-
حدیث عمرو بن شعیب قد ورد من طرق یقوی بعضها بعضاً^(۱)
ترجمہ:- عمرو بن شعیب والی حدیث متعدد طرق سے مروی ہے اور یہ طریق ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں۔

دوسری دلیل

اس بیع میں غرر پایا جاتا ہے اور احادیث میں غرر کو ناجائز کہا گیا ہے۔ علامہ ابن رشد الحجد فرماتے ہیں:

والغرر الكثير المانع صحة العقد يكون في ثلاثة أشياء
(أحدها) العقد (والثاني) أحد العوضين الثمن أو المثلون أو
كليهما (والثالث) الأجل فيهما أو في أحدهما. فأما الغرر
في العقد فهو مثل نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيعتين

فِي بَيْعَةٍ وَعَنْ بَيْعِ الْعَرَبَانِ^(۱)

ترجمہ:- وہ غررِ فاحش جو عقد کے صحیح ہونے سے مانع ہے تین چیزوں میں پایا جاتا ہے، ایک عقد میں، دوسرے کسی ایک عوض میں جیسے ثمن یا بیع میں یا دونوں میں، تیسرے، دونوں یا کسی ایک کی مدت میں۔ عقد میں غرر کی مثال جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ”بیعتان فی بیعة“ اور ”بیع العربون“ سے منع کیا۔

تیسری دلیل

اس میں ”قمار“ اور دوسرے کے مال کو ناجائز طریقے سے کھانے کی خرابی لازم آتی ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:-

لأنه من باب بيع القمار والغرر والمخاطرة وأكل المال بالباطل^(۲)

ترجمہ:- کیونکہ اس میں قمار، غرر، مخاطرہ اور باطل طریقے سے مال کھانے کی خرابی پائی جاتی ہے۔
علامہ ابن العربی فرماتے ہیں:-

من جملة أكل المال بالباطل بيع العربان^(۳)

ترجمہ:- ناحق مال کھانے میں بیع العربان بھی شامل ہے۔

(۱) المقدمات الممهدة، ابن رشد (أبو الوليد محمد بن أحمد بن رشد الجد القرطبي المتوفى

۵۲۰ھ) بيروت، دار الغرب الإسلامي، الطبعة الأولى ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۸م (۴/۷۳)۔

(۲) الجامع لأحكام القرآن المعروف بتفسير القرطبي، القرطبي (أبو عبد الله محمد بن أحمد الأنصاري القرطبي) القاهرة، مطبعة دار الكتب المصرية، ۱۳۵۶ھ-۱۹۳۷م (۵/۱۵۰)۔

(۳) أحكام القرآن لابن العربي (۱/۴۰۸)۔

اس میں دو شرائط ایسی ہیں جو مقتضائے عقد کے خلاف ہیں:-

۱- ہبہ کی شرط یعنی اگر معاملہ نہ ہوا تو بیعانہ کی رقم بائع کے لئے ہبہ ہوگی۔

۲- بیع رد کرنے کی شرط یعنی اگر خریدار راضی نہ ہوا تو بیع بائع کی طرف واپس

چلی جائے گی۔

علامہ رملی فرماتے ہیں:-

ولما فيه من شرطين مفسدين شرط الهبة و شرط رد المبيع
بتقدير أن لا يرضى.^(۱)

ترجمہ:- اور (بیع العربون کے ناجائز ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ)

اس میں دو شرطیں ایسی ہیں جن سے عقد فاسد ہو جاتا ہے، یعنی خریدار
کے راضی نہ ہونے کی صورت میں ہبہ اور بیع واپس کرنے کی شرط۔

مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی بیع العربون کے عدم جواز کی وجہ بیان کرتے
ہوئے لکھتے ہیں:-

لما فيه من الغرر و شرط الرد و الهبة إن لم يرض السلعة.^(۲)

ترجمہ:- کیونکہ اس میں غرر ہے اور خریدار کے سامان پر راضی نہ ہونے
کی صورت میں بیع واپس کرنے اور ہبہ کی شرط پائی جاتی ہے۔

پانچویں دلیل

اس میں غیر معلوم مدت تک خیار پایا جاتا ہے۔

(۱) نہایۃ المحتاج إلى شرح المنهاج، الرملى (محمد بن أبو العباس أحمد بن حمزة بن شهاب
الدين الرملى المصرى الأنصارى الشهير بالشافعى الصغير المتوفى ۱۰۰۳ھ) بیروت، دار احیاء
التراث العربی (۳/۴۵۹)۔

(۲) کشف المغطا عن وجه المؤطا علی هامش مؤطا الإمام مالک، کاندھلوی (محمد اشفاق
الرحمن کاندھلوی) کواٹشی، نور محمد أصح المطابع کارخانہ تجارت کتب، ص: ۵۶۸۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:-

ولأنه بمنزلة الخيار المجهول، فإنه اشترط أن له رد المبيع
من غير ذكر مدة، فلم يصح.^(۱)

ترجمہ:- کیونکہ یہ خیار مجہول کی طرح ہے، اس لئے کہ اس میں خریدار
نے یہ شرط لگا دی کہ اسے (ناپسندیدگی کی صورت میں) بیع واپس
کرنے کا حق ہے جبکہ اس نے کوئی مدت ذکر نہیں کی (گویا ایک مجہول
اور غیر معلوم مدت تک اسے یہ خیار حاصل ہوا) لہذا یہ بیع صحیح نہیں۔

چھٹی دلیل

ضابطہ یہ ہے کہ جب ایک مسئلے کے متعلق جواز اور عدم جواز دونوں قسم کی
روایات جمع ہو جائیں تو پھر عدم جواز والی روایت کو ترجیح ہوتی ہے۔ علامہ شوکانی ممانعت
والی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:-

لأنه يتضمن الحظر وهو أرجح من الإباحة كما تقرر في
الأصول.^(۲)

ترجمہ:- یہ روایت حظر (ممانعت) کو شامل ہے اور (تعارض کے
وقت) حظر کو اباحت پر ترجیح دی جاتی ہے، جیسا کہ اصول فقہ میں یہ
بات ثابت ہے۔

ساتویں دلیل:

نافع بن حارث کی حدیث میں یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ
کے لئے جو مکان خریدا گیا، وہ ایک نئے عقد کے ذریعے تھا۔ اور اس صورت میں یہ معاملہ
چونکہ شرط فاسد سے پاک تھا اس لئے جائز تھا۔

(۱) المغنی لابن قدامة (۲/۳۳۱)۔

(۲) نیل الأوطار (۵/۱۳۰)۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

فَأَمَّا دَفْعُ إِلَيْهِ قَبْلَ الْبَيْعِ دَرَاهِمًا وَقَالَ لَا تَبِعْ هَذِهِ السَّلْعَةَ لَغَيْرِي،
وَإِنْ لَمْ اشْتَرِهَا مِنْكَ فَهَذَا الدَّرَاهِمُ لَكَ. ثُمَّ اشْتَرَاهَا مِنْهُ بَعْدَ
ذَلِكَ بِعَقْدٍ مُبْتَدِئٍ وَحَسَبَ الدَّرَاهِمُ مِنَ الثَّمَنِ صَحَّ لِأَنَّ الْبَيْعَ
خِلَا عَنْ الشَّرْطِ الْمَفْسُودِ وَيَحْتَمِلُ أَنَّ الشَّرَاءَ الَّذِي اشْتَرَى
لِعَمْرٍ كَانَ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ. ^(۱)

ترجمہ:- اگر خریدار نے بیع سے پہلے بائع کو ایک درہم دیا اور کہا کہ یہ
سامان میرے علاوہ کسی اور کو نہ بیچنا اور اگر میں یہ سامان تجھ سے نہ
خریدوں تو یہ درہم تمہارا ہوگا۔ پھر اس کے بعد الگ اور نئے عقد کے
ذریعے اس سامان کو خرید لیا اور یہ درہم اس ثمن میں شمار کر لیا تو یہ صحیح
ہے کیونکہ اب بیع کے اندر شرط فاسد نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر
کے لئے خریدا گیا مکان اسی طرح ہو۔

مَجُوزِينَ کے دلائل

امام احمد بن حنبل اور جو حضرات اس بیع کو جائز قرار دیتے ہیں، ان کے
ستدلات درج ذیل ہیں:-

پہلی دلیل

حضرت زید بن اسلم کی ذکر کردہ روایت۔

دوسری دلیل

نافع بن عبد الحارث کا ذکر کردہ واقعہ کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے
بیع العربون کے ساتھ مکان خریدا۔

امام اُثرَم کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل سے کہا کہ آپ بیع العربون کو جائز

کہہ رہے ہیں؟ وہ بولے میں کیا کہوں؟ یہ حضرت عمرؓ کا واقعہ تمہارے سامنے ہے۔^(۱)
تیسری دلیل

وہ قیاس جو سعید بن مسیب اور ابن سیرین سے مروی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ اگر خریدار بائع کے سامان کو پسند نہیں کرتا اور اسے واپس کر دیتا ہے تو اسے ساتھ کچھ دے دے۔ المغنی میں ہے:-

قال سعيد بن المسيب وابن سيرين: لا بأس إذا كره السلعة
أن يردّها ويرد معها شيئاً.^(۲)

معاصر علماء کی آراء

معاصر علمائے کرام میں سے ڈاکٹر صدیق محمد امین الضریحی کی رائے یہ ہے کہ بیع العربون کا ناجائز ہونا رائج ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

وإنّی أرجح المنع لقوة دليله، فإنّ حديث النهی أكثر رجال
الحديث يصحّحونه وحديث الجواز أكثرهم يردّه، والغرر
فی بیع العربون متحقق وما اعتمد علیه المجوزون من أقوال
بعض الصحابة والتابعين لا يقوى علی معارضة أدلة المانعین.^(۳)
ترجمہ:- میں بیع العربون کے عدم جواز کو ترجیح دیتا ہوں کیونکہ اس
کے دلائل زیادہ مضبوط ہیں اور ممانعت والی روایت کو اکثر نے صحیح کہا
ہے جبکہ جواز والی روایت کو اکثر نے رد کیا، نیز بیع العربون میں غرر
یقینی طور پر پایا جاتا ہے اور بیع العربون کو جائز کہنے والوں نے صحابہ
اور تابعین میں جن کے قول سے استدلال کیا ہے، وہ ممانعت والے

(۱) المغنی بحوالہ بالا: قال الأثرم: قلت لأحمد: تذهب إليه؟ قال: أي شيء أقول؟ هذا عمر
رضی اللہ عنہ.

(۲) المغنی بحوالہ بالا.

(۳) الغرر وأثره فی العقود ص: ۱۲۵.

دلائل کا معارضہ نہیں کر سکتے۔

اس کے برعکس ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی، مصطفیٰ احمد الزرقاء، یوسف القرضاوی، عبداللہ بن سلیمان المنیع اور ڈاکٹر رفیق یونس مصری بیع العربون کے جواز کو رائج قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی نے اپنی رائے کو بڑے مفصل اور مدلل انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ذیل میں ہم ان کی بیان کردہ وجوہ ترجیح بمع ترجمہ ذکر کرتے ہیں۔

۱- وَالَّذِي أَرَاهُ هُوَ تَرْجِيحُ رَأْيِ الْحَنَابِلَةِ بَيْعًا وَإِجَارَةً بَعْدَ الْعَقْدِ، عَمَلًا بِالْوَقَائِعِ الْكَثِيرَةِ الَّتِي دَلَّتْ عَلَى جَوَازِهِ فِي عَصْرِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ، فَهُوَ قَوْلُ صَحَابِي وَافِقِهِ عَلَيْهِ آخَرُونَ وَاتِّجَاهُ كِبَارِ التَّابِعِينَ مِنْ فَقَهَاءِ الْمَدِينَةِ.

ترجمہ:- میرا خیال یہ ہے کہ بیع اور اجارہ کے اندر بیع العربون کے سلسلے میں حنابلہ کا مذہب رائج ہے کیونکہ صحابہ کرام اور تابعین کے دور میں اس کے بہت سے واقعات پیش آئے جس سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، نیز یہ ایک صحابی کا قول بھی ہے جس کی موافقت دوسرے صحابہ کرام نے فرمائی۔ نیز فقہائے مدینہ میں کبار تابعین کی بھی یہ رائے ہے۔

۲- وَلَإِنَّ الْأَحَادِيثَ الْوَارِدَةَ فِي شَأْنِ بَيْعِ الْعَرَبُونَ لَمْ تَصَحَّ عِنْدَ الْفَرِيقَيْنِ.

ترجمہ:- بیع العربون کے متعلق وارد ہونے والی مرفوع روایات فریقین میں سے کسی کے نزدیک بھی صحیح نہیں (اس لئے محض حدیث مرفوع کی بنیاد پر فیصلہ نہیں ہو سکتا)۔

۳- وَلَإِنَّ عَرَفَ النَّاسِ فِي تَعَامُلِهِمْ عَلَى جَوَازِهِ وَالْإِتِّزَامِ بِهِ. ترجمہ:- لوگوں کا عرف بھی یہی ہے کہ وہ اس معاملے کو جائز سمجھتے ہیں اور اس کا التزام کرتے ہیں۔

۴- ولحاجة الناس إليه ليكون العقد ملزماً ووثيقة ارتباط
عملیه بالإضافة إلى الأوامر الشرعية بالوفاء بالعقود في قوله
تعالى "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ"^(۱) وبخاصة حيث كثر
التحلل من الالتزامات من غير سبب ولا تراض بين الطرفين
لفسخ العقد بالإقالة ودفعاً للغرر عن البائع الذي قد تفوته
فرصة أخرى بيع سلعته.

ترجمہ:- اور بیع العربوں کرنے کی لوگوں کو ضرورت بھی ہے تاکہ عقد
لازم ہو، نیز یہ شرعی احکام جو وعدوں کو پورا کرنے سے متعلق ہیں جیسے
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اے ایمان والو! اپنے اقراروں کو پورا کرو" کو
پورا کرنے کی ایک عملی تدبیر ہے، خصوصاً آج کل جبکہ کسی سبب اور
طرفین کی رضامندی کے بغیر عقد کو فسخ کرنے کا رواج عام ہے، نیز
اس سے بائع کو ضرر سے بچانا بھی مقصود ہے، جس نے اس عرصے میں
یہ سامان کسی دوسرے کو نہ بیچنے کی صورت میں اٹھایا ہے۔

۵- ولأن المشتري اشترط على نفسه بدفع العربون
واقاراره، وتعارف الناس على استحقاق البيع مادفعه له إن
نكل عن البيع.... وقال النبي صلى الله عليه وسلم:
"المسلمون على شروطهم". وفي رواية أخرى "المسلمون
عند شروطهم ما وافق الحق من ذلك".

ترجمہ:- بیعانہ دینے کی وجہ سے خود خریدار نے اپنے لئے سامان
خریدنے کو مشروط کیا اور اس کے لینے کا اقرار کیا ہے اور یہ بات
لوگوں میں متعارف ہے کہ اگر وہ سامان خریدنے سے انکار کرے تو
بیعانہ بائع کا ہوگا..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

”مسلمانوں کے لئے ان کی شرائط کی پابندی ضروری ہے“ دوسری روایت میں ہے کہ ”جب تک شرائط حق کے موافق ہوں تو مسلمانوں کے لئے اس کی پابندی ضروری ہے“۔

۶- ولأن واقعة شراء دار صفوان سمع بها الصحابة واطلعوا عليها ولم ينكروها وهي واضحة في استحقاق البائع مبلغ العربون ومثله الإجارة، سواء دفع العربون سلفاً أو لم يدفع، لأن المشتري أو المستأجر الناكل إنما التزم بدفع العوض ويصبح ديناً في ذمته فيستحقه البائع أو المؤجر استحقاقاً شرعياً سليماً.

ترجمہ:- (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے) دار صفوان کے خریدنے کا واقعہ صحابہ کرام کے علم میں آیا لیکن انہوں نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ بائع بیعانہ کی رقم کا مستحق ہوگا، اور یہی مثال اجارہ کی ہے، عام ہے کہ خریدار نے بیعانہ پہلے دے رکھا ہو یا نہ دیا ہو، اس لئے کہ انکار کرنے والے خریدار یا مستأجر نے اپنے اوپر عوض دینے کا التزام کیا ہے تو گویا اس کے ذمہ ”دین“ ہے، پس بائع یا مؤجر شرعی لحاظ سے یہ بیعانہ لینے کے مستحق ہیں۔

۷- ولأن الناكل يعلم سلفاً بأنه يخسر المبلغ الذي يقدمه مع السلعة المردودة عند نكوله كما ذكر سعد بن المسيب وابن سيرين وغيرهما وإذا المبلغ هو العربون الذي يخسره المشتري أو المستأجر الناكل مقابل نكوله.

ترجمہ:- نیز انکار کرنے والے کو پہلے سے معلوم ہے کہ انکار کرنے کی صورت میں اسے پیشگی دی گئی رقم کا نقصان اٹھانا پڑے گا جیسا کہ سعید بن المسيب اور ابن سيرين وغيرهما نے بھی فرمایا ہے اور یہ رقم بیعانہ

کی رقم ہے جس کا خسارہ خریدار یا مستاجر کو انکار کے وقت ہوتا ہے۔

۸- ليس العربون أكلاً لأموال الناس بالباطل، وإنما هو في مقابل هذا التعطل والانتظار وتقويت الفرصة في صفقة أخرى، بل هو مشروط سلفاً.

ترجمہ:- بیعانہ میں دوسرے کے مال کو ناجائز طریقے سے کھانے کی خرابی نہیں پائی جاتی بلکہ یہ رقم تعطل، انتظار اور دوسرے خریدار کو بیچنے کے لئے ملنے والی فرصت کا عوض ہے اور یہ ایسی چیز ہے جو پہلے سے مشروط ہے۔

۹- وليس في بيع العربون غرر، لأن المبيع معلوم والضمن معلوم والقدرة على التسليم متوفرة. أما الغرر الناشئ عن احتمال نكول المشتري عن الشراء فلا يضر، لأن البائع يحسب حساب هذا الاحتمال، ولأن هذا الأمر موجود في الخيارات كخيار الشرط وخيار الرؤية ونحوهما. ثم إن الحنابلة الذين أجازوا العربون اشترطوا تقييد الانتظار بزمان وإلا فإلى متى ينتظر.

ترجمہ:- بیع العربون میں غرر بھی نہیں پایا جاتا کیونکہ اس میں مبیع اور ضمن معلوم ہیں اور ”قدرة على التسليم“ موجود ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ خریدار کے انکار کے احتمال کی وجہ سے غرر پیدا ہوتا ہے تو یہ غرر مضر نہیں اس لئے کہ بائع اس احتمال کا حساب لگاتا ہے (اور اس کا عوض لیتا ہے) نیز یہ احتمال تو دوسرے خیارات جیسے خيار شرط، خيار رؤية وغیرہ میں بھی موجود ہے اور پھر حنابلہ جنہوں نے بیع العربون کو جائز کہا ہے انہوں نے ایک مدت کے لئے اسے مقید کیا ہے ورنہ بائع کب تک انتظار کرے گا!

۱۰- والخلصة: أَنَّ العربون إما متبرع به للبائع أو المؤجر أو مودی بشرط التزمه المشتري أو المستأجر التاكل أو جزء من الثمن أو الأجرة إن تم العقد.^(۱)

ترجمہ:- خلاصہ یہ ہے کہ بیعانہ کی رقم بائع یا مؤجر کے لئے یا تو تبرع ہے یا اس شرط کی وجہ سے دی گئی ہے جسے خریدار یا مستأجر نے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا اور اگر عقد مکمل ہو جائے تو قیمت یا اجرت کا حصہ ہے۔

عبداللہ بن سلیمان المنیع، بیع العربون پر مفصل بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-
وقد اتضح من المناقشة السابقة ما يجعل العربون أمراً مشروعاً في دلالته ومعناه.^(۲)

ترجمہ:- گزشتہ بحث سے یہ بات واضح ہوئی کہ بیعانہ کا معاملہ دلالت اور معنی کے اعتبار سے مشروع اور جائز معاملہ ہے۔
ڈاکٹر رفیق یونس المصری فرماتے ہیں:-

إنني أميل في العربون إلى اختيار مذهب الحنابلة المجزين بشرط أن تكون مدة الخيار معلومة.^(۳)

ترجمہ:- بیع العربون کے اندر میرا میلان حنابلہ کے مذہب کی طرف ہے جنہوں نے اس بیع کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ خریدار کے لئے خیار کسی متعین مدت کے لئے ہو۔

(۱) العربون، الزحیلی (الدكتور وهبة مصطفى الزحيلي) بحث في مجلة مجمع الفقه الاسلامي (العالمي) جده، الدورة الثامنة ۱-۷ محرم ۱۴۱۳ھ/ ۲۱-۲۷ جون ۱۹۹۳م ص: ۶۰۵.

(۲) بیع العربون، المنیع (عبداللہ سلیمان المنیع) بحث في مجلة مجمع الفقه الاسلامي (العالمي) جده، الدورة الثامنة ۱-۷ محرم ۱۴۱۳ھ/ ۲۱-۲۷ جون ۱۹۹۳م ص: ۱۱.

(۳) بیع العربون، المصری (الدكتور رفیق یونس المصری) بحث في مجلة مجمع الفقه الاسلامي (العالمي) جده، الدورة الثامنة ۱-۷ محرم ۱۴۱۳ھ/ ۲۱-۲۷ جون ۱۹۹۳م ص: ۲۲.

مجمع الفقہ الاسلامی (العالمی) کی قرارداد

مجمع الفقہ الاسلامی (العالمی) میں شامل علمائے کرام نے انتظار کی مدت متعین

ہونے کی قید کے ساتھ اس بیع کی اجازت دی ہے۔ طے شدہ قرارداد یہ ہے:-

يجوز بيع العربون إذا قيدت فترة الانتظار بزمان محدود

ويحتسب العربون جزءاً من الثمن إذا تم الشراء ويكون من

حق البائع إذا عدل المشتري عن الشراء.^(۱)

ترجمہ:- اگر انتظار کی مدت متعین ہو تو بیع العربون جائز ہے، لہذا اگر

خریداری کا عمل مکمل ہو تو بیعانہ قیمت کا حصہ شمار ہوگا اور اگر خریدار نے

سامان لینے سے انکار کیا تو یہ بائع کا حق ہوگا۔

المجلس الشرعی کا فیصلہ:

هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الإسلامية (AAOIFI) کی

ذیلی تنظیم ”المجلس الشرعی“ نے اسلامی بینکوں کو مراحمہ میں بیعانہ لینے کی اجازت دی

ہے، البتہ اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ عقد نہ ہونے پر بینک کو دوسری جگہ

سامان بیچنے کی صورت میں جو حقیقی نقصان ہوا ہے، اس سے زائد رقم پہلے خریدار کو واپس

کر دے۔ ”المطلبات“ میں ہے:-

يجوز للمؤسسة أخذ العربون بعد عقد بيع المراجعة للأمر

بالشراء مع العميل، ولا يجوز ذلك في مرحلة الوعد

والأولى أن تتنازل المؤسسة عما زاد من العربون عن مقدار

الضرر الفعلي وهو الفرق بين تكلفه السلعة والثمن الذي

(۱) القرارات والتوصيات الصادرة عن مجلس مجمع الفقہ الاسلامی، فی دورة مؤتمرة الثامن،

المنعقد ببندر سری بجاون (برونائی دارالسلام) ۱-۷ محرم ۱۴۱۳ھ / ۲۱-۲۷ جون

یتیم بیعہا بہ الی غیر۔^(۱)

ترجمہ:- اسلامی بینک کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ ”مرابحہ لآمر بالسراء“ میں عقد ہونے کے بعد عمیل سے بیعہ لے، البتہ وعدے کے مرحلے میں بیعہ لینا جائز نہیں اور بہتر یہ ہے کہ بینک حقیقی ضرر سے زائد رقم سے دستبردار ہو جائے، حقیقی ضرر سے مراد قیمت کا وہ فرق ہے جو سامان کسی دوسرے کو بیچنے کی صورت میں سامنے آیا۔

ترجیح

بیع العربون کے جواز اور عدم جواز سے متعلق بحث کرنے کے بعد رائج یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی معاملے میں بیع العربون کی واقعی ضرورت ہو کہ اس کے نہ ہونے کی صورت میں بائع کو ضرر کا سامنا کرنا پڑتا ہو تو ایسی صورت میں اسے اختیار کرنے کی گنجائش ہونی چاہئے، البتہ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بیع نہ صورت میں بائع کو ہونے والے حقیقی نقصان سے زائد رقم کو واپس دینا لازم قرار دیا جائے۔

بیع العربون کی ضرورت کہاں پیش آتی ہے؟

عام طور پر بیع العربون درج ذیل مقاصد کے لئے کی جاتی ہے:-

۱۔ بعض مرتبہ کسی شخص کو کوئی سامان پسند آ جاتا ہے، وہ اسے خریدنا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس اس کی پوری قیمت نہیں ہوتی تو وہ بائع سے کہتا ہے کہ آپ اتنی رقم بیعہ کے طور پر اپنے پاس رکھ لیں بعد میں پوری رقم دے کر میں یہ چیز لے لوں گا اور بائع اس پر راضی نہیں ہوتا کہ اگر خریدار بعد میں یہ سامان نہ خریدے تو وہ پیشگی وصول کی ہوئی رقم واپس کر دے کیونکہ اس کا آرڈر آنے کے بعد بائع یہ سامان کہیں اور بھی بیچتا اور اگر بعد میں یہ خریدار بھی نہ لے تو بائع کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لئے خریدار اسے کہتا ہے کہ اگر میں نے یہ سامان نہ خریدا تو دی گئی بیعہ کی رقم آپ کی ہوگی۔

(۱) المعاییر الشرعیۃ، المعیار الشرعی رقم: ۸، (المرابحہ لآمر بالسراء)

۲۔ بعض مرتبہ کوئی شخص کسی دکاندار یا بیچنے والے کے پاس کوئی چیز دیکھتا ہے۔ وہ اسے پسند آتی ہے لیکن اس کے خریدنے میں اسے تردد ہو جاتا ہے کہ کہیں اس کی قیمت زیادہ تو نہیں یا یہ کہ یہ چیز عمدہ سامان سے تیار شدہ ہے یا نہیں یا اگر بیوی بچوں وغیرہ کے لئے خریدنی ہو تو تردد ہوتا ہے کہ نجانے ان کو پسند آئے گی یا نہیں؟ ایسی صورت میں اگر وہ یہ چیز فوراً نہ خریدے تو اس بات کا امکان ہے کہ دوبارہ آنے تک یہ چیز کسی اور کے ہاتھ بک جائے اور اگر خرید لے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ بعد میں یہ پسند نہ آئے اور ندامت سی ہو۔

ایسے وقت میں یہ شخص بیعانہ دے کر بائع کو اس بات کا پابند کرتا ہے کہ وہ یہ سامان کسی اور کو فروخت نہ کرے تاکہ اگر بعد میں وہ اسے خریدنا چاہے تو خرید سکے لیکن بائع عام طور پر مفت میں یہ اختیار دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا اس لئے بیعانہ دینے کی نوبت آتی ہے۔

۳۔ بعض مرتبہ خریدار کسی دکاندار یا کمپنی کو سامان خریدنے کا آرڈر دیتا ہے لیکن اس کے پاس وہ سامان تیار شکل میں موجود نہیں ہوتا۔ وہ خریدار کے آرڈر اور اس کی بیان کردہ شرائط و اوصاف کے مطابق مال تیار کرتا ہے لیکن اسے اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ مال تیار ہونے کے بعد خریدار اسے لینے سے انکار نہ کر دے، ایسی صورت میں وہ اپنے تحفظ اور اپنے آپ کو ضرر سے بچانے کے لئے بیعانہ کا مطالبہ کرتا ہے۔^(۱)

۴۔ اس کے علاوہ آج کل عام طور پر جتنے بھی بڑی رقم کے سودے ہوتے ہیں، جیسے پلاٹ یا گاڑی کی خرید و فروخت، اس میں بیعانہ دیا جاتا ہے اور پیش نظر یہ ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک فریق انکار کر دے، جس کی وجہ سے دوسرے فریق کو نقصان کا سامنا ہو۔

(۱) بیع العربون المصری (الدکتور رفیق یونس المصری) بحث المجلة مجمع الفقہ الاسلامی (العالمی) ج۲ الدورة الثامنة ص: ۲۲۔

بیع العربون سے ملتی جلتی صورتیں

اب ہم چند ایسی صورتیں اور ان کا حکم بیان کرتے ہیں جو ظاہری اعتبار سے بیع العربون سے ملتی جلتی ہیں البتہ کسی باریک فرق کی وجہ سے اس سے قدرے مختلف ہیں۔

الف۔ بیع الخیارات (Option Sale)

خیارات، خیاری کی جمع ہے اور یہاں پر خیاری سے مراد ”کسی کا خاص چیز کو خاص قیمت پر خاص مدت تک خریدنے یا بیچنے کا حق ہے۔“

ڈاکٹر محمد القری بن عبد ”خیاری“ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

الخیار فی عرف التعامل المالی: هو حق شراء أو بيع سلعة ما فی تاریخ محدد بسعر متفق علیہ سلفاً^(۱).

ترجمہ:- مالیات کے لین دین کے عرف میں خیاری سے مراد کسی مقررہ

تاریخ تک مقررہ قیمت پر کسی چیز کو خریدنے اور بیچنے کا حق ہے۔

خیارات کی بہت سی اقسام ہیں، لیکن ان میں درج ذیل تین اقسام زیادہ معروف ہیں:-

۱۔ خیاری الطلب (Call Option)

خیاری الطلب سے مراد کسی چیز کو خریدنے کا حق ہے، مثلاً زید کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بکر سے تین ماہ تک جب چاہے روٹی کی ہزار گانٹھیں خریدے، اس عرصے میں زید جب بھی بکر سے طلب (Call) کرے گا، بکر مطلوبہ گانٹھیں دینے کا پابند ہوگا، لیکن زید کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ اس مدت میں یہ گانٹھیں خریدے بلکہ اسے اختیار ہے کہ چاہے تو خریدے ورنہ نہ خریدے۔

۲۔ خیاری الدفع (Put Option)

خیاری الدفع سے مراد کسی چیز کو بیچنے کا حق ہے، یہ پہلے خیاری کی ضد ہے۔ اس میں

(۱) الأسواق المالية، بحث فی مجلة مجمع الفقه الإسلامی، العدد السادس، الجزء

بیچنے والے شخص کو تو خیار حاصل ہوتا ہے لیکن خریدار کے لئے لازم ہوتا ہے کہ وہ اسے خریدے۔ مثلاً زید نے ساٹھ روپے کا ایک ڈالر خریدا۔ وہ اس کشمکش میں ہے کہ اگر یہ اپنے پاس رکھوں تو اس کی قیمت گرنے کا احتمال ہے اور اگر ابھی فروخت کر دوں تو ہو سکتا ہے کہ آئندہ قیمت بڑھ جائے اور میں نفع سے محروم رہوں۔ مگر اسے اطمینان دلاتا ہے کہ یہ ڈالر تم اپنے پاس رکھو، میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ تین ماہ تک تم سے یہ ڈالر ساٹھ روپے میں خرید لوں گا۔ اس صورت میں زید کو یہ ڈالر فروخت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے، لیکن اگر وہ بیچے تو بکر کے لئے اس کا خریدنا ضروری ہے۔

۳- خیار المركب (Stradle Option)

خیار المركب سے مراد خریدنے اور بیچنے (دونوں) کا اختیار ہے، بعض مرتبہ لوگ دونوں اختیار لے لیتے ہیں، مثلاً زید نے بکر سے معاملہ کر کے بیچنے کا خیار لے لیا اور خالد سے معاملہ کر کے خریدنے کا خیار لے لیا۔

اب وہ بازار کے بھاؤ دیکھتا ہے، اگر چیز کی قیمت بڑھ رہی ہو تو بیچنے کا خیار استعمال کرتا ہے جس سے خوب نفع حاصل کرتا ہے اور اگر قیمت گر رہی ہو تو خریدنے کا خیار استعمال کر کے کم قیمت پر مطلوبہ چیز استعمال کر لیتا ہے۔^(۱)

خیار فراہم کرنے کی فیس

خیارات کے اندر جب کوئی فرد یا کمپنی کسی شخص کو خیار فراہم کرتی ہے تو وہ اس پر کچھ فیس لیتی ہے، بعض مرتبہ خیار حاصل کرنے والا شخص اس خیار کو آگے فروخت کر دیتا ہے اور اس سے فیس وصول کرتا ہے۔

بیع العربون سے مشابہت

بیع الخيارات اس اعتبار سے بیع العربون کے مشابہ ہے کہ اس میں ایک فریق کو

(۱) الأسواق المالية، بحث فی محلة مجمع الفقه الإسلامی، العدد السادس، الجزء

الثانی ۱۴۱۰ھ - ۱۹۹۰م ص: ۶۰۵

عقد مکمل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار رہتا ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ بیع العربون میں عقد ہونے کی صورت میں دیا گیا بیعانہ قیمت کا حصہ شمار ہوتا ہے جبکہ بیع الخیارات میں دی گئی فیس محض اختیار کا عوض ہوتی ہے، عقد ہونے پر دایگی الگ سے کرنی پڑتی ہے۔

بیع الخیارات کا حکم

بیع الخیارات دراصل ایک حق کی بیع ہے جو ایک فریق دوسرے کو مہیا کرتا ہے اور ”حق“ حاصل کرنے والا شخص دراصل یہ ”حق“ اس لئے خریدتا ہے تاکہ اسے آئندہ کسی مالی نقصان کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ گویا یہ حق ”دفع ضرر“ کے لئے خریدا گیا ہے ورنہ اصالتہً کسی شخص کو ایسا کوئی حق حاصل نہیں جس کی وجہ سے دوسرا کوئی آدمی اسے کوئی چیز بیچنے یا خریدنے کا پابند کر سکے۔ اور ایسے حقوق جو اصالتہً مشروع نہیں ہوتے بلکہ دفع ضرر کے لئے حاصل کئے جاتے ہیں ان کی خرید و فروخت جائز نہیں۔ علامہ خالد الاتاسی لکھتے ہیں:-

إن عدم جواز الاعتياض عن حقوق المجردة ليس على إطلاقه بل فيه التفصيل، وهو أن ذلك الحق المجرد إن كان الشرع جعله لصاحبه لدفع الضرر عنه كحق الشفعة وحق القسم للزوجة وحق الخيار للمخيرة فالاعتياض عنه بمال لا يجوز.... لأن صاحب الحق لما رضى علم أنه لا يتضرر بذلك، فلا يستحق شيئاً.^(۱)

ترجمہ:- حقوق مجرّدہ کی خرید و فروخت کے عدم جواز کا حکم علی الاطلاق نہیں بلکہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ وہ حقوق جو اصالتہً مشروع نہیں، بلکہ دفع ضرر کے لئے ان کی اجازت دی گئی ہے، جیسے حق شفعہ، عورت کے لئے باری کا حق اور اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار رکھنے والی عورت کا اختیار، ان حقوق کی خرید و فروخت جائز نہیں.....

(۱) شرح المجلة، الاتاسی (محمد خالد الاتاسی) کوئٹہ، مکتبہ اسلامیہ، الطبعة الأولى

کیونکہ ان صورتوں میں جب صاحب حق اپنا حق چھوڑنے پر راضی ہو گیا تو معلوم ہوا کہ اس حق کے نہ ملنے سے اس کا کوئی نقصان نہیں ہے لہذا وہ کسی اجرت کا مستحق نہ ہوگا۔

ب۔ بیع نہ ہونے پر بیعانہ کی واپسی

دوسری صورت یہ ہے کہ بیع کے وقت خریدار بائع کو اس شرط پر بیعانہ دے کہ اگر بعد میں عقد ہو جائے تو یہ بیعانہ قیمت کا حصہ بن جائے گا، لیکن اگر بیع نہ ہو سکی تو بائع یہ رقم واپس کر دے گا۔

اس بیع کے اندر بھی اگرچہ غرر ہے کہ قیمت کا حصہ پہلے دینے کی وجہ سے خریدار کو سامان خریدنے یا نہ خریدنے کا اختیار مل رہا ہے لیکن یہ غرر قلیل ہے اس لئے یہ معاملہ جائز ہے۔

علامہ باجی فرماتے ہیں:-

أَمَّا الْعَرَبَانِ الذِّي لَمْ يَنْهَ عَنْهُ فَهُوَ أَنْ يَبْتَاعَ مِنْهُ ثَوْبًا أَوْ غَيْرَهُ
بِالْخِيَارِ فَيُدْفَعُ إِلَيْهِ الثَّمَنُ مَخْتَوِّمًا عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِمَّا لَا يَعْرِفُ
بِعَيْنِهِ عَلَى إِنْ رَضِيَ الْبَيْعَ كَانَ مِنَ الثَّمَنِ وَإِنْ كَرِهَ رَجَعَ إِلَيْهِ
لَكَ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ خَطَرٌ يَمْنَعُ صَحَّتَهُ وَإِنَّمَا فِيهِ تَعْيِينَ لِلثَّمَنِ
أَوْ بَعْضِهِ. ^(۱)

ترجمہ:- بیع العربون کی وہ صورت جس سے منع نہیں کیا گیا، یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے سے کچھ رقم خواہ وہ متعین طور پر معلوم نہ ہو، دے کر اس اختیار کے ساتھ خریدے کہ اگر وہ بیع پر راضی ہوا تو یہ رقم قیمت کا حصہ بن جائے گی اور اگر اس نے معاملہ کرنا پسند نہ کیا تو یہ رقم واپس لے لے گا، (یہ بیع اس لئے جائز ہے کہ) اس میں کوئی ایسا

خطر نہیں پایا جاتا جو بیع صحیح ہونے کے لئے مانع ہو، اس میں صرف قیمت یا اس کا کچھ حصہ متعین کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن عبدالبر کی رائے یہ ہے کہ حضرت زید بن اسلم کی روایت، جس میں بیع العربوں کی اجازت وارد ہے اس سے یہی بیع مراد ہو سکتی ہے، وہ لکھتے ہیں:-

وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ بَيْعُ الْعَرَبَانِ الَّذِي أُجَازَهُ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَوْ صَحَّ عَنْهُ أَنْ يَجْعَلَ الْعَرَبَانِ عَنْ ثَمَنِ سَلْعَتِهِ إِنْ تَمَّ الْبَيْعُ وَإِلَّا رَدَّهُ وَهَذَا وَجْهٌ جَائِزٌ عِنْدَ الْجَمِيعِ.

ترجمہ:- جس روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیع العربوں کی اجازت منقول ہے، اگر وہ روایت صحیح ہو تو ہو سکتا ہے اس سے مراد وہ بیع ہو کہ جس میں بائع کو بیعانہ اس شرط میں دیا جائے کہ اگر بیع ہوگئی تو یہ قیمت کا حصہ بن جائے گی ورنہ خریدار بیعانہ کی رقم واپس لے لے گا، اور یہ صورت تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔

اس کے بعد وہ اس بیع کے جواز میں امام مالک کا قول یوں نقل کرتے ہیں:-
قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَبْتَاعُ ثَوْبًا مِنْ رَجُلٍ فَيُعْطِيهِ عَرَبَانًا عَلَى أَنْ يَشْتَرِيهِ فَإِنْ رَضِيَهِ أَخَذَهُ وَإِنْ سَخَطَهُ رَدَّهُ وَأَخَذَ عَرَبَانَهُ، أَنَّهُ لَا بَأْسَ.

آخر میں اس بیع کے جواز کے بارے میں عدم اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

لَا أَعْلَمُ فِيهِ خِلَافًا.

ترجمہ:- اس بیع کے جائز ہونے میں کسی کا اختلاف میرے علم میں نہیں^(۱)۔

ج- بیع دوبارہ ہونے پر کچھ رقم دینا

تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے سامان خریدے اور بیع مکمل ہونے کے

بعد وہ اس سامان کو واپس کرنا چاہے تو بائع اس شرط کے ساتھ سامان واپس لے کے خریدار اسے کچھ رقم بھی دے۔ اگر پہلی بیع مکمل ہو چکی ہو اور خریدار نے قیمت کی ادائیگی بھی کر دی ہو تو چونکہ یہ نئی بیع ہے لہذا حنفیہ کے ہاں جائز ہے اور حنفیہ کے اصول کے مطابق ”شراء ما باع بأقل مما باع قبل نقد الثمن“ (قیمت کی ادائیگی سے پہلے بیچی گئی چیز کو قیمت فروخت سے کم پر خریدنے) کی خرابی لازم نہیں آرہی، اس لئے یہ بیع جائز ہے۔

ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:-

وقال سعيد بن المسيب وابن سيرين: لا بأس إذا كره السلعة أن يردَّ معها شيئاً.^(۱)

ترجمہ:- سعید بن المسیب اور ابن سیرین فرماتے ہیں کہ اگر خریدار سامان کو ناپسند کر کے واپس کر دے اور اس کے ساتھ کچھ رقم بھی دے دے تو یہ جائز ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے بیع العربون کو اس لئے بھی جائز قرار دیا ہے کہ ان کے نزدیک بیع العربون اور یہ صورت ایک جیسی ہے، چنانچہ سعید بن المسیب اور ابن سیرین کا قول نقل کرنے کے بعد ابن قدامہؒ فرماتے ہیں:-

قال أحمد: هذا معناه.^(۲)

احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ بیع العربون بھی اُسی کی طرح ہے۔

بیع الحصة (کنکر پھینکنے سے بیع ہو جانا)

اسے ”بیع بالقاء الحجر“ بھی کہا جاتا ہے۔ اس بات پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ بیع الحصة ناجائز ہے۔ احادیث میں بھی اس کی صریح ممانعت موجود ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:-

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الحصة والغرر^(۱)۔
ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الحصة اور بیع الغرر سے منع فرمایا۔

البتہ اس کی تفسیر میں مذاہب اربعہ کے فقہاء کے درمیان قدرے اختلاف موجود ہے، ذیل میں اسے قدرے تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے۔

بیع الحصة کی تفسیر مذاہب اربعہ میں

حنفیہ

فقہائے حنفیہ کے ہاں عام طور پر اس کے لئے ”بیع بالقاء الحجر“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ حنفیہ کے ہاں اس کی دو تعریفیں زیادہ معروف ہیں۔ صاحب الہدایہ علامہ مرغینانی، علامہ ابن نجیم اور علامہ شنی زادہ وغیرہ نے اس کی یہ تعریف کی ہے:-

(۱) صحیح مسلم، البیوع، باب بطلان بیع الحصة والبیع الذی فیہ غرر، حدیث: (۳۶۹۱)

..... صحیح ابن حبان، حدیث: (۳۹۷۷)۔

..... ابوداؤد، البیوع، حدیث (۳۲۳۷)۔

..... جامع الترمذی، البیوع، حدیث: (۱۲۳۳)۔

..... سنن ابن ماجہ، التجارات، حدیث: (۴۱۹۳)۔

..... مسند أحمد بن حنبل فی مسند أبی ہریرۃ ج: ۲ ص: ۳۷۶، ۳۳۶، ۳۳۹، ۳۹۶۔

هُوَ أَنْ يَتَرَاوِضَا عَلَى سَلْعَةٍ فَإِذَا وَضَعَ الْمُشْتَرِي عَلَيْهَا حَصَاةً
لِزَمَ الْبَيْعَ.

ترجمہ:- متعاقدین آپس میں کسی ایک چیز کا بھاؤ لگا رہے ہوں کہ
اچانک خریدار اس پر ایک پتھر رکھ دے، جس کے نتیجے میں یہ بیع لازم
ہو جائے۔^(۱)

جبکہ علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے درج ذیل تعریف کی ہے:-
أَنْ يَلْقَى حَصَاةً وَثَمَهُ الْأَثْوَابُ فَأَيَّ ثَوْبٍ وَقَعَ عَلَيْهِ كَانَ الْمُبَيْعَ
بِلَا تَأْمَلٍ.

ترجمہ:- (متعاقدین کے بھاؤ لگانے کے دوران) بہت سے کپڑے
(یعنی بیچی جانے والی چیزیں) موجود ہوں، اور اس شرط کے ساتھ پتھر
پھینکا جائے کہ ان میں سے جس کپڑے پر بھی پتھر گر جائے، تو اس
کپڑے کی بیع لازم ہو جائے گی۔^(۲)

ذکر کردہ دونوں تعریفوں میں حقیقت کے اعتبار سے تو کوئی فرق نہیں ہے اس لئے
کہ دونوں صورتوں میں بیع پر پتھر رکھنے سے بیع لازم ہو جاتی ہے البتہ صورت مسئلہ میں تھوڑا
سافرق ہے وہ یہ کہ پہلی صورت میں صرف ایک ہی چیز سامنے تھی اور اس کا بھاؤ لگایا جا رہا
تھا، لیکن مشتری نے جب اس پر پتھر رکھ دیا تو وہ بیع لازم ہو گئی جبکہ دوسری صورت میں بیچی
جانے والی اشیاء بہت سی ہیں اور ان میں سے جس پر پتھر رکھا گیا، اس کی بیع لازم ہو گئی۔

(۱) الهدایۃ مع فتح القدیر (۵۵/۶).

..... وأيضاً في البحر الرائق، ابن نجيم (زين الدين ابن نجيم الحنفی) بیروت، دار الکتب العلمیۃ،
الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۷م (۱۲۹/۶).

..... مجمع الأنهر، شیخی زادہ (عبد الرحمن بن محمد بن سلیمان الکلبولی المعروف بشیخی
زادہ المتوفی ۱۰۷۸ھ) بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیۃ، الطبعة الأولى ۱۴۱۹ھ-۱۹۹۸م
(۸۲/۳).

(۲) فتح القدیر لابن الہمام (۵۵/۶).

مالکیہ

علامہ ابن رشد مالکی رحمہ اللہ نے بیع الحصة کی دو تعریفیں کی ہیں۔
پہلی تعریف یہ ہے:-

أن يستام الرجل السلعة ويبد أحدهما حصاة، فيقول لصاحبه: إذا سقطت الحصاة من يدي، فقد وجب البيع بيني وبينك.

ترجمہ:- دو شخص آپس میں کسی چیز کا بھاؤ لگا رہے ہوں اور ان میں سے کسی ایک کے پاس کنکر ہو، وہ اپنے ساتھی سے کہے کہ اگر میرے ہاتھ سے کنکر گر گیا تو میرے اور آپ کے درمیان بیع لازم ہو جائے گی۔
دوسری تعریف یہ ہے:-

أن تكون السلعة منشورة، فيرى المبتاع الحصاة، فإذا وقعت عليه، وجبت له بما سمي من الثمن.^(۱)

ترجمہ:- بیچا جانے والا سامان سامنے پھیلا ہوا ہو، خریدار اس پر ایک کنکر پھینکے، جو نہی یہ کنکر اس سامان پر گرے تو مقرر کردہ قیمت کے مطابق یہ بیع مکمل ہو جائے۔

علامہ باجی مالکی نے ذکر کردہ تعریفات میں سے پہلی تعریف کو اختیار فرمایا ہے، البتہ اس بات کی صراحت کی ہے کہ اس میں کنکر بائع کے ہاتھ میں ہو۔^(۲) جبکہ علامہ ابن رشد کی بیان کردہ تعریف میں کنکر والا شخص عام ہے خواہ بائع ہو یا مشتری۔

(۱) المقدمات الممهدات، ابن رشد (أبو الوليد محمد بن أحمد بن رشد القرطبي المتوفى ۵۲۰ھ) بتحقيق الدكتور محمد حجي بيروت، دار الغرب الإسلامي، الطبعة الأولى ۱۴۰۸ھ
۱۹۸۸م (۶۲/۲)

(۲) المنتقى شرح الموطأ، الباجي (أبو الوليد سليمان بن خلف بن سعد بن أيوب الباجي ۴۰۳ھ-۴۹۴ھ) مصر، مطبعة السعادة، الطبعة الأولى ۱۳۳۱ھ (۴۲:۵)

مالکیہ کی بیان کردہ تعریفات اگرچہ ظاہری تشریح کے اعتبار سے قدرے مختلف ہیں، لیکن حقیقت کے اعتبار سے دونوں میں اتفاق ہے، وہ یہ کہ کنکر گرنے سے بیع لازم ہو جائے گی۔

شافعیہ

علامہ ربیع شافعیؒ نے بیع الحصة کی تین تعریفات ذکر کی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:-

بأن يقول بعتك من هذه الأثواب ما تقع هذه الحصة عليه
أو يجعل الرمي لها بيعاً أو بعتك ولك أو لنا الخيار إلى
رميها. ^(۱)

ترجمہ:- پہلی صورت یہ ہے کہ بائع مشتری سے یہ کہے کہ ان کپڑوں میں جس کپڑے پر آپ کا کنکر گر جائے، میں وہ آپ کو فروخت کرتا ہوں۔
دوسری صورت یہ ہے کہ وہ کنکر گرنے کو ہی بیع قرار دیں یعنی بائع خریدار سے یوں کہے کہ جب تمہارا کنکر اس کپڑے پر لگ جائے تو یہ چیز تمہاری ہو جائے گی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ بائع خریدار سے یوں کہے کہ میں نے تجھے فلاں چیز بیچ دی لیکن جب تک کنکر اس پر نہ گرے تو اس وقت تک مجھے یا تجھے یا ہم میں سے ہر ایک کو بیع لازم کرنے کا اختیار ہے (گویا یہ بھی تین صورتیں بن گئیں کہ اختیار یا تو صرف بائع کو ہو یا صرف مشتری کو ہو یا دونوں کو ہو، تینوں صورتوں میں یہ بیع الحصة کہلائے گی)۔

شوافع کی بیان کردہ تعریفات بھی حقیقت کے اعتبار سے حنفیہ اور مالکیہ کی مذکورہ تعریفات سے ملتی ہیں البتہ تیسری تعریف میں یہ بات زائد ہے کہ کنکر پھینکے سے حاصل

(۱) نہایۃ المحتاج إلی شرح المنہاج، الرملی (شمس الدین محمد بن أبی العباس أحمد بن حمزة بن شہاب الدین الرملی المتوفی ۱۰۰۴ھ) بیروت، دار إحياء التراث العربی، الطبعة الأولى ۱۳۵۸ھ-۱۹۳۹م (۲/۲۳۳)۔

شدہ اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ تاہم اس قسم کی زیادتی سے اس حقیقت میں کوئی فرق نہیں آتا اس لئے کہ اس اضافے کا حاصل یہ ہے کہ بیع پہلے ہو جاتی ہے لیکن وہ لازم نہیں ہوتی جب کنکر پھینکا جاتا ہے تو یہ بیع لازم ہو جاتی ہے، جبکہ دوسری تعریفات کا حاصل یہ ہے کہ پہلے بیع ہوتی ہی نہیں لیکن کنکر پھینکنے سے سے بیع لازم ہو جاتی ہے۔

حنابلہ

علامہ ابن قدامہ نے المغنی کے اندر بیع الحصة کی تین تعریفات فرمائی ہیں:-

پہلی تعریف

أن يقول: بعتك من هذه الأرض مقدار ما تبلغ هذه الحصة، إذا رميها كذا.

ترجمہ:- ایک شخص دوسرے سے یہ کہے کہ اس زمین پر کنکر پھینکتے وقت جہاں تک میرا کنکر پہنچے، وہاں تک کی زمین میں نے اتنی قیمت میں تجھے بیچ دی۔

دوسری تعریف

أن يقول: بعتك هذا بكذا على أني متى رميت هذه الحصة، وجب البيع.

ترجمہ:- (بالع خریدار سے) کہے کہ میں نے تجھے یہ چیز اتنی قیمت پر اس شرط پر فروخت کی کہ جب میں یہ کنکر پھینکوں تو بیع لازم ہو جائے گی۔

تیسری تعریف

أن يقول: ارم هذا الحصة، فعلى أي ثوب وقعت فهو بك بدرهم.^(۱)

(۱) المغنی، ابن قدامة (موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن أحمد بن محمد بن قدامة) ریاض، دار عالم الکتب، الطبعة الثالثة ۱۴۱۷ھ-۱۹۹۷م (۲۹۸/۶)۔

ترجمہ:- (بائع خریدار سے) کہے کہ یہ کنکر پھینکو، پس جس کپڑے پر یہ کنکر گر گیا وہ ایک درہم کے بدلے میں تیرا ہے۔

علامہ ابن قدامہ کی بیان کردہ تعریفات بھی حقیقت کے اعتبار سے ذکر کردہ دیگر تعریفات سے الگ نہیں۔ البتہ ابن قدامہ کی بیان کردہ پہلی تعریف میں تشریح کے اعتبار سے ایک نمایاں فرق ہے، وہ یہ کہ اس میں کنکر پھینکنے والے سے لے کر کنکر پہنچنے کی مقدار تک کو بیع (بیچی جانے والی چیز) کی مقدار قرار دیا گیا ہے، جبکہ دیگر تعریفات میں یہ بات موجود نہیں۔

بیع الملامسة

(چھونے سے بیع ہو جانا)

اس بات پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ ”بیع الملامسة“ ناجائز ہے۔ علامہ ابن قدامہ بیع الملامسة اور بیع المناذرة کے عدم جواز کے بارے میں عدم اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

(۱) وَلَا نَعْلَمُ بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ خِلَافًا فِي فُسَادِ هَذَيْنِ الْبَيْعَيْنِ.

ترجمہ:- ان دونوں معاملات کے ناجائز ہونے میں اہل علم کا اختلاف ہمارے علم میں نہیں۔

احادیث کے اندر بھی اس بیع کی ممانعت وارد ہوئی ہے، چنانچہ چند روایات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

۱- عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن

بیع الملامسة. (۲)

(۱) المغنی لابن قدامة (۶/۲۹۷).

(۲) مسلم، بیوع، باب ابطال بیع الملامسة والمناذرة حدیث: (۳۷۷۳، ۳۷۷۵، ۳۷۷۶).

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الملامسہ سے منع فرمایا۔

۲- عن ابي هريرة رضي الله عنه أنه قال: نهى عن بيعتين الملامسة والمنازمة.^(۱)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کے دو معاملات یعنی بیع الملامسہ اور بیع المنازہ سے منع فرمایا۔

۳- عن أبي سعيد الخدري قال: نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين ولبستين، نهى عن الملامسة والمنازمة في البيع.^(۲)

ترجمہ:- حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بیع کے دو قسم کے معاملات اور دو قسم کے لباس سے منع فرمایا، بیع کے اندر ملاسہ اور مناظرہ سے منع فرمایا۔

بیع الملامسہ کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ اور ائمہ اربعہ کے درمیان بھی اس کی حقیقت کے بیان میں قدرے اختلاف واقع ہوا ہے۔ ذیل میں صحابہ کرامؓ اور فقہائے کرام سے مروی چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

صحابہ کرام سے مروی اقوال

۱- صحیح بخاری میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ:-
الملامسة لمس الثوب لا ينظر اليه.^(۳)

(۱) صحیح مسلم: البیوع، حدیث: (۳۷۷۸)، صحیح البخاری: البیوع، باب بیع المنازہ،

حدیث: (۲۱۳۵، ۲۱۳۶)، جامع الترمذی: البیوع، حدیث: (۱۳۱۳)،

(۱) الصحیح لمسلم، البیوع، حدیث: (۳۷۷۹، ۳۷۸۰)، صحیح البخاری: البیوع، حدیث:

(۲۱۳۷)

(۳) صحیح البخاری، البیوع، باب بیع الملامسہ، حدیث: (۲۱۳۷)،

ترجمہ:- بیع الملامہ وہ بیع ہے جس میں کپڑے کو چھونے سے بیع ہو جاتی ہے، اس کی طرف دیکھا نہیں جاتا (یعنی ایجاب و قبول بھی نہیں ہوتا اور بیع کو بھی نہیں دیکھا جاتا، محض چھونے سے بیع لازم ہو جاتی ہے)۔

۲- صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے اسی سے ملتی جلتی ایک اور تفسیر بھی مروی ہے وہ یہ ہے:-

الملامسة لمس الرجل ثوب الآخر بيده بالليل أو بالنهار ولا يقلبه إلا بذلك.^(۱)

ترجمہ:- بیع ملامہ وہ بیع ہے کہ جس میں ایک آدمی کے چھونے سے بیع لازم ہو جاتی ہے خواہ رات کو چھوئے یا دن کو اور چھونے کے علاوہ اسے کچھ الٹاتا پلٹاتا نہیں۔

ان دونوں تعریفوں کا حاصل یہی ہے کہ بیع کو دیکھے بغیر محض چھونے سے بیع ہو جاتی ہے۔

۳- حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ تفسیر مروی ہے:-

الملامسة أن يلمس كل واحد منها ثوبه، بغير تأمل.^(۲)

ترجمہ:- بیع ملامہ وہ ہے جس میں عاقدین میں سے ہر ایک دوسرے کے کپڑے کو بلا تامل چھوتا ہے اور اسی چھونے سے بیع ہو جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ تفسیر اس بات میں تو پہلی دونوں تفسیروں کے ساتھ مشترک ہے کہ اس میں بھی محض چھونے سے بیع مکمل ہو رہی ہے اور ان میں بھی محض چھونے سے بیع مکمل ہونے کا ذکر ہے، البتہ ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ اس تفسیر میں عاقدین (بیچنے والا اور خریدار) دونوں کے چھونے کے بعد بیع مکمل ہوتی ہے جبکہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی تفسیر میں صرف ایک عاقد کے چھونے سے بیع مکمل ہو جاتی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا رجحان یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ تفسیر رائج ہے کیونکہ اس میں ”ملاصۃ“ کے لفظ کو بنیاد بنا کر تفسیر کی گئی ہے۔ ملاصۃ باب مفاعلہ سے ہے جس کی ایک صفت تشارک ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ فعل دونوں جانب سے پایا جائے اور یہ بات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تعریف میں پائی جا رہی ہے^(۱)۔

فقہائے کرام سے مروی اقوال

حنفیہ

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بیع الملامۃ کی تعریف یہ ہے:-

أن يقول أبيعك هذا المتاع بكذا فإذا لمستك وجب البيع أو يقول المشتري كذلك.^(۲)

ترجمہ:- بائع خریدار سے یوں کہے میں تجھے یہ سامان اتنے میں بیچتا ہوں، پس جب میں تجھے چھوؤں گا تو بیع لازم ہو جائے گی، یا اسی طرح مشتری کہے (کہ میں تجھ سے یہ سامان اتنے میں خریدتا ہوں، پس جب میں تجھے چھوؤں گا تو بیع لازم ہو جائے گی)۔

صاحب ہدایہ علامہ ابوبکر مرغینانی رحمہ اللہ نے یہ تعریف کی ہے:-

هو أن يتراوض الرجلان على سلعة أي يتساوومان فإذا لمسها المشتري لزوم البيع.^(۳)

ترجمہ:- بیع الملامۃ یہ ہے کہ دو آدمی کسی سامان پر بھاؤ تاؤ لگا رہے

ہوں پس جب خریدار اس سامان کو چھوئے تو بیع لازم ہو جائے۔

(۱) فتح الباری، العسقلانی (احمد بن علی ابن حجر العسقلانی) لاہور، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، الطبعۃ الاولى ۱۴۰۱ھ-۱۹۸۱م (۳۵۹)۔ وهذا التفسیر أقعد بلفظ الملامۃ لأنها مفاعلة فتستدعی وجود الفعل من الجانبين.

(۲) عمدة القاری، العینی (الإمام بدر الدین العینی) بیروت، دار الفکر، (۲۶۶/۱۱)۔

(۳) الہدایۃ شرح بدایۃ المستدی، المرغینانی (برہان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی) کراتشی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، الطبعۃ الاولى ۱۴۱۷ھ (۱۰۲۵)۔

مالکیہ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بیع الملامتہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

والملامتہ أن يلمس الرجل الثوب ولا ينشره ولا يتبين ما فيه أو يتناعه ليلاً ولا يعلم ما فيه.^(۱)

ترجمہ:- بیع ملامتہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کپڑے کو چھوئے، (اور اس سے بیع لازم ہو جائے) نہ اسے پھیلانے اور نہ یہ تحقیق کرے کہ اس میں کیا عیب ہے، یا رات کو خریدے اور یہ نہ جانے کہ اس میں کیا عیب ہے (صرف اس کے چھونے سے ہی بیع ہو جائے)۔

شافعیہ

امام شافعی سے بیع ملامتہ کی درج ذیل تعریف مروی ہے:-

أن يأتي بثوب مطوي أو في ظلمة فيلمسه المستام فيقول له صاحب الثوب بعته بكذا بشرط أن يقوم لمسك مقام نظرک ولا خيار لك إذا رأيته.^(۲)

ترجمہ:- بیچنے والا شخص ایک لپٹا ہوا کپڑا لے آئے یا اندھیرے میں کپڑا لے آئے، بولی لگانے والا اس پر بولی لگائے، تو بیچنے والا شخص اس سے کہے کہ میں نے یہ کپڑا اتنے میں اس شرط پر بیچ دیا کہ تمہارا چھونا ہی دیکھنے کے قائم مقام ہوگا، لہذا جب تو اسے دیکھے گا تو تجھے کوئی خیالِ رُؤیت حاصل نہیں ہوگا۔

اس کے علاوہ شوافع سے دو اور تعریفات بھی مروی ہے جنہیں علامہ نووی نے شرح

صحیح مسلم میں ذکر کیا ہے۔^(۳)

(۱) کتاب الموطأ، مالک (الامام مالک بن انس) کراچی، نور محمد کارخانہ تجارت، الطبعۃ

الاولی ص: ۲۰۰

(۲) فتح الباری لابن حجر (۳۰۹/۳)

(۳) شرح النووی مع صحیح مسلم (۱۰/۵۵۱)

امام شافعیؒ کی بیان کردہ تعریف اور گزشتہ تعریفوں کی اصل حقیقت میں کوئی فرق نہیں البتہ ظاہری تعبیر میں تھوڑا سا فرق ہے، وہ یہ کہ وہاں بیع کو چھونے سے بیع لازم ہو جاتی ہے جبکہ اس تعریف کے مطابق بیع کو چھونا اس کے دیکھنے کے مترادف ہے لہذا بعد میں دیکھنے کے وقت خریدار کو خیالِ رؤیت حاصل نہیں ہوتا۔

حنابلہ

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے بیع الملامہ کی تعریف یوں کی ہے:-

والملامسة، أن يبيعه شيئاً ولا يشاهده، على أنه متى لمسَه وقع البيع.

ترجمہ:- کوئی شخص کسی چیز کا مطالبہ کئے بغیر اس شرط پر بیچے کہ جب اسے چھوئے گا تو بیع لازم ہو جائے گی۔

علامہ ابن قدامہؒ یہ تعریف ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

هَذَا ظاهِرُ كَلَامِ أَحْمَدَ، وَنَحْوُهُ قَالَ مَالِكٌ وَالْأَوْزَاعِيُّ^(۱).

ترجمہ:- امام احمد بن حنبل کا ظاہر کلام بھی یہی ہے اور امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ نے بھی اس جیسی تعریفات کی ہیں۔

علامہ ابن قدامہؒ کی بیان کردہ تعریف بھی حقیقت کے اعتبار سے گزشتہ تعریفات سے مختلف نہیں۔

بیع المنابذة (بیع پھینک کر بیع کرنا)

بیع الملامسة کی طرح بیع المنابذة کے عدم جواز پر بھی ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے، کتب حدیث اور فقہی کتابوں میں عام طور پر بیع الملامہ اور بیع المنابذة کا ذکر ساتھ ساتھ ملتا ہے۔ بیع المنابذة سے متعلق وارد ہونے والی روایات تقریباً وہی ہیں جو بیع الملامہ

کے ذیل میں بیان ہوئیں۔ بیع المناذۃ کی تفاسیر بھی صحابہ کرام اور ائمہ اربعہ کے مذاہب میں منقول ہیں جنہیں ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ سے مروی اقوال

۱۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے بیع المناذۃ کی تین تعریفیں مروی ہیں، پہلی تعریف

یوں ہے:-

المناذۃ ہی: طرح الرجل بثوبه بالبيع إلى الرجل قبل أن يقلبه أو ينظر إليه.^(۱)

ترجمہ:- بیع المناذۃ یہ ہے کہ کوئی آدمی کپڑے کو الٹائے یا دیکھے بغیر دوسرے کی طرف بیچنے کیلئے پھینک دے۔
دوسری تعریف یوں ہے:-

أن ينبذ الرجل إلى الرجل بثوبه، ينبذ الآخر إليه ثوبه، ويكون ذلك بيعهما من غير نظر ولا تراض.^(۲)

ترجمہ:- ایک آدمی دوسرے آدمی کی طرف کپڑا پھینکے اور دوسرا شخص اس کی طرف اپنا کپڑا پھینکے اور کپڑے کو دیکھے اور رضامندی ظاہر کئے بغیر محض یہ دیکھنا ہی ان کے درمیان بیع قرار پائے۔
تیسری تعریف یہ ہے:-

أن يقول إذا نبذت إليك الشيء، فقد وجب البيع بيني وبينك.^(۳)
ترجمہ:- بائع خریدار سے یوں کہے کہ جب میں تمہاری طرف فلاں چیز پھینک دوں تو میرے اور تمہارے درمیان بیع لازم ہو جائے گی۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی بیع المناذۃ کی تین تعریفات مروی ہیں۔

(۱) صحیح البخاری، البيوع، حدیث: (۲۵۵۱)، سنن النسائي، البيوع، حدیث: (۴۶۴۰)

(۲) صحیح مسلم، البيوع، حدیث: (۳۷۷۸)

(۳) سنن النسائي، بحوالہ بالا

پہلی تعریف یہ ہے:-

المنابذة أن يقول: أنبذ ما معي وتنبذ ما معك. يشتري أحدهما من الآخر، ولا يدري كل واحدٍ منهما كم مع الآخر.^(۱)
ترجمہ:- ایک شخص دوسرے سے یہ کہے کہ جو میرے پاس ہے، وہ میں پھینکتا ہوں اور جو تیرے پاس ہے، وہ تو پھینک تا کہ ہر ایک اس چیز کو خریدے جو دوسرے کے پاس ہے حالانکہ ان میں سے کسی کو یہ معلوم نہیں کہ دوسرے کے پاس کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی دوسری تعریف یہ ہے:-

المنابذة أن ينبذ كل واحد من المتبايعين ثوبه إلى الآخر، ولم ينظر واحد منها إلى ثوب صاحبه.^(۲)

ترجمہ:- بیع منابذة یہ ہے کہ عاقدین میں سے ہر ایک دوسرے کی طرف اپنا کپڑا پھینکے جبکہ ان میں سے کسی نے بھی دوسرے کا کپڑا نہیں دیکھا۔

یہی تعریف الفاظ کے فرق کے ساتھ سنن نسائی میں اس طرح مذکور ہے:-

المنابذة أن ينبذ الرجل إلى الرجل الثوب فينبذ الآخر إليه الثوب، فيتبايعا على ذلك.^(۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی بیع منابذة کی تیسری تعریف وہی ہے کہ

جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔^(۴)

(۱) صحیح مسلم، بحوالہ بالا۔

(۲) سنن النسائی، بحوالہ بالا۔

(۳) جامع الترمذی، البیوع، حدیث: (۱۲۳۵)۔

فقہائے کرام سے مروی اقوال

حنفیہ

علامہ ابن عابدین شامی بیع المناذہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

والمناذة أن يبيد كل واحد منهما ثوبه إلى الآخر ولا ينظر

كل واحد منهما إلى ثوب صاحبه على جعل النبد بيعاً^(۱)

ترجمہ:- بیع المناذہ یہ ہے کہ عائدین میں سے ہر ایک اپنے کپڑے

کو دوسرے کی طرف پھینکے اور کوئی ایک دوسرے کے کپڑے کی طرف

نہ دیکھے صرف کپڑا پھینکنے سے ہی بیع ہو جائے۔

علامہ مرغینانی فرماتے ہیں:-

هو أن يتراوض الرجلان على سعة أي يتساومان فإذا نبذها

إليه البائع لزم البيع^(۲)

ترجمہ:- بیع مناذہ یہ ہے کہ دو آدمی کسی سامان پر بولی لگا رہے ہوں

کہ اچانک بائع خریدار کی طرف وہ چیز پھینک دے تو اس سے بیع

لازم ہو جائے۔

مذکورہ دونوں تعریفات حقیقت کے اعتبار سے ایک جیسی ہیں کہ دونوں میں بیع کے

پھینکنے سے بیع لازم ہو رہی ہے، البتہ دونوں میں اتنا فرق ہے کہ علامہ شامی کی بیان کردہ

تعریف میں عائدین میں سے ہر ایک اپنی بیع کو پھینکتا ہے، جبکہ علامہ مرغینانی کی بیان کردہ

تعریف کے مطابق صرف بائع اپنی بیع کو پھینکتا ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شامی کی بیان کردہ تعریف زیادہ رائج ہے

کیونکہ اسم میں لفظ ”مناذہ“ کی رعایت زیادہ ہے اس کی وجہ وہی ہے جو بیع الملامتہ کی

تشریح کے ذیل میں بیان کی گئی ہے۔

(۱) رد المحتار، الشامی (العلامة محمد أمين الشهير بابن عابدین الشامی) کراچی، بیج ایم

سعید کمپنی، الطبعة الأولى ۱۴۰۶ھ (۵/۶۵)۔

(۲) الهدایة مع فتح القدیر (۵۵/۶)۔

مالکیہ

امام مالک رحمہ اللہ بیع المناذہ کی تعریف یوں فرماتے ہیں:-
 المناذة أن يَبْذ الرجل إلى الرجل ثوبه وينبذ الآخر إليه
 ثوبه على غير تأمل منهما ويقول كل واحد منهما لصاحبه:
 هذا بهذا.^(۱)

ترجمہ:- بیع المناذہ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کی طرف اور دوسرا
 پہلے کی طرف بغیر سوچے سمجھے اپنا کپڑا پھینکے اور پھر ایک دوسرے سے
 یہ کہے کہ میرا یہ کپڑا تیرے اس کپڑے کے بدلے میں ہے۔
 امام مالک رحمہ اللہ سے مروی یہ تعریف اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے
 مروی تعریفات میں سے دوسری تعریف ایک دوسرے کے بالکل قریب ہیں۔

شافعیہ

علامہ نووی رحمہ اللہ نے فقہائے شوافع کے حوالے سے بیع المناذہ کی تین
 تعریفیں ذکر کی ہیں۔

پہلی تعریف جو امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے، یہ ہے:-
 أن يجعل المتبايعان نفس النبذ بيعاً اكتفاءً عن الصيغة بأن
 يقول البائع للمشتري: إذا نبذته إليك أو نبذته إلى فقد
 بعتك بكذا.

ترجمہ:- بیع المناذہ وہ بیع ہے جس میں عاقدین محض بیع کے پھینکنے کو
 ہی بیع قرار دیں اور زبان سے ایجاب و قبول کے بجائے اسی عمل پر
 اکتفا کریں، مثلاً بائع مشتری سے یہ کہے کہ جب میں یہ چیز تیری
 طرف پھینکوں یا تو میری طرف پھینکے تو میں نے وہ چیز اتنی قیمت کے
 بدلے تجھے بیچ دی۔

دوسری تعریف یہ ہے:-

(۱) کتاب المؤطا للامام مالک بن انس ص: ۲۰۰

أن يقول بعثك فاذا نبذته إليك انقطع الخيار^(۱).

ترجمہ:- بائع خریدار سے یوں کہے کہ میں نے یہ چیز تجھے بیچی پس جب میں یہ چیز تیری طرف پھینک دوں تو اس کے بعد (تجھے یہ چیز واپس کرنے کا) کوئی اختیار نہیں رہے گا۔

تیسری تعریف یہ ہے کہ بیع الحصة ہی بیع المناذرة ہے^(۲)۔ بیع الحصة کی تعریف اسی فصل کے شروع میں گزر چکی ہے۔

حنابلہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے المغنی میں المناذرة کی تعریف یوں کی ہے:-

المناذرة أن يقول: أي ثوب نبذته إلى فقد اشتريته بكذا^(۳).

ترجمہ:- بیع المناذرة یہ ہے کہ خریدار بیچنے والے سے یوں کہے کہ جو کپڑا بھی آپ میری طرف پھینکیں گے، وہ میں اتنے میں خرید لوں گا۔ اس کے بعد فرمایا:-

هذا ظاهر كلام أحمد.

ترجمہ:- امام احمد کے ظاہری کلام کا تقاضا بھی یہی ہے۔

بیع الحصة، بیع الملامسة اور بیع المناذرة ان تینوں معاملات کے ناجائز ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کے اندر عقد میں جہالت کے اعتبار سے غرر پایا جاتا ہے۔ اور یہ پیچھے گزرا کہ عقد میں جہالت کے اعتبار سے غرر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خود عقد اس طرح انجام دیا جائے کہ اسی کی ذات میں جہالت اور غرر کی خرابی موجود ہو۔ چنانچہ ان تینوں صورتوں میں جس وقت عقد انجام دیا جا رہا ہوتا ہے اس وقت کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ بعد میں کس چیز کی یا کس شمن پر بیع واقع ہوگی، لہذا یہ عقود شرعاً ناجائز ہیں۔^(۴)

(۲) بحوالہ بالا.

(۱) شرح النووی صحیح مسلم (۱/۵۵۱).

(۳) المغنی لابن قدامة (۶/۲۹۸).

(۴) اگرچہ ان عقود کی مختلف تعریفات کے اعتبار سے عدم جواز کی بعض دیگر وجوہ بھی ذکر کی گئی ہیں لیکن چونکہ ان وجوہ کا ہمارے موضوع سے براہ راست تعلق نہیں اس لئے صرف اسی وجہ کے ذکر کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

العقد المعلق والعقد المضاف

عقد کے اعتبار سے غرر پر مبنی معاملات میں سے دو اہم عقد، عقد معلق اور عقد مضاف ہیں۔ ذیل میں ان پر قدرے تفصیل سے بحث کی جاتی ہے۔

العقد المعلق

لغوی تعریف

معلق عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا مصدر ”تعلیق“ ہے۔ لغت میں ”تعلیق“ کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک معنی ہیں ”کسی چیز کا لٹکنا“^(۱)۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:-

فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ فَتَدْرُواهَا كَالْمُعَلَّقَةِ^(۲)

ترجمہ:- ایسا نہ کرنا کہ ایک (بیوی) کی طرف ڈھلک جاؤ اور دوسری کو (ایسی حالت میں) چھوڑ دو کہ گویا وہ لٹک رہی ہے۔

معاملات کے اندر تعلیق کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی امر کا وجود کسی دوسرے معاملے کے ساتھ اس طرح مربوط ہو کہ ایک معاملہ پایا گیا تو دوسرا بھی پایا جائے گا اور اگر پہلا موجود نہ ہو تو دوسرا بھی نہ ہوگا۔ ڈاکٹر مصطفیٰ احمد الزرقاء معاملات کے اندر پائی جانے والی تعلیق کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

هو ربط حصول أمر بحصول أمر آخر^(۳)

(۱) کتاب المغرب فی ترتیب المغرب، المطرزی (ابو الفتح عبدالرشید بن علی المطرزی

۵۳۸ھ-۶۱۶ھ) بیروت، لبنان، دار الكتاب العربی ص: ۳۲۵.

(۲) القرآن (۴: ۱۲۹).

(۳) المدخل الفقہی العام، الزرقاء (الشیخ مصطفیٰ أحمد الزرقاء) دمشق، مطابع ألف با

الأدیب، الطبعة التاسعة ۱۹۶۷م (۱/۵۰۳).

ترجمہ:- تعلیق کسی ایک معاملے کے حصول پر دوسرے معاملے کے مربوط ہونے کا نام ہے۔

تعلیق کی اس تعریف کے اندر مذکورہ لغوی معنی کی حقیقت پوری طرح موجود ہے کہ اس میں بھی کسی معاملے کا وجود کسی دوسرے فعل یا واقعہ کے پائے جانے کے ساتھ لٹکا ہوا ہوتا ہے کہ اگر دوسرا معاملہ پایا جائے تو یہ وجود میں آتا ہے ورنہ نہیں آتا۔

اصطلاحی تعریف

شرعی اصطلاح میں عقد معلق سے مراد ایسا معاملہ ہے جس کا وجود کسی ایسے فعل یا واقعہ کے ساتھ معلق ہو، جو اس وقت موجود نہ ہو اور بعد میں اس کا پایا جانا ممکن تو ہو لیکن یقینی نہ ہو۔ جیسے کوئی شخص دوسرے سے یہ کہے کہ اگر زید یہاں آیا تو میں نے یہ مکان ایک لاکھ روپے میں تجھے فروخت کیا۔ اب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زید زندگی بھر وہاں نہ آئے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زید دوسرے ہی دن وہاں آجائے۔ گویا اس کا آنا ممکن تو ہے لیکن یقینی نہیں، یہ اور اس جیسے واقعات و افعال سے کسی عقد کو معلق کرنے سے وہ عقد ”معلق“ بن جاتا ہے۔^(۱)

مذکورہ تعریف سے معلوم ہوا کہ کسی معاملے کے عقد معلق بننے کے لئے دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ جس فعل یا واقعہ کے ساتھ اسے معلق کیا گیا ہو، وہ اس وقت موجود نہ ہو۔

۲۔ اس کا پایا جانا ممکن ہو، یقینی نہ ہو۔

لہذا اگر وہ فعل عقد کے وقت موجود ہو یا اس کا پایا جانا محال ہو تو اسے عقد معلق نہیں کہا جائے گا۔ چنانچہ شیخ مصطفیٰ احمد الزرقاء لکھتے ہیں:-

لکی یکون الکلام تعلیقاً بالمعنی الحقیقی فی اصطلاح

الفقهاء یجب أن یکون الأمر المعلق علیہ وهو الشرط

معدوماً علی خطر الوجود، فلو کان متحقق الوجود حین

(۱) أحكام المعاملات الشرعية، الخفیف (الأستاذ علی الخفیف) طبع علی نفقة بنك البركة

التعلیق کان فی الکلام تنجیزاً فی صورة التعلیق کقول
القائل: إن كنت حیا فقد بعثک هذا الشئ ولو کان
مستحیل الوجود کان التعلیق إبطالاً.^(۱)

ترجمہ:- فقہاء کی اصطلاح کے مطابق تعلیق حقیقی پائے جانے کے لئے
ضروری ہے کہ معلق علیہ یعنی شرط اس وقت موجود نہ ہو اور اس کا پایا
جانا ممکن ہو۔ لہذا اگر وہ کلام کے وقت موجود ہوگی تو یہ کلام ”منجز“
سمجھا جائے گا، اگرچہ دیکھنے میں تعلیق ہوگی جیسے کوئی شخص (کسی زندہ
شخص سے) یوں کہے کہ اگر تو زندہ ہے تو میں نے تجھے یہ چیز بیچی اور
اگر اس کا پایا جانا ہی محال ہو تو یہ تعلیق باطل ہوگی۔

تعلیقِ صوری اور اس کی اقسام

لیکن بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ معاملات کو ایسے فعل یا واقعہ کے ساتھ معلق
کر دیا جاتا ہے جو پہلے سے موجود ہو یا اس کا ہونا محال ہو۔ ایسی تعلیق کو فقہائے کرام ”تعلیقِ
صوری“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ تعلیقِ صوری کی تین صورتیں ہیں۔
پہلی صورت

پہلی صورت یہ ہے کہ عقد کو کسی ایسے فعل کے ساتھ معلق کیا جائے جو پہلے سے
موجود ہو جیسے کوئی شخص دوسرے سے یوں کہے کہ اگر زید کا آپکے ذمہ ایک ہزار روپے قرض
ہے تو میں اسکی ادائیگی کا ضامن ہوں اور دوسرا شخص اسے قبول کر لے۔ حالانکہ اسے یہ
معلوم تھا کہ واقعہ زید کا اس شخص کے ذمہ ایک ہزار روپے قرض ہے تو اس صورت میں یوں
سمجھا جائے گا کہ گویا یہ کفالت منجز (فوری) تھی، معلق نہیں تھی۔

(۱) المدخل الفقہی العام، الزرقاء (الشیخ مصطفى أحمد الزرقاء) دمشق، مطبع ألف با الأدیب،
الطبعة الاولى ۱۹۶۷ م ص: ۵۰۵۔

دوسری صورت

دوسری صورت یہ ہے کہ عقد کو کسی ایسے فعل یا واقعہ کے ساتھ معلق کیا جائے جس کا پایا جانا محال ہو جیسے کوئی شخص یوں کہے کہ اگر آسمان گر گیا تو پھر میں نے تجھے یہ مکان ایک لاکھ روپے میں دے دیا۔ ظاہر ہے کہ قیامت سے پہلے آسمان کا نیچے گرنا محال ہے۔ چونکہ ایسی تعلیق کا پورا ہونا محال ہوتا ہے لہذا اس تعلیق کی بنیاد پر عقد ہونا بھی محال ہے اور عام طور پر ایسی تعلیق عقد کے محال ہونے کو ذکر کرنے کے لئے کی جاتی ہے۔ ایسا عقد سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا۔

الاستاذ علی الخفیف تعلیق صوری کی ان دونوں قسموں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

فإن كان ذلك الأمر المعلق عليه موجوداً وقت التعليق كان التعليق صورياً وكان العقد منجزاً وإن كان ذلك الأمر غير موجود ولكنه مستحيل الوجود فإن العقد لا ينعقد أصلاً ويكون الغرض من التعليق هو إيدان المخاطب باستحالة إنشاء هذا العقد.^(۱)

ترجمہ:- اگر معلق علیہ معاملہ تعلیق کے وقت موجود ہو تو وہ تعلیق صوری ہوگی اور عقد منجز ہوگا اسی طرح اگر معلق علیہ معاملہ اگرچہ اس وقت تک موجود نہ ہو لیکن اس کا ہونا بھی محال ہو تو ایسی صورت میں عقد بالکل منعقد ہی نہ ہوگا، ایسی تعلیق سے اصل مقصود مخاطب کو یہ بتلانا ہوتا ہے کہ ایسا عقد ہونا محال ہے۔

تیسری صورت

تیسری صورت یہ ہے کہ عقد کو کسی ایسے فعل کے ساتھ معلق کیا جائے کہ اس کے

(۱) أحكام المعاملات الشرعية، ص: ۲۶۶

..... الغرر وأثره في العقود ص: ۱۵۷

..... المدخل في الفقه الإسلامي، الشلبی (الدكتور محمد مصطفى الشلبی، عضو مجمع البحوث الإسلامية بالأزهر) بیروت، الدار الجامعة، الطبعة العاشرة ۱۴۰۵ھ، ۱۹۹۵م، ص: ۵۷۳.

ساتھ تعلیق میں کوئی فائدہ نہ ہو بلکہ تعلیق اور عدم تعلیق دونوں برابر ہوں جیسے کوئی شخص یوں کہے کہ اگر تم چاہو تو میں تجھے یہ سامان اتنے روپے میں فروخت کرتا ہوں۔

یہ تعلیق صوری کی پہلی قسم کی طرح ”عقد منجز“ کے حکم میں ہے اس لئے کہ یہ بات واضح ہے کہ عقد اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ ایجاب کے بعد دوسری جانب سے قبول نہ پایا جائے، کیونکہ ایجاب دراصل اپنی خواہش کے اظہار کا نام ہے۔ لہذا وہ اس عقد کی تکمیل دوسرے کی رضا اور مشیت پر موقوف کرے یا نہ کرے اور اس کا تذکرہ کرے یا نہ کرے، اس عقد کے تکمیل کے لئے دوسرے کی مشیت اور رضا مندی ہمیشہ ضروری ہے، لہذا اس کا ذکر کرنا اور نہ کرنا برابر ہے۔^(۱)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ تعلیق صوری کی تین صورتوں میں سے پہلی اور تیسری صورت ”عقد منجز“ کے حکم میں ہے اور دوسری صورت میں عقد بالکل منعقد ہی نہیں ہوتا کیونکہ وہ عقد کے محال ہونے کو بیان کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ لہذا فقہائے کرام جب عقد معلق کے احکام کی تفصیل بیان کرتے ہیں تو اس سے وہ عقد معلق مراد ہوتا ہے جس میں ”تعلیق حقیقی“ پائی جائے (جس کی تعریف پیچھے گزر چکی)۔

تعلیق قبول کرنے کے اعتبار سے عقود کی اقسام

تعلیق کو قبول کرنے یا نہ کرنے کے اعتبار سے عقود کی کل تین قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ عقود جن کے اندر تعلیق مطلقاً ناجائز ہے ان میں عقود التملیک اور عقود التقید

شامل ہیں۔

۲۔ وہ عقود جن کے اندر تعلیق مطلقاً جائز ہے، اس میں اسقاطات اور التزامات

کے عقود داخل ہیں۔

۳۔ وہ عقود جن میں شرط ملائم کے ساتھ تعلیق جائز ہے، شرط غیر ملائم کے ساتھ

جائز نہیں۔ اس میں اطلاقات، ولایات اور تحریضات شامل ہیں۔^(۲)

(۱) الفرر وأثره فی العقود ص: ۱۵۷..... أحكام المعاملات الشرعية ص: ۲۶۵.

(۲) الدر المختار للحصکفی (۲۴۱/۵).

تشریح

۱۔ وہ عقود جنہیں کسی شرط کے ساتھ معلق نہیں کیا جاسکتا

پہلی قسم کے عقود جنہیں کسی شرط کے ساتھ معلق نہیں کیا جاسکتا، وہ ہیں جن کے اندر ملکیت کا انتقال پایا جائے خواہ کسی چیز کے عین کی ملکیت منتقل ہو جیسے بیع یا اسکے منافع منتقل ہوں جیسے اجارہ۔ انہیں عقود التملیک کہا جاتا ہے ان میں بیع و شراء، اجارہ، مزارعت، مساقاة، صلح علی مال (مال کے بدلے صلح کرنا) اور ابراء عن الدین (کسی کو قرض معاف کرنا) شامل ہیں۔ اور عقود التقييد یعنی وہ معاملات بھی شامل ہیں جن میں کوئی قید پائی جائے جیسے وکیل کو معزول کرنا یا وہ غلام جسے تجارت کرنے کی اجازت تھی اس پر پابندی لگانا اور طلاق سے رجوع کرنا وغیرہ۔ انہیں عقود التقييد اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں دوسرے کے اختیارات کو ختم (یعنی اسے مقید) کیا جاتا ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

وذلك أن في الوكالة والإذن للعبد إطلاقاً عما كانا ممنوعين عنه من التصرف في مال الموكل والمولى وفي العزل والحجر تقييد لذلك الإطلاق، وكذا في الرجعة تقييد للمرأة عما أطلق لها بالطلاق من حقوق الزوجية.^(۱)

ترجمہ:- یہ عقود التقييد اس لئے ہیں کہ وکالت اور غلام کے لئے تجارت کی اجازت میں موكل اور مولى کے مال کے اندر تصرف کرنے کی اجازت تھی لیکن معزول کرنے اور مہجور کرنے سے اس اطلاق پر قید لگ گئی، اسی طرح طلاق سے رجوع کرنے سے عورت کو شوہر کے حقوق کی ادائیگی سے جو آزادی ملی تھی، وہ مقید ہو گئی۔

ضروری وضاحت

یہاں پر درج ذیل دو باتیں ذہن نشین کرنا ضروری ہیں۔

- ۱- یہاں پر ذکر کردہ حکم ان عقود التملیک سے متعلق ہے جن کے اندر کسی مالی معاوضے کے بدلے ملکیت منتقل ہو۔ لہذا جبہ اس حکم سے خارج ہے۔
- ۲- بیع معلق کو اگرچہ کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا جائز نہیں لیکن فقہاء کرام نے کسی تیسرے شخص کی رضامندی پر عقد کو معلق کرنے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ علامہ شامی اس صورت کا استثناء کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

إلا في صورة واحدة وهي أن يقول بعت منك هذا إن رضى فلان فإنه يجوز إن وقته بثلاثة أيام لأنه اشترط الخيار إلى أجنبي وهو جائز.^(۱)

ترجمہ:- (بیع المعلق کے حکم سے) ایک صورت مستثنیٰ ہے، وہ یہ کہ کوئی شخص یوں کہے کہ اگر فلاں شخص راضی ہوا تو میں نے تجھے یہ چیز فروخت کر دی۔ یہ صورت جائز ہے بشرطیکہ خیار تین دن کا ہو اس لئے کہ اس میں اس نے ایک اجنبی شخص کے لئے خیار رکھا ہے جو کہ جائز ہے۔

تعلیق کے ناجائز ہونے کی وجوہ

مذکورہ عقود میں تعلیق کے ناجائز ہونے کی درج ذیل وجوہ ہیں:-

۱- غرر

ان سب کے اندر تعلیق کے ناجائز ہونے کی ایک بنیادی وجہ تو غرر (Uncertainty) ہے، اس لئے کہ مذکورہ شرائط کے پائے جانے سے عقد کے اندر غیر یقینی کیفیت پیدا ہوتی ہے کیونکہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جس شرط کے ساتھ عقد کو معلق کیا گیا ہے، وہ شرط پائی جائے گی یا نہیں۔ چنانچہ شیخ علی الحنفی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:-

وذلك لما في التعليق من غرر يتنافى مقتضى هذه العقود.

ترجمہ:- یہ اس لئے ناجائز ہیں کہ ان کے اندر تعلیق کی وجہ سے ایسا

غرر (Uncertainty) پیدا ہوتا ہے جو ان عقود کے مقتضی کے خلاف ہے۔

آگے اس غرر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

وذلك لأننا إذا صححنا البيع مثلاً مع تعليقه فماذا يكون الحال قبل تحقق الشرط المعلق عليه أيمنع البائع من أن يتصرف في المبيع وهو ملكه وذلك ما يتنافى مع الملك، وإذا منع فبالى أى أمد وقد لا يتحقق الشرط، وذلك هو عين الغرر.^(۱)

ترجمہ:- اور اس میں غرر اس لئے ہے کہ اگر ہم بیع کو تعلیق کے ساتھ درست قرار دیں تو تحقق شرط سے پہلے اس عقد کی کیا حیثیت ہوگی؟ کیا بائع کو مبیع (Subject Matter) کے اندر تصرف کرنے سے روکا جائے گا حالانکہ یہ اس کی ملکیت میں ہے اور یہ عمل ملکیت کے منافی ہے اور اگر ہم اسے روکیں تو کب تک روکتے رہیں نیز کبھی تو شرط بھی نہیں پائی جاتی اور یہ بعینہ غرر ہے۔

ڈاکٹر صدیق الضریح کا کہنا ہے کہ تعلیق کی وجہ سے عقود التملیک کے اندر کئی اعتبار سے غیر یقینی کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثلاً معلق علیہ پایا جائے گا یا نہیں، اگر پایا جائے گا تو کس وقت ہوگا اور اگر ہوگا تو کیا اس وقت تک متعاقدین اس عقد کو کرنے پر راضی رہیں گے یا نہیں؟ وغیرہ۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:-

فإن كلا المتبايعين لا يدري هل يحصل الأمر المعلق عليه فيتم البيع أم لا يحصل فلا يتم كما لا يدري متى يحصل في حالة حصوله وقد يحصل في وقت تكون رغبة المشتري أو

البائع قد تغیرت، ففي البيع المعلق غرر من حيث حصوله وعدمه وفيه غرر أيضاً من حيث وقت حصوله وفيه غرر كذلك من حيث تحقق الرضاء وعدمه عند حصول المعلق عليه^(۱).

ترجمہ:- متعاقدين میں کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ معلق علیہ حاصل ہو جائے گا تا کہ بیع مکمل ہو یا نہیں ہوگا تا کہ بیع تام نہ ہو، اسی طرح انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اگر حاصل بھی ہو جائے تو کب ہوگا نیز کبھی ایسے وقت پر حاصل ہوتا ہے کہ متعاقدين میں سے ایک فریق تو راضی ہوتا ہے لیکن دوسرے فریق کی رائے بدل چکی ہوتی ہے۔ لہذا بیع معلق میں تین اعتبار سے غرر ہے، (ایک) معلق علیہ کے حاصل ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے، (دوسرے) حاصل ہونے کی صورت میں اس کے وقت حصول کے اعتبار سے، (تیسرے) حاصل ہونے کی صورت میں متعاقدين کی رضامندی کے پائے جانے کے اعتبار سے۔

ب۔ قمار

حنفیہ کے ہاں عقود التملیک میں تعلیق کی صورت میں غرر کے علاوہ قمار کی خرابی بھی پائی جاتی ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

ولما كانت هذه تملیکات للحال لم یصح تعلیقها بالخطر
لوجود معنی القمار^(۲).

ترجمہ:- چونکہ یہ معاملات فوری تملیک کے مقتضی ہوتے ہیں اس لئے انہیں خطر پر مبنی کسی معاملے کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں کیونکہ اس میں قمار کے معنی پائے جاتے ہیں۔

(۱) الغرر فی العقود وآثاره فی التطبيقات المعاصرة، الضریب (الدكتور الصديق محمد الأمين الضریب) جدة، المعهد الاسلامی للبحوث والتدريب، الطبعة الاولى ۱۴۱۲ھ-۱۹۹۳م ص: ۱۷۱.
(۲) رد المحتار (۲۵۷/۵).

ج۔ عدم تحقق رضا

تیسری خرابی یہ ہے کہ تعلیق کی صورت میں متعاقدین کی رضامندی کا پایا جانا یقینی نہیں ہوتا۔ علامہ قرافی فرماتے ہیں:-

إن انتقال الأملاك يعتمد الرضى والرضى إنما يكون مع
الجزم ولا جزم مع التعليق. فإن شأن المعلق عليه أن يكون
يعترضه عدم الحصول.^(۱)

ترجمہ:- بلاشبہ ملکیت کا منتقل ہونا رضامندی پر موقوف ہے اور رضامندی جزم و یقین کی حالت میں پائی جاتی ہے جبکہ تعلیق کی صورت میں جزم نہیں ہوتا کیونکہ معلق علیہ کے بارے میں یہ امکان ہوتا ہے کہ وہ حاصل نہ ہو۔

۲۔ وہ عقود جن کے اندر تعلیق جائز ہے

دوسری قسم کے عقود وہ ہیں جن کے اندر تعلیق جائز ہے۔ اس میں تین طرح کے معاملات شامل ہوتے ہیں:-

۱۔ الإسقاطات المحضة

یعنی وہ معاملات جن میں اپنا حق ساقط کیا جاتا ہے جیسے طلاق، خلع، عتاق اور ثبوت شفعہ کے بعد اس سے دستبردار ہونا۔ لہذا اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہتا ہے کہ اگر تم زید کے گھر گئی تو تجھے طلاق یا مولیٰ اپنے غلام سے کہتا ہے کہ اگر تو نے فلاں نیک کام کیا تو تو آزاد، یا ایک پڑوسی جسے حق شفعہ مل چکا تھا، اپنے پڑوسی (جس نے زمین فروخت کی) سے کہتا ہے کہ اگر یہ زمین زید نے خریدی ہے تو میں اپنے حق شفعہ سے دستبردار ہوتا ہوں، تو ان لوگوں کا یہ کہنا صحیح ہوگا اور جب متعلقہ شرائط پائی جائیں گی تو جزاء منعقد ہو جائیگی لہذا پہلی مثال میں زید کے گھر جانے سے بیوی پر طلاق واقع ہو جائیگی دوسری مثال میں مطلوبہ نیک عمل کرنے سے غلام آزاد ہو جائیگا اور تیسری مثال میں اگر یہ ثابت ہو گیا کہ اس زمین کا خریدار زید ہے تو شفعہ کا حق شفعہ ختم ہو جائیگا۔

ب۔ التزامات

یعنی وہ عقود جس میں کوئی چیز اپنے اوپر لازم کی جاتی ہے جیسے عقد وکالت، حوالہ، نذر، وصی بنانا، کاروبار میں پنا شریک بنانا، کسی کو اپنا مضارب بنانا، قضاء اور امارۃ وغیرہ۔ لہذا اگر کسی نے ان عقود کو کسی شرط کے ساتھ معلق کر دیا مثلاً ایک شخص نے وکالت کے عقد کو معلق کرتے ہوئے کسی سے کہا کہ اگر تم بازار میں فلاں چیز دیکھو تو میری طرف سے اسے خریدنے کے وکیل ہو یا نذر کے عقد کو معلق کرتے ہوئے کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو ایک دن روزہ رکھوں گا اور وصی بنانے کے عقد کو معلق کرتے ہوئے کسی سے کہے کہ اگر میرا انتقال اس حال میں ہوا کہ میری اولاد زندہ ہوئی تو تم میری طرف سے ان کے وصی ہو وغیرہ تو یہ تعلیقات درست ہوں گی اور یہ عقود بھی جائز رہیں گے۔^(۱)

تعلیق کے ناجائز نہ ہونے کی وجہ

ان عقود کے اندر تعلیق کے ناجائز نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تعلیق کی صورت میں بھی ان کے اندر غیر ممنوع کی خرابی پیدا نہیں ہوتی کیونکہ استقاطات اور التزامات ایسے عقود ہیں کہ ان میں کسی شخص کا اپنی طرف سے کسی حق کو ساقط کرنا یا کسی عمل کا التزام کرنا پایا جاتا ہے لہذا وہ اپنے فعل کا واقع ہونا جس حال میں پسند کرے گا، اسی حال میں وہ فعل منعقد ہوگا۔ ان عقود کا ایک حکم یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اگر ان کے ساتھ کوئی شرط فاسد لگائی گئی تو اس کی وجہ سے بھی یہ عقود فاسد نہیں ہوں گے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-
ما جاز تعلیقہ لم یبطل بالشرط الفاسد۔^(۲)

ترجمہ:- وہ معاملہ جس میں تعلیق جائز ہے، وہ شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا۔

اس اصول کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں داخل شرکت اور مضاربیت کے معاملات بھی

(۱) احکام المعاملات الشرعية ص: ۲۷۱۔

(۲) شرح الأشباہ والنظائر، ابن نجیم (زین الدین بن ابراہیم المعروف بابن نجیم الحنفی المتوفی

۹۷۰ھ) کراتشی، إدارة القرآن و العلوم الاسلامیة، الطبعة الاولى ۱۴۱۸ھ (۱/۳۶۷)۔

شرط فاسد سے فاسد نہ ہوں لیکن علامہ شامی کا کہنا ہے کہ شرکت اور مضاربیت میں یہ قاعدہ علی الاطلاق جاری نہیں ہوتا بلکہ ان میں بعض شروط فاسدہ ایسی ہیں کہ وہ خود فاسد ہو جاتی ہیں لیکن عقد فاسد نہیں ہوتا جبکہ کچھ شرائط ایسی بھی ہیں کہ ان کی وجہ سے یہ عقود فاسد ہو جاتے ہیں چنانچہ آپ ان کی تفصیل نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

فی البزازیة: الشركة تبطل ببعض الشروط الفاسدة دون بعض، حتى لو شرط التفاضل في الوضیعة لا تبطل وتبطل باشتراط عشرة لأحدهما. وفيها: لو شرط صاحب الألف العمل على صاحب الألفين والربح نصفين لم يجز الشرط والربح بينهما أثلاثاً. (وكذا المضاربة) كما لو شرط نفقة السفر على المضارب بطل الشرط وجازت. بزازیة. وفيها: ولو شرط من الربح عشرة دراهم فسدت لا لأنه شرط بل لقطع الشركة. دفع إليه الفأعلى أن يدفع رب المال للمضارب أرضاً يزرعها سنة أو داراً للسكنى بطل الشرط وجازت ولو شرط ذلك على المضارب لرب المال فسدت لأنه جعل نصف الربح عوضاً عن عمله وأجرة الدار اهـ. وبه علم أنها تفسد ببعض الشروط كالشركة.^(۱)

ترجمہ:- فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ شرکت بعض شروط فاسدہ سے فاسد ہو جاتی ہے اور بعض سے نہیں ہوتی لہذا اگر نقصان ہونے کی صورت میں براہ راست نقصان کے اندر (رأس المال کے بقدر نقصان برداشت کرنے کے بجائے) کمی بیشی کی شرط لگا دی تو عقد فاسد نہ ہوگا لیکن اگر ایک فریق نے یہ شرط لگائی کہ میں تو ہر دس درہم کے بدلے ایک درہم لوں گا خواہ نفع ہو یا نقصان تو اس سے عقد فاسد جائے گا۔

اور اگر ایک ہزار درہم والے نے دو ہزار درہم والے کے بارے میں یہ شرط لگائی کہ وہ بھی کام کرے گا اور نفع آدھا ہوگا تو یہ شرط ناجائز ہوگی (لیکن عقد فاسد نہ ہوگا لہذا) نفع دونوں کے درمیان اثلاً تقسیم ہوگا (یعنی دو ہزار والے کو دو تہائی اور ایک ہزار والے کو ایک تہائی ملے گا) اسی طرح مضاربیت کے اندر اگر رب المال نے یہ شرط لگائی کہ سفر کا خرچہ مضارب برداشت کرے گا تو یہ شرط فاسد ہو جائے گی لیکن عقد جائز ہوگا۔ لیکن اگر رب المال نے یہ شرط لگائی کہ (خواہ نفع ہو یا نقصان) میں دس درہم لوں گا تو اس سے عقد فاسد ہو جائے گا، یہ فساد اس لئے نہیں آئے گا کہ یہ شرط ہے بلکہ اس سے شرکت کا قطع ہونا لازم آتا ہے۔ اگر مضارب نے ایک ہزار اس شرط پر دیا کہ رب المال اسے ایک سال کے لئے زمین دے گا تاکہ وہ اس پر کچھ کاشت کرے یا گھر دیا تاکہ وہ اس پر رہائش اختیار کرے تو شرط باطل ہو جائے گی اور عقد جائز رہے گا اور اگر یہ شرط مضارب پر رب المال کے لئے لگائی گئی تو عقد فاسد ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں اس نے اپنے آدھے نفع کو اس عمل اور گھر کی اجرت کا عوض بنایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مضاربیت بھی شرکت کی طرح بعض شروط فاسدہ سے فاسد ہو جاتی ہے۔

تیسری قسم کے عقود

تیسری قسم کے عقود وہ ہیں جن میں شرط ملائم کے ساتھ تعلیق جائز ہے، شرط غیر ملائم کے ساتھ جائز نہیں۔ اس میں ہبہ، حوالہ، کفالت اور ابراء عن الکفالتہ داخل ہیں۔ علامہ حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

(۱) وتصح تعلیق ہبہ وحوالہ وکفالتہ وبراء عنها بملائم.

ترجمہ:- ہبہ، حوالہ، کفالتہ اور ابراء عن الکفالتہ کی تعلیق شرط ملائم کے ساتھ جائز ہے۔

شرط ملائم

شرط ملائم سے مراد ایسی شرط ہے جس سے موجب عقد میں اور تاکید پیدا ہو یا وہ معاملہ عرفاً یا شرعاً اس شرط کا تقاضا کرتا ہو، جیسے کوئی حاکم کسی شخص سے یوں کہے کہ اگر تو فلاں شہر پہنچ گیا تو میں نے تجھے اس کا قاضی مقرر کیا، یا سپہ سالار کسی مجاہد سے کہے کہ اگر تو نے فلاں شخص کو قتل کیا تو اس کا ساز و سامان تیرا ہوگا۔ اور تقاضا کرنے کی مثال جیسے کفالتہ کے اندر کوئی شخص یوں کہے کہ اگر فلاں شخص نے تمہارا قرضہ ادا نہ کیا تو میں اس کا ضامن ہوں یا حوالہ کے اندر جیسے مقروض قرض خواہ سے کہے کہ اگر میں نے کل تمہارا قرض ادا نہ کیا تو پھر اس کا حوالہ فلاں شخص کی طرف منتقل ہوگا یعنی میرے علاوہ اس سے بھی مطالبہ کرنے کا حق ہوگا۔^(۱)

صرف شرط ملائم کے جائز ہونے کی وجہ

ان عقود کے اندر صرف شرط ملائم کے جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں غیر ملائم شرط کے ساتھ مقید کرنے سے ان کے اندر لہو اور ہزل کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو کہ ان عقود کے منافی ہے۔ الشیخ علی الحنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

إذا علق بشرط غیر ملائم فلا تصح کأن یقول شخص
لآخر: أن نجح ابنک فی الامتحان فأنا ضامن لدینک من
قبل فلان أو إن نجح ابنی فی الامتحان فقد أحلتک علی
فلان، أو إن أمطرت السماء الیوم فقد أذنت لک بالتجارة.
سواء تحققت هذه الشروط فیما بعد أم لم يتحقق لأن

(۱) رد المحتار (۲۴۱/۵)۔

..... احکام المعاملات الشرعیة ص: ۲۷۱۔

..... کفالتہ میں شرط ملائم کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: المسوط ج: ۱۹ ص: ۱۷۵، ۱۷۶۔

تعلیقہا بشرط غیر ملائم ما لا یتظهر فیہ غرض صحیح
 فیکون ضرباً من اللہو والہزل والا تصح العقود مع الہزل^(۱)
 ترجمہ:- انہیں شرط غیر ملائم کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں جیسے ایک شخص
 دوسرے سے یوں کہے کہ اگر تمہارا بیٹا امتحان میں کامیاب ہو گیا تو
 میں تمہارے اس قرضے کا ذمہ دار ہوں جو فلاں شخص کی جانب سے تم
 پر واجب ہے، یا اگر میرا بیٹا امتحان میں کامیاب ہو گیا تو میں تمہارے
 قرض کا حوالہ فلاں پر کر دوں گا، یا اگر آج بارش ہو گئی تو میں نے تجھے
 تجارت کی اجازت دی۔ (یہ تعلیق اس لئے صحیح نہیں کہ) غیر ملائم شرط
 جس میں کوئی غرض صحیح نہ ہو ایک قسم کا لہو اور ہزل ہے اور ان عقود
 میں ہزل صحیح نہیں۔

العقد المضاف

لغوی اور اصطلاحی تعریف

”مضاف“ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے اضافت کیا گیا۔ یہاں پر
 اضافت سے مراد ”زمانہ مستقبل“ کی طرف اضافت ہے۔ لہذا ”عقد مضاف“ سے ایسا عقد
 مراد ہے کہ جس کے اندر کسی فعل کے متعلق حکم کی اضافت مستقبل کی طرف ہو کہ اس آنے
 والے زمانے تک اس کے حکم کی تاثیر مؤخر ہو جائے۔ امام شمس علامہ اکمل کے حوالے سے
 ”اضافت“ کی تعریف نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

تأخیر حکمہ عن وقت التکلم إلى زمان یذکر بعده بغير
 ذکر کلمة شرط^(۲)

(۱) أحكام المعاملات الشرعية ص: ۲۷۲

(۲) حاشیہ تبیین الحقائق، الشلبی (الإمام الشیخ محمد الشلبی ۱۱۹۰ھ-۱۲۶۳ھ) بیروت

لبنان، دارالکتب العلمیة الطبعة الاولى ۱۴۲۰ھ-۲۰۰۰م (۳/۳۵)۔

ترجمہ:- بات کرنے کے وقت سے کسی آئندہ آنے والے زمانے تک حکم کا اس طرح مؤخر ہونا کہ اس کلام میں کسی کلمہ شرط کو ذکر نہ کیا جائے۔
 الشیخ مصطفیٰ احمد الزرقاء "اضافت الی الاستقبال" کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-
 ھی تاخیر حکم التصرف القولی المنشأ الی زمن مستقبل
 معین۔^(۱)

ترجمہ:- کسی پیدا شدہ تصرف قوی کے حکم کا کسی متعین زمانہ مستقبل کی طرف مؤخر ہونے کا نام "اضافت الی الاستقبال" ہے۔

تعلیق اور اضافت میں فروق

ظاہر میں تعلیق اور اضافت کے درمیان کوئی فرق نظر نہیں آتا، اس لئے کہ دونوں صورتوں میں حکم کی تاثیر مؤخر ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے درمیان کچھ فروق موجود ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں۔

پہلا فرق

پہلا فرق یہ ہے کہ اضافت کے اندر سبب مؤخر نہیں ہوتا بلکہ صرف حکم کی تاثیر مؤخر ہوتی ہے جبکہ تعلیق کی صورت میں سبب بھی مؤخر ہو جاتا ہے۔ اسے بذریعہ مثال یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ "انت طالق" کا جملہ بیوی پر فی الحال طلاق واقع ہونے کا سبب ہے لیکن اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ "انت طالق ان دخلت الدار" (اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق) تو ایسی صورت میں یہ جملہ فی الحال طلاق واقع ہونے کا سبب نہ رہا بلکہ اس تعلیق نے وجود شرط تک اس سبب کو مؤخر کر دیا لہذا جب یہ سبب پایا جائے گا (یعنی بیوی اس گھر میں داخل ہوگی) تو یہ سبب مفیضی الی الحکم ہوگا اور طلاق واقع ہو جائے گی۔
 اس کے برعکس اگر ایک شخص اپنی بیوی سے یہ کہتا ہے کہ "انت طالق غدا" (تجھے

آئندہ کل طلاق) اس صورت میں "انت طالق" وقوع طلاق کا فوری سبب تو بن رہا ہے۔ لیکن اس کا حکم فوری ظاہر نہیں ہو رہا بلکہ آئندہ کل ظاہر ہوگا۔ لہذا معلوم ہوا کہ اضافت سبب کو ختم نہیں کرتی بلکہ حکم کو مؤخر کر دیتی ہے، جبکہ تعلیق کے اندر سبب ہی مؤخر ہو جاتی ہے۔ علامہ شامی اس فرق کو ان الفاظ میں ذکر فرماتے ہیں:-

ثم الفرق بين التعليق والإضافة: هو أن التعليق يمنع المعلق عن السببية للحكم فإن نحو أنت طالق سبب للطلاق في الحال، فإذا قال أنت طالق إن دخلت الدار منع انعقاده سبباً للحال وجعله متأخراً إلى وجود الشرط، فعند وجوده ينعقد سبباً مفضياً إلى حكمه وهو الطلاق. وأما الإيجاب المضاف مثل أنت طالق غداً فإنه ينعقد سبباً للحال لانتفاء التعليق المانع من انعقاد السببية، لكن يتأخر حكمها إلى الوقت المضاف إليه فالإضافة لا تخرجه عن السببية بل توخر حكمه بخلاف التعليق.^(۱)

ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی اس فرق کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

ويختلف المعلق على شرط عن المضاف للمستقبل في أن العقد المعلق لا ينعقد إلا حين وجود الشرط المعلق عليه أما المضاف للمستقبل فهو المنعقد في الحال، ولكن آثاره لا يسرى إلى مفعولها إلا في المستقبل المضاف إليه.^(۲)

ترجمہ:- شرط سے معلق معاملہ مضاف الی المستقبل معاملے سے اس اعتبار سے مختلف ہے کہ عقد معلق اس وقت تک منعقد نہیں ہوتا جب

(۱) رد المحتار (۲۵۵/۵)۔

(۲) الفقہ الاسلامی وأدلته، الزحیلی (الدکتور وھبۃ الزحیلی) بیروت، دار الفکر، الطبعة الأولى

۱۴۰۳ھ-۱۹۸۳م (۲۳۸/۳)۔

تک کہ معلق علیہ شرط نہ پائی جائے جبکہ عقد مضاف الی المستقبل فی الحال منعقد ہو جاتا ہے لیکن اپنے مفعول کے اندر اسکے آثار اس زمانہ استقبال میں ظاہر ہوتے ہیں جسکی طرف اسکی اضافت ہوتی ہے۔

سمیت کے لئے اضافت کے مانع نہ ہونے کو علامہ حموی رحمہ اللہ نے قدرے وضاحت سے نقل کیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:-

إن الإضافة ليست بشرط حقيقة لعدم كلمة الشرط، لكنه في معنى الشرط من جهة أن الحكم يتوقف عليه، فمن حيث أنه ليس بشرط لا يتأخر عنه، ولا يمنع السبب ومن حيث أنه في معنى الشرط لا ينزل في الحال. فقلنا إنه ينعقد سبباً في الحال ويقع مقارناً ويتأخر الحكم عملاً بالشبهين.^(۱)

ترجمہ:- اضافت حقیقت میں شرط نہیں ہے کیونکہ اس میں شرط کے کلمات نہیں ہوتے البتہ اس اعتبار سے شرط کے معنی میں ہے کہ حکم اس پر موقوف ہوتا ہے، لہذا اس اعتبار سے کہ یہ شرط کے معنی میں نہیں، سبب مؤخر نہیں ہوتا اور نہ ہی سبب کے لئے مانع بنتا ہے اور اس اعتبار سے یہ شرط کے معنی میں ہے اس کا اثر فوری طور پر ظاہر نہیں ہوتا، اس لئے ہم کہتے ہیں کہ یہ سبب تو فوراً بنتا ہے اور اسی وقت واقع ہوتا ہے، لیکن اس کا حکم مؤخر رہتا ہے۔ یہ حکم اس لئے ہے کہ اس کے اندر (شرط ہونے اور نہ ہونے) دونوں کی مشابہتیں موجود ہیں۔

دوسرا فرق

دوسرا فرق یہ ہے کہ تعلیق کے اندر عام طور پر حروف شرط استعمال کئے جاتے ہیں جیسے إن، إذا، متى اور کلمات وغیرہ مثلاً "أنت طالق إن دخلت الدار" جبکہ اضافت کے اندر

(۱) غمر عیون البصائر مع شرح الأشباه والنظائر، الحموی (الشیخ السید أحمد بن محمد

الحموی (۲۲/۲) - أيضاً فی تبیین الحقائق (۱۱۲/۳).

زمانہ استقبال کو بطور ظرف استعمال کیا جاتا ہے جیسے ”انت طالق غداً“۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مستقبل کے زمانہ کو بطور ظرف ذکر کرنے کے بجائے تعلیقاً ذکر کیا جائے تو اس پر تعلیق کے احکام جاری ہوں گے نہ کہ اضافت کے جیسے کوئی شخص یوں کہے کہ ”ان قدم زید فی یوم کذا فقد آجرتک داری سنة بکذا“ (اگر زید فلاں دن آیا تو میں نے اتنے کرائے کے بدلے تجھے اپنا گھر ایک سال کے لئے کرائے پر دیا)۔

الشیخ مصطفیٰ احمد الزرقاء لکھتے ہیں:-

و یصاغ التعلیق عادةً باحدى الأدوات الشرطية التي تربط بین فعلین نحو ان واذا ومتى و كلما لأن الأمر المعلق علیہ هو أفعال أو أحداث وقوعیة، وهذه الشرطیة هی التي تدخل علی الجملة الفعلیة فتجعل وقوع الحدث المتضمنه شرطاً لوقوع الأمر المعلق المشروط، فلا بد فی التعلیق من جملتین یربط بینهما بأداة شرطیة..... وتصاغ الإضافة عادة بذكر الزمن علی سبیل الظرفیة للمتصرف الانشائی المضاف فإذا صیغت الإضافة بطریق التعلیق علی مجئی الزمن، واستعلمت فیها أدوات التعلیق الشرطیة السالفة^(۱) البیان اعتبرت تعلیقاً لا إضافة.

تیسرا فرق

علامہ صدر الشہید نے ایک فرق یہ ذکر کیا ہے کہ اگر کسی فعل کے بعد دو شرائط ذکر کر کے ان دونوں کے ساتھ اسے معلق کیا جائے تو آخری (یعنی دوسری) شرط کے پائے جانے پر حکم واقع ہوگا۔ لیکن اگر ان میں سے کسی ایک کے ساتھ اس فعل کو معلق کیا جائے تو پہلی شرط کے ساتھ ہی حکم لگ جائیگا جبکہ اضافت کے اندر معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ یعنی اگر فعل کے بعد دو واقعات ذکر کرنے کے بعد دونوں کی طرف مضاف کیا جائے تو پہلے

وقت کے آنے پر حکم لگ جاتا ہے اور اگر کسی ایک کی طرف مضاف کیا جائے دوسرے وقت کے آنے پر حکم جاری ہوتا ہے۔

اس فرق کو بذریعہ مثال یوں سمجھا جاسکتا ہے، تعلق کی مثال: جیسے کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ ”أنت طالق إن کلمت زیداً وعمراً“ (اگر تو نے زید اور عمرو سے بات کی تو تجھے طلاق) اس صورت میں وقوع طلاق کے حکم کو دو باتوں کے ساتھ معلق کیا گیا۔

۱- زید سے بات کرنے کے ساتھ۔

۲- عمرو سے بات کرنے کے ساتھ۔

لہذا صرف ایک سے بات کرنے سے طلاق واقع نہ ہوگی، جب تک کہ دوسرے سے بات نہ کر لے۔ اس کے برعکس اگر اس نے یوں کہا کہ ”أنت طالق إن کلمت زیداً أو عمرواً“ (تجھے طلاق ہے اگر تو نے زید یا عمرو سے بات کی) اس صورت میں اس نے وقوع طلاق کو زید اور عمرو میں کسی ایک سے کلام کرنے کے ساتھ معلق کیا لہذا اگر ان میں سے کسی ایک سے بھی بات کرنے سے طلاق پڑ جائے گی۔

اضافت کی مثال جیسے کوئی شخص بیوی سے کہے ”أنت طالق غداً وبعد غد“ (تجھے طلاق ہے آئندہ کل اور پرسوں) تو ایسی صورت، میں آئندہ کل آنے پر طلاق واقع ہو جائے گی، لیکن اگر اس نے یہ کہا کہ ”أنت طالق غداً أو بعد غد“ (تجھے طلاق ہے کل یا پرسوں) تو ایسی صورت آئندہ پرسوں طلاق واقع ہوگی۔^(۱)

چوتھا فرق

چوتھا فرق وہ ہے جو غلام شملی رحمہ اللہ نے قاضی ظہیر الدین رحمہ اللہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ یہ ایک لطیف فرق ہے جسے بذریعہ مثال سمجھا یا گیا ہے۔ وہ مثال یہ ہے کہ مثلاً اگر کوئی شخص عید کی رات اپنے غلام سے کہتا ہے کہ ”أنت حر غداً“ (آئندہ کل تو آزاد ہے) تو اس صورت میں اسی دن کا آخری لمحہ جب اگلے دن سے ملے گا تو غلام آزاد

(۱) البحر الرائق (۳/۴۷۱) فی الجامع للصدر الشہید رحمہ اللہ عن سرطین بنزل عند آخرهما وبأحدهما عند الأول والمضاف بالعکس۔

ہو جائے گا اور مالک پر اس کا صدقۃ الفطر واجب نہیں ہوگا، لیکن اگر وہ اپنے غلام سے یہ کہتا ہے ”إذا جاء غد فأنْتَ حر“ (جب آئندہ کل آئے گی تو تو آزاد ہے)۔ تو اس صورت میں اگلے دن کا پہلا لمحہ شروع ہونے کے بعد وہ غلام آزاد ہوگا اور مالک پر اس کا صدقۃ الفطر بھی واجب ہوگا۔ ان میں سے پہلی اضافت کی مثال ہے جبکہ دوسری تعلیق کی صورت ہے۔ اس فرق سے متعلق عربی عبارت یہ ہے:-

الفرق بین الإضافة والتعلیق، نقل عن القاضی الإمام ظہیر الدین أنه من قال لعبده ليلة العيد: أنت حر غداً يعتق مقارناً للغد حتى لا تجب عليه صدقة الفطر. وأما إذا قال إذا جاء غد فأنْتَ حر، ثبت العتق بعد تحقق مجيء أول جزء من أجزاء الغد لكون مجيء الغد شرطاً لثبوت العتق حتى تجب صدقة الفطر لأن الغد جاء وهو عبده. (۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اضافت اور تعلیق میں ایک فرق یہ ہے کہ اضافت اور تعلیق کسی وقت کی طرف منسوب ہوں تو اضافت کا حکم اس وقت کے شروع ہونے سے ایک لمحہ قبل آجاتا ہے جبکہ تعلیق کا حکم اس وقت کے آغاز ہونے کے ایک لمحہ بعد آتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

پانچواں فرق

بعض فقہاء نے ایک اور فرق بھی ذکر کیا ہے، وہ یہ ہے کہ تعلیق کے اندر اضافت ایک ایسے فعل کی طرف ہوتی ہے جو یقینی نہیں ہوتا بلکہ ممکن الوجود اور مبنی علی الخطر ہوتا ہے۔ جبکہ اضافت میں زمانہ بطور ظرف ہوتا ہے اور اس کا آئندہ وقوع یقینی ہوتا ہے جیسے ”أنت طالق إن دخلت الدار“ میں دخول فعل کا پایا جانا یقینی نہیں جبکہ ”أنت طالق غداً“ میں آئندہ کل کا آنا یقینی ہے۔

لیکن علامہ ابن نجیمؒ نے اس فرق کی تردید کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بعض مرتبہ

اضافت میں بھی ایسے فعل کا ذکر ہوتا ہے جس کا پایا جانا یقینی نہیں ہوتا جیسے کوئی شخص یوں کہے "انت طالق یوم یقدم زید" (تجھے طلاق ہے جس دن زید آئے) اور دوسرا شخص یوں کہے: "انت طالق ان قدم زید فی یوم کذا" (اگر زید فلاں دن آیا تو تجھے طلاق) ان میں پہلی مثال اضافت کی ہے اور دوسری تعلیق کی لیکن غیر یقینی اور مبنی بر خطر ہونے میں دونوں برابر ہیں۔^(۱)

چھٹا فرق:

ڈاکٹر صدیق الضمری کا کہنا ہے کہ عقد معلق اور عقد مضاف میں صرف صوری فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ عقد معلق میں "حروف شرط" استعمال ہوتے ہیں جبکہ "عقد مضاف" میں حروف شرط استعمال نہیں ہوتے لیکن غیر یقینی کیفیت پر دونوں معاملات مبنی ہیں، ہاں البتہ اتنا فرق ہے کہ عقد مضاف میں مضاف الیہ (جس کی طرف اضاف کی جائے) کے پائے جانے کا امکان زیادہ ہوتا ہے اور واقع نہ ہونے کا امکان کم جبکہ عقد معلق میں معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے یعنی پائے جانے کا امکان کم ہوتا ہے اور واقع نہ ہونے کا امکان زیادہ۔ آپ لکھتے ہیں:-

فبائسی أرى أن المضاف إليه يكون محقق الحصول، وهو
الغالب وقد يكون محتمل الحصول كما أن المعلق عليه
يكون محتمل الحصول وهو الغالب وقد يكون محقق
الحصول. وعلى هذا يكون الفارق بين التعليق والإضافة من
حيث الصورة، وهو وجود أداة التعليق وعدمها.^(۲)

اضافت کے اعتبار سے عقود کی اقسام

اضافت قبول کرنے یا نہ کرنے کے اعتبار سے عقود کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) شرح الاشباہ والنظائر (۲۲/۲)۔

(۲) الغرر وأثره في العقود ص: ۱۶۷۔

- ۱- وہ عقود جو ہمیشہ مضاف الی المستقبل ہوتے ہیں جیسے وصیت اور ایصاء۔
- ۲- وہ عقود جو اضافت کو مطلقاً قبول نہیں کرتے اس میں بیع، اس کی اجازت دینا، اسے فسخ کرنا اور شرکت وغیرہ شامل ہیں۔
- ۳- وہ عقود جو تجزیہ بھی واقع ہوتے ہیں اور ان کی مستقبل کی طرف اضافت بھی جائز ہوتی ہے۔ اس میں چار قسم کے عقود شامل ہیں:-
- ۱- وہ عقود جن کا اثر فوری ظاہر نہیں ہو سکتا جیسے اجارہ، عاریۃ، مزارعت، مساقاۃ اور مضاربہ وغیرہ۔

- ب- التزامات جیسے کفالت اور حوالہ وغیرہ۔
- ج- اسقاطات جیسے طلاق، خلع، تمناق اور وقف وغیرہ۔
- د- اطلاقات جیسے وکالت اور قضاء وغیرہ۔^(۱)

تشریح

۱- وہ معاملات جو اضافت کے بغیر منعقد نہیں ہوتے

پہلی قسم کے معاملات وہ ہیں جو اپنی طبیعت کے اعتبار سے ایسے ہیں کہ اضافت کے بغیر منعقد ہی نہیں ہوتے جیسے کسی چیز کی وصیت کرنا یا کسی کو اپنے ورثاء کے لئے وصی بنانا۔ یہ معاملات ایسے ہیں کہ ان پر فی الفور عمل ہی نہیں سکتا بلکہ میت کے انتقال کے بعد ان پر عمل ہوتا ہے، جیسے کوئی شخص یوں کہے کہ میں وصیت کرتا ہوں کہ میری جائیداد کا ایک تہائی حصہ فلاں مسجد کو دے دیا جائے تو ذکر کردہ حصہ اس کی وفات کے بعد ہی مسجد کو دیا جائے گا نہ کہ اس کی زندگی میں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی سے کہتا ہے کہ میں تجھے اپنی نابالغ اولاد کے لئے وصی مقرر کرتا ہوں تو وصی ہونے کے اعتبار سے اس کا عمل موصلی کے انتقال کے بعد ہی ہوگا۔

(۱) ردالمحتار (۵/۲۵۵)۔

..... الفقہ الاسلامی وأدلته (۳/۲۴۷)۔

..... أحكام المعاملات الشرعية ص ۲۷۲۔

۲- وہ عقود جو اضافت کو قبول نہیں کرتے

دوسری قسم کے عقود وہ ہیں جو اضافت کو قبول نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ منجز ہی واقع ہوتے ہیں۔ ان کی مستقبل کی طرف اضافت کرنا جائز نہیں ہوتا۔ اس میں وہ عقود شامل ہیں جو فوری تملیک کا فائدہ دیتے ہیں جیسے بیع، نکاح اور ہبہ وغیرہ۔

عدم جواز کی وجہ

۱- ان کی مستقبل کی طرف اضافت ناجائز ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان عقود کے حکم کا اثر اور نتیجہ فوری ظاہر ہوتا ہے۔ اگر مستقبل کی طرف ان کی اضافت کی جائے تو ان عقود کا اظہر ظاہر ہونے میں تاخیر ہو جاتی ہے جو ان عقود کے مقتضا کے خلاف ہے اس لئے ان کی مستقبل کی طرف اضافت کرنا جائز نہیں۔ علامہ حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

وما لا تصح إضافته إلى المستقبل عشرة: البيع وإجازته
وفسخه، والقسمة والشركة والهبة والنكاح والصلح عن
مال والإبراء عن الدين لأنها تمليكات للحال، فلا تضاف
كما لا تعلق بالشرط.^(۱)

ترجمہ:- وہ معاملات جن کی مستقبل کی طرف اضافت نہیں کی جاسکتی، دس ہیں: بیع، اس کی اجازت دینا، اسے فسخ کرنا، قسمت (اشیاء کی تقسیم) شرکت، ہبہ، نکاح، رجوع عن الطلاق، مال کے بدلے صلح کرنا اور قرض سے بری کرنا۔ (ان میں اضافت کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے) یہ ایسے معاملات ہیں جن سے فوری ملکیت کا انتقال وجود میں آتا ہے لہذا ان کی مستقبل کی طرف اضافت نہیں کی جاسکتی جیسے انہیں کسی شرط کیساتھ معلق نہیں کیا جاسکتا۔
علامہ زیلعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

هذه الأشياء لا تجوز إضافتها إلى الزمان المستقبل لأنها
تمليك وقد أمكن تنجيزها للحال فلا حاجة إلى الإضافة.^(۱)
ترجمہ:- ان معاملات کی مستقبل کی طرف اضافت کرنا جائز نہیں کیونکہ
یہ ملکیت منتقل کرنے کے لئے ہوتے ہیں اور ملکیت کا فوری انتقال ممکن
ہے لہذا اسے مستقبل کی طرف مضاف کرنے کی ضرورت نہیں۔
علامہ بابرٹی فرماتے ہیں:-

إن التملیک لا یحتمل التوقیت والتعلیق.^(۲)
ترجمہ:- ملکیت کا انتقال توقیت (مستقبل کی طرف اضافت) اور تعلیق
کو برداشت نہیں کرتا۔

۲- اس کے علاوہ عدم جواز کی ایک اور وجہ ذکر کی گئی ہے، وہ یہ کہ مستقبل کی
طرف مضاف کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس وقت تک وہ چیز عاقد (Contractor)
کی ملکیت میں رہے۔ اور ایسا ہونا غیر یقینی (Uncertain) ہے تاہم اگر اس وقت وہ چیز
عاقد کی ملکیت میں رہے تو پھر دو صورتیں ہوں گی۔ اس وقت عاقد کو اپنی چیز کے اندر تصرف
کا مکمل اختیار ہوگا یا نہیں۔ اگر اختیار حاصل رہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اسے اس وقت یہ
عقد فسخ کرنے کا بھی مکمل اختیار ہو اور ایسی صورت میں عقد لازم نہ رہے گا لہذا اضافت کا
کوئی فائدہ نہ ہوگا اور اگر اسے اپنی چیز کے اندر تصرف کا اختیار نہ ہو تو یہ بات ملکیت کے
منافی ہے۔ اس لئے کہ کسی چیز کے مالک ہونے کے بعد انسان کو مملوکہ چیز میں ہر قسم کے
تصرف کا اختیار ہوتا ہے۔

البتہ یہ تو جیہ بہہ اور شرکت کے اندر جاری نہیں ہوتی کیونکہ یہ عقد لازمہ نہیں
بلکہ وقت آنے پر عاقد ہبہ کرنے یا کسی شراکتی کاروبار وغیرہ میں شریک بننے سے انکار بھی
کر سکتا ہے۔

(۱) تبیین الحقائق (۱/۶۶)۔

(۲) العناية علی هامش الهدایة مع فتح القدیر، البابرٹی (اکمل الدین محمد بن محمود البابرٹی
المتوفی ۸۶۷ھ) کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، الطبعۃ القدیمہ (۳/۳۳۳)۔

الشیخ علی الخفیف نے اس وجہ کو ان الفاظ میں ذکر فرمایا:-

ولإنها إذا صحت مع الإضافة فلا بد أن يبقى الملك على ملكه إلى الوقت الذي أضيف إليه، لإرجاء أثرها إلى ذلك الوقت، وعندئذ إما أن يصح تصرفه، فيما يملكه من الأعيان التي جعلها محلاً لهذه العقود. وذلك يقتضى استبداده بفسخ العقد المضاف وهذا مناف للنزوم، وإما ألا تصح تصرفه فيه، وذلك ما يتنافى مع ثبوت ملكه، فكل هذا لا تصح مع الإضافة. ولا شك أن التوجيه الأخير لا يتحقق في الهبة لأنها عقد غير لازم بالنسبة للواهب، فليس ما يمنع من أن يتصرف في محلها فيفسخ العقد بذلك، وكذا لا يتحقق في الشراكة لنفس السبب^(۱).

لہذا معلوم ہوا کہ ان عقود میں ”اضافت الی المستقبل“ کے ناجائز ہونے کی بنیادی طور پر دو وجوہات ہیں۔

۱- اضافت کا ان عقود کے مقتضا کے خلاف ہونا۔

۲- غرر۔

البتہ ڈاکٹر صدیق الضریر کا کہنا ہے کہ عقد معلق کے اندر عقد مضاف کے مقابلہ میں ”غرر“ زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:-

أما الغرر فإنه أظهر في التعليق منه في الإضافة وذلك لأن العقد المعلق في أكثر صورته لا يدري هل يحصل أم لا يحصل، وإذا حصل لا يدري وقت حصوله فهو عقد مستور العاقبة، أما العقد المضاف فإنه في أكثر صورته محقق الحصول و معروف وقت حصوله فمن أين يأتيه الغرر.....

نستطيع أن نقول: أن الغرر يدخل العقد المضاف من جهة
كون المتعاقدين لا يدريان في الوقت الذي أبرم فيه العقد،
كيف يكون المبيع في ذلك الوقت.^(۱)

ترجمہ:- عقد مضاف کے مقابلے میں عقد معلق کے اندر غرر زیادہ ظاہر
ہے کیونکہ عقد معلق کی اکثر صورتوں میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مبيع
حاصل ہوگی یا نہیں، اگر ہوگی تو کب ہوگی اس لئے یہ ایسا عقد ہے
جس کا انجام پوشیدہ ہے جبکہ عقد مضاف کے اندر اکثر صورتوں میں چیز کا
ملنا تقریباً یقینی ہوتا ہے۔ اور اس کے ملنے کا وقت بھی معلوم ہوتا ہے
لہذا اس میں غرر کہاں سے آگیا؟..... ہاں البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ
عقد مضاف میں غرر اس اعتبار سے داخل ہوتا ہے کہ متعاقدين کو یہ
معلوم نہیں ہوتا کہ جس وقت کی طرف عقد کو مضاف کیا گیا ہے۔ وہ
وقت آنے پر ان کی رضا اور عقد کے اعتبار سے انکی مصلحت کیا ہوگی
جیسا کہ انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس وقت مبيع کی کیفیت کیا ہوگی۔

۳- وہ معاملات جن کی مستقبل کی طرف اضافت کرنا صحیح ہے

تیسری قسم کے معاملات وہ ہیں جن کی مستقبل کی طرف اضافت کرنا صحیح ہے لہذا
جس طرح یہ عقود ”منجز“ ہوتے ہیں، اسی طرح مستقبل کی طرف مضاف ہونے کی صورت
میں بھی واقع ہو جاتے ہیں۔ اس میں چار طرح کے عقود شامل ہیں:-

۱- وہ عقود جن کا اثر فوری طور پر ظاہر نہیں ہو سکتا جیسے اجارۃ، مزارعت، مساقاۃ
اور مضاربۃ۔ یہ معاملات اعیان پر واقع ہونے کے بجائے منافع پر واقع ہوتے ہیں اور یہ
واضح ہے کہ اشیاء کے منافع فوری ظاہر نہیں ہوتے بلکہ وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہتے ہیں جیسے
اگر کوئی شخص گاڑی اجارے پر لیتا ہے تو اس سے حاصل ہونے والی منفعت اسی وقت ظاہر
نہیں ہوگی بلکہ اسے استعمال کرنے کے دوران ہر نئے لمحے پر نئی منفعت ظاہر ہوگی۔ چونکہ

یہ عقود اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایسے ہیں کہ ان کا اثر مستقبل میں وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتا ہے، اس لئے ان کی مستقبل کی طرف اضافت کرنا جائز ہے۔

۲۔ التزامات جیسے کفالت اور حوالہ۔ ان عقود کا اثر بھی ہمیشہ فوری ظاہر نہیں ہوتا بلکہ بعض مرتبہ تاخیر سے بھی ظاہر ہوتا ہے جیسے کسی شخص نے دوسرے کو اپنے قرضہ کی ادائیگی کا ضامن بنایا تو یہ ضروری نہیں کہ وہ فوراً ہی مکفول عنہ کا قرض ادا کر دے بلکہ بسا اوقات وہ آئندہ آنے والے زمانے میں ادا کرتا ہے اور یہی صورت عقد حوالہ میں بھی ہے۔ لہذا ان معاملات کی مستقبل کی طرف اضافت کرنے میں بھی شرعاً کوئی مانع نہیں۔

۳۔ اسقاطات جیسے طلاق، عتاق (غلام کو آزاد کرنا) اور وقف وغیرہ۔ ان کی اضافت الی المستقبل کے جواز کی وجہ یہ ذکر کی گئی ہے کہ ان معاملات کے نتیجہ میں عاقد کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ اور ’’ملکیت‘‘ ہمیشہ نہیں رہتی بلکہ اگر کوئی صورت پیش نہ آئے تو بالآخر موت کے وقت تو ختم ہو ہی جاتی ہے اور وقف کا عقد مستقبل میں ہوتا ہے۔ لہذا موت سے پہلے کسی بھی آنے والے وقت کی طرف اس کی اضافت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

۴۔ اطلاقات جیسے وکالت اور قضاء۔ التزامات کی طرح ان کا اثر بھی ہمیشہ فوری ظاہر نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کی بھی مستقبل کی طرف اضافت کی جاسکتی ہے۔^(۱)

(۱) احکام المعاملات الشرعية ص: ۲۷۳۔

باب دوم

مبیع (Subject Matter) میں

جہالت کے اعتبار سے غمر

جہالت کے اعتبار سے معاملات میں پائے جانے والے غمر کی دوسری صورت یہ ہے کہ مبیع یعنی جس چیز کو بیچا جا رہا ہے، وہ مجہول ہو۔ مبیع کے اندر پائے جانے والی یہ جہالت مختلف نوعیت کی ہوتی ہے ہر ایک کی تفصیل اور اس کے احکام ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔

مجہول الذات مبیع کا حکم

مجہول الذات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ متعین طور پر یہ معلوم نہ ہو رہا ہو کہ کس چیز کو بیچا جا رہا ہے اگرچہ بیع کی ہم جنس متعدد اشیاء سامنے موجود ہوں مثلاً مختلف طرح کے کپڑے سامنے رکھے ہوں اور بائع خریدار سے یہ کہے کہ میں ان کپڑوں میں سے ایک کپڑا اتنی قیمت کے عوض تمہیں فروخت کرتا ہوں یا بکریوں کا ریوڑ ہو اور مالک خریدار سے یہ کہے کہ میں ان بکریوں میں سے ایک بکری اتنی قیمت کے بدلے میں تمہیں فروخت کرتا ہوں وغیرہ تو ان صورتوں میں چونکہ معلوم نہیں کہ کون سے کپڑے کو یا ریوڑ کی بکریوں میں سے کون سی بکری کو بیچا گیا ہے تو یہ ”مجہول الذات“ چیز کی بیع ہوئی۔

عام طور پر اس طرح مجہول الذات چیز کو فروخت کرنا بائع اور خریدار کے درمیان جھگڑے اور نزاع کا باعث بنتا ہے۔ مثلاً ذکر کردہ مثالوں میں بیع ہونے کے بعد جب کپڑا منتخب کرنے کا وقت آئے گا تو خریدار کی خواہش ہوگی کہ موجودہ تمام کپڑوں سے سب سے اعلیٰ اور عمدہ کپڑے کو حاصل کرے جبکہ بیچنے والا شخص یہ چاہے گا کہ خریدار سب سے گھٹیا اور کم درجے کا کپڑا اٹھائے، اس پر دونوں کے درمیان جھگڑا ہو جائے گا۔ اسی طرح بکریوں

کی مثال میں خریدار یہ چاہے گا کہ وہ ریوڑ میں موجود بکریوں میں سے سب سے عمدہ بکری حاصل کرے جبکہ بائع کی خواہش اس کے برعکس ہوگی، بالآخر یہ اختلاف باہمی نزاع اور جھگڑے کا باعث بنے گا اور وہ بیع جو باہمی نزاع کا باعث بنتی ہے، شرعاً جائز نہیں۔ البتہ بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جو نزاع کا سبب نہیں بنتیں، لہذا ”مجهول الذات بیع“ کی خرید و فروخت کا تفصیلی جائزہ ائمہ اربعہ کے مذاہب کی روشنی میں ذکر کیا جاتا ہے۔

حنفیہ

اس بارے میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر تین سے زائد اشیاء موجود ہوں اور پھر ان میں سے کسی ایک غیر متعین چیز کی بیع کی جائے تو یہ بیع مطلقاً ناجائز ہے خواہ خریدار کو بیع (Subject Matter) کی تعین کا حق حاصل ہو یا نہ ہو۔ البتہ اگر بیچنے والی اشیاء دو یا تین ہوں اور پھر ان میں سے کسی ایک کو غیر متعین طور پر بیچا جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں، جن میں سے ایک جائز اور دوسری ناجائز ہے۔

پہلی صورت یہ ہے کہ خریدار کو متعین قیمت کے بدلے مطلوبہ چیز متعین کرنے کا اختیار حاصل ہو مثلاً ایک دکاندار کسی خریدار کو تین کپڑوں میں سے کوئی ایک غیر متعین کپڑا بیچتا ہے اور پھر یہ بھی بتلاتا ہے کہ ہر کپڑے کی قیمت سو روپے ہے اور پھر خریدار کو اختیار دیتا ہے کہ وہ اس میں جس کپڑے کو پسند کرے، اسے سو روپے کے بدلے میں خرید لے، یہ صورت جائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خریدار کو ان میں سے کسی ایک چیز کے متعین کرنے کا اختیار نہ ہو، یہ صورت ناجائز ہے۔

اگرچہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں خرید و فروخت ناجائز ہو، اس لئے کہ جس طرح تین سے زائد اشیاء میں سے کسی ایک غیر متعین چیز کو بیچنے کی صورت میں بیع غیر متعین ہوتی ہے، اسی طرح تین کی صورت میں بھی بیع غیر متعین ہوتی ہے لہذا جس طرح وہاں پر بیع کو ناجائز قرار دیا گیا تھا، یہاں بھی ناجائز کہا جانا چاہیے تھا لیکن یہاں پر پہلی صورت کو لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر استحساناً جائز قرار دیا گیا ہے۔

اس کی پہلی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ عام طور پر لوگ چیز کے پسند کرنے میں دوسرے سے مشورہ وغیرہ بھی کرتے ہیں خصوصاً اگر گھر والوں کیلئے کوئی چیز خریدنی ہو تو اس میں اہل خانہ کی رائے معلوم کرنا ضروری ہوتا ہے اور بعض مرتبہ دکاندار بیع کئے بغیر اپنی اشیاء

کو اپنی دکان سے نکالنے نہیں دیتا، ایسی صورت میں لوگوں کو اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ وہ دو تین اشیاء اس طرح خرید لیں کہ جو چیز بعد میں پسند آجائے گی، اسکی بیع کی جائیگی اور بقیہ اشیاء واپس کر دی جائیں گی۔ اور یہ ضرورت تین اشیاء تک پوری ہو جاتی ہے، کیونکہ معیار (Quality) کے اعتبار سے چیزوں کے تین درجات ہوتے ہیں۔

۱- اعلیٰ - ۲- درمیانہ - ۳- ادنیٰ۔

اس لئے صرف تین کی حد تک اسے جائز قرار دیا گیا۔

دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جب خریدار کو بائع نے کسی ایک چیز کے پسند کرنے کا اختیار دے دیا تو گویا نزاع کی اصل وجہ یہاں نہ رہی اسلئے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ غیر متعین چیز کے متعین کرنے میں جھگڑا ہو سکتا ہے کہ بائع سب سے گھٹیا چیز دینے کیلئے تیار ہو جبکہ خریدار سب سے اعلیٰ چیز لینے کا خواہش مند ہو، لیکن جب بائع نے خریدار کو بیع متعین کرنے کا اختیار دے دیا تو اس صورت میں خریدار جس بیع کو بھی خریدے گا، بائع اس پر اعتراض نہیں کرے گا، لہذا باہمی نزاع بھی پیدا نہیں ہوگا اس لئے یہ بیع جائز ہوگی۔ جبکہ دوسری صورت میں چونکہ خریدار کو بیع متعین کرنے کا اختیار نہیں، اس لئے وہاں نزاع بدستور باقی رہے گا۔^(۱)

(۱) الهدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، المرغینانی (برهان الدین أبو الحسن علی بن أبو بکر لمرغینانی) کراتشی، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیۃ، الطبعة الأولى ۱۴۱۷ھ (۵/۴۷)، ومن شری ثوبین علی أن یأخذ أیہما شاء بعشرة، وهو بالخیار ثلاثة أيام فهو جائز، وكذلك الثلاثة، إن كانت أربعة فالبیع فاسد والقیاس أن یفسد البیع فی الكل لجهالة المبیع.

وجه الإسحتسان: أن شرع الخیار للحاجة إلى دفع الغبن لیختار الأرفق والأوفق الحاجة إلى هذا النوع من البیع متحققة، لأنه یحتاج إلى اختیار من یثق به أو اختیار من یشتریه أجله ولا یمکنه البائع من الحمل إلیه إلا بالبیع فكان فی معنى ما ورد به الشرع، غیر أن هذه حاجة تسدفع بالثلاثة لوجود الجید والوسط والردی فیها، والجهالة لا تفضی إلى المنازعة فی ثلاث لتعین من له الخیار، وكذا فی الأربع إلا أن الحاجة إلیها غیر متحققة، والرخصة ثبوتها لحاجة، وكون الجهالة غیر مقضیة إلى المنازعة، فلا یثبت أیضا بأحدهما.

... أنظر أیضا فتح القدیر مع العنایة، ابن الهمام (کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بن الهمام) کوئٹہ مکتبہ رشیدیہ (۵/۵۲۱).

... المبسوط للسرخی (۱۳/۵۵).

... تبیین الحقائق، الزیلعی (الإمام فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی المتوفی ۷۴۳ھ) بتحقیق شیخ أحمد عزو عنایة، بیروت، لبنان دار الکتب العلمیة، الطبعة الأولى ۱۴۲۰ھ (۳/۳۱۵).

سوال

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خریدار کو بیع متعین کرنے کا اختیار دینے کی وجہ سے جس طرح تین اشیاء کی بیع کی صورت میں نزاع ختم ہو جاتا ہے جسکی وجہ سے بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح اس سے زائد کی صورت میں بھی اگر خریدار کو بیع متعین کرنے کا اختیار دے دیا جائے تو اس صورت میں یہ بیع جائز ہونے چاہئے، اس لئے کہ ایسی صورت میں بھی جب خریدار کی طرف سے بیع متعین کرنے پر بائع کو کوئی اعتراض نہ ہوگا لہذا باہمی نزاع بھی پیدا نہیں ہوگا۔

جواب

علامہ سرخسی رحمہ اللہ کی طرف سے اس سوال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ چونکہ اس بیع کو خلاف قیاس بطور استحسان جائز قرار دیا گیا ہے اسلئے یہ جواز وہیں تک محدود رہیگا جہاں تک ضرورت ہے جیسے خیار شرط کو خلاف قیاس جائز قرار دیا گیا ہے تو اسکی مدت اتنی ہی مقرر کی گئی ہے جتنی احادیث میں وارد ہوئی ہے یعنی تین دن۔ لہذا اسے خیار شرط کے عدد ایام پر قیاس کر کے اتنی اشیاء میں اسے جائز قرار دیا جائیگا، اس سے زائد میں نہیں۔^(۱)

علامہ ابو بکر مرغینانی نے اسی کے قریب جواب دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ چونکہ اسکا جواز خلاف قیاس ضرورت کی وجہ سے ہے لہذا جب تین میں ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو اس سے زائد میں جائز قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ نیز جب تین درجے کی اشیاء یعنی اعلیٰ، متوسط اور ادنیٰ درجے کی اشیاء موجود ہوں گی تو مزید چوتھی اور اس سے زائد اشیاء میں خیار تعین کے ساتھ بیع کو جائز قرار دینے میں اس کی ضرورت نہیں، اسلئے یہ بیع جائز نہیں ہونی چاہئے۔^(۲)

غور طلب

ان دونوں جوابات کے ذکر کرنے کے بعد یہ بات اہل علم کے لئے غور طلب ہے

کہ کیا عصر حاضر میں اس طرح خیارِ تعین کے ساتھ بیع کی جائے تو کیا صرف تین کی حد تک ہی اس کا جواز برقرار رکھنا ضروری ہے یا اس سے زائد کی صورت میں بھی گنجائش ہے۔

اس معاملے پر غور و خوض کے بعد احقر کے سامنے یہ بات آتی ہے کہ فقہاء کرام کا یہ کہنا کہ ضرورت صرف تین کی حد تک پوری ہو جاتی ہے، اس کا تعلق اس زمانے سے تھا جب اشیاء کے اندر عام طور تین معیار ہوتے تھے، اعلیٰ، متوسط، ادنیٰ اور عام طور پر اشیاء کے رنگ اور ڈیزائن بھی بہت محدود ہوتے تھے، لیکن عصر حاضر میں جبکہ مختلف اشیاء خصوصاً کپڑوں کے اندر متعدد قسم کے رنگ اور ڈیزائن وجود میں آچکے ہیں تو ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک کپڑا اعلیٰ درجے کا ہو لیکن اسکے ڈیزائن وغیرہ کی وجہ سے خریدار کو اس معیار کے کئی کپڑے دیکھنے کی ضرورت محسوس ہو، لہذا آج کل کے اعتبار سے اس معاملہ کو صرف تین کی حد تک جواز پر محمول کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (البتہ اگر پسندیدگی کے لئے چیز دی گئی ہو تو اس کے بارے میں تفصیل آگے آرہی ہے)۔

عدویاتِ متقاربہ کا حکم

حنفیہ کے بیان کردہ اس حکم کا تعلق اس صورت میں ہے کہ جب متعدد اشیاء کے درمیان باہمی تفاوت ہو، بعض چیزیں اعلیٰ معیار کی ہوں اور کچھ درمیانے اور کم درجے کی ہوں، یا ہر ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ مختلف ہو جیسے کپڑے کہ ان کے اندر مختلف معیار ہوتے ہیں اور بکریاں یا بھیڑیں وغیرہ کہ ہر جانور اپنی صفات اور قدر و قیمت کے اعتبار سے دوسرے سے ضرور مختلف ہوتا ہے۔ لیکن اگر بیچی جانے والی اشیاء عدویاتِ متقاربہ میں سے ہوں یعنی ایک جیسی ہوں، ان کے درمیان کوئی خاص فرق نہ ہو تو ایسی صورت ان اشیاء میں سے کسی غیر متعین چیز کی بیع کرنا بھی جائز ہے جیسے انڈے، اخروٹ یا ایک قسم کے پھل جیسے سنگترے، کینو، کیلے وغیرہ وغیرہ۔ ان میں خریدار اگر پہلے ایک غیر متعین چیز مثلاً انڈا خرید لے اور بعد میں کوئی ایک لے لے تو یہ جائز ہے، اس لئے ان چیزوں میں باہمی کوئی ایسا تفاوت نہیں ہوتا جو نزاع اور جھگڑے کا باعث بنے۔^(۱)

مالکیہ

مالکیہ کے ہاں بھی مجہول الذات یعنی غیر متعین چیز کی خرید و فروخت ناجائز ہے البتہ اگر خریدار کو بیع متعین کرنے کا حق دے دیا جائے تو پھر انکے نزدیک یہ بیع مطلقاً جائز ہو جاتی ہے۔ گویا حنفیہ اور مالکیہ کے مذہب میں یہ فرق ہے کہ حنفیہ کے ہاں خریدار کو "خیار تعین" ملنے کی صورت میں صرف تین اشیاء کی تک جواز محدود رہتا ہے جبکہ مالکیہ کے ہاں اس سے زیادہ اشیاء کی صورت میں بھی بیع جائز ہے۔^(۱)

شافعیہ، حنابلہ، ظاہریہ

شافعیہ، حنابلہ اور ظاہریہ کے ہاں غیر متعین چیز کی بیع مطلقاً ناجائز ہے، خواہ خریدار کو خیار تعین حاصل ہو یا نہ ہو۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ مجہول الذات یعنی غیر متعین شئی کی بیع ہے جبکہ بیع کے جواز کیلئے بیع کا متعین ہونا شرط ہے۔ علامہ شیرازی فرماتے ہیں:-

ولا يجوز بيع عين مجهولة كبيع عبد من عبید أو ثوب من أثواب لأن ذلك غرر من غير حاجة.^(۲)

ترجمہ:- مجہول الذات چیز کی بیع جائز نہیں جیسے کئی غلاموں میں سے ایک غلام کی بیع کرنا یا کئی کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی بیع کرنا کیونکہ اس میں ایسا غرر پایا جاتا ہے جسکی کوئی حاجت نہیں۔
علامہ نووی لکھتے ہیں:-

لا يجوز بيع عبد من عبید ولا من عبدين ولا ثوب من ثياب ولا ثوبين سواء شرط الخيار أم لا.^(۳)

ترجمہ:- کئی غلاموں یا دو غلاموں میں سے ایک غلام کی بیع کرنا اور کئی

(۱) مواہب الجلیل للحطاب (۴/۲۲۳)۔

(۲) المہذب، الشیرازی (الامام أبو اسحاق الشیرازی) مصر، عیسی البابی الحلبي وشرکاءہ (۲۶۳/۱)۔

(۳) المجموع شرح المہذب (۲۸۶/۹)۔

کپڑوں یا دو کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی بیع بکرنا جائز نہیں خواہ اس میں خیار (تعمین) رکھا گیا ہو یا نہ رکھا گیا ہو۔

علامہ ابن حزم لکھتے ہیں:

ولا يحل بيع شيء غير معين من جملة مجتمعة لا بعدد ولا بوزن ولا بكيل.^(۱)

ترجمہ:- کسی مجموعہ میں سے کسی غیر معین چیز کی بیع کرنا جائز نہیں، نہ عدد کے اعتبار سے، نہ وزن کے اعتبار سے اور نہ کیل کے اعتبار سے۔

عدم جواز کی وجہ

ان حضرات کا کہنا ہے کہ اس صورت میں بیع مجہول ہونے کی وجہ سے غرر کی خرابی پائی جاتی ہے^(۲) حتیٰ کہ امام ابن حزم نے اس کو سب سے بڑا غرر قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:-

ولا غرر أكثر منه ألا يدري البائع أي شيء هو الذي باعه ولا يدري المشتري أي شيء اشتري.^(۳)

ترجمہ:- اس سے بڑا غرر اور کوئی نہیں کہ بائع کو یہ معلوم نہیں کہ کیا بیچ رہا ہے اور نہ خریدار کو یہ معلوم ہے کہ وہ کیا خرید رہا ہے۔

علامہ شیرازی اور علامہ ابن قدامہ کا کہنا ہے کہ اس غرر کو اختیار کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ عقد کے بعد خیار حاصل کیا جائے بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عقد سے پہلے کسی ایک کو متعین کرنے کے بعد بیع کی جائے۔^(۴)

(۱) المحلی، ابن حزم (أبو محمد علی ابن أحمد بن سعید بن حزم المتوفی ۴۵۶ھ) مصر، إدارة الطباعة المنيرية، الطبعة الأولى ۱۳۵۰ھ (۴۲۹/۸)۔

(۲) المحلی (۴۲۹/۸)۔

(۳) المہذب (۲۸۶/۹)۔

(۴) المغنی لابن قدامة (۳۷/۶)۔

پسندیدگی کے لئے کپڑے وغیرہ بھیجنے کا حکم

یہاں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ گذشتہ مسئلہ میں فقہاء کرام کا ذکر کردہ حکم ایسی صورت میں ہے کہ جب خریدار متعدد اشیاء میں سے کسی کو خرید لے لیکن اگر خریدار کسی چیز کو نہ خریدے بلکہ بعض چیزیں پسند کرنے کے لئے دکاندار سے لے آئے اور پھر بعد میں کسی ایک یا زیادہ کو پسند کر کے بیع کر لے تو ایسا کرنا جائز ہے جیسا کہ آج کل بعض لوگ اپنے اہل خانہ کیلئے کپڑے یا جوتے وغیرہ خریدتے ہیں اور وہ یا ان کے گھر والے اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ گھر کی عورتیں خود دکان پر جائیں اس لئے وہ مختلف ڈیزائن کے کپڑے وغیرہ گھر لے آتے ہیں۔ پھر ان میں جو کپڑا پسند آ جاتا ہے، اسے بعد میں خرید لیا جاتا ہے، چونکہ یہاں خرید و فروخت کا معاملہ بعد میں ایک متعین چیز پر ہوا ہے، اس لئے اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔

مجہول الجنس مبیع کا حکم

مجہول الجنس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کیا ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ میں تجھے ایک چیز دس روپے میں فروخت کرتا ہوں۔ ایک چیز کہنے سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا چیز ہے۔ ظاہر ہے کہ بیع کے اندر سب سے زیادہ جہالت اسی صورت میں پائی جاتی ہے کیونکہ اس میں ذات، نوع اور صفت (یعنی تین اعتبار سے) جہالت پائی جاتی ہے۔ اس لئے جمہور فقہاء کرام کے ہاں یہ بیع ناجائز ہے۔ البتہ مختلف مذاہب میں شرائط کے اعتبار سے قدرے تفصیل ہے جو کہ درج ذیل ہے۔

حنفیہ:

حنفیہ کے نزدیک اگر اس چیز کی طرف یا اس جگہ کی طرف اشارہ کیا جائے جہاں وہ چیز رکھی ہوئی ہے تو یہ بیع جائز ہے۔
علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:-

وفی المبسوط الإشارة إليه أو إلى مكانه شرط الجواز،
فلو لم يشر إليه ولا إلى مكانه لا يجوز بالإجماع آه لكن
إطلاق الكتاب يقتضي جواز البيع سواء سمي جنس المبيع
أولاً، وسواء أشار إلى مكانه أو إليه وهو حاضر مستور أو
لا، مثل أن يقول بعت منك ما في كمي. بل عامة المشائخ
قالوا: إطلاق الجواب يدل على الجواز عنده، وطائفة قالوا:
لا يجوز لجهالة المبيع من كل وجه. والظاهر أن المراد
بإطلاق ما ذكره شمس الأئمة وغيره كصاحب الأسرار
والذخيرة لبعده القول بجواز ما لم يعلم جنسه أصلاً كان
يقول بعتك شيئاً بعشرة آه كلام الفتح. وحاصله التوفيق
بين ما قاله عامة المشائخ وما قاله بعضهم بحمل إطلاق
الجواب على ما قاله شمس الأئمة وغيره من لزوم الإشارة
إليه أو إلى مكانه إذ لا يصح بيع ما لم يعلم جنسه أصلاً.^(۱)

ترجمہ:- مبسوط میں ہے کہ اس چیز کی طرف یا اس کی جگہ کی طرف
اشارہ کرنا جواز کے لئے شرط ہے اگر اس کی طرف یا اسکی جگہ کی طرف
اشارہ نہ کیا تو یہ بیع بالا جماع ناجائز ہے۔ لیکن کتاب (یعنی قدوری)
کے اندر مطلق حکم ذکر کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بیع جائز ہو خواہ جنس کا
ذکر کیا جائے یا نہ کیا جائے اسکی اور اسکی جگہ کی طرف اشارہ کیا جائے
یا نہ کیا جائے، وہ چیز حاضر اور چھپی ہوئی ہو یا نہ ہو جیسے کوئی شخص یوں
کہے کہ جو چیز میری آستین میں ہے، میں اسے تمہارے ہاتھ فروخت
کرتا ہوں۔ جمہور مشائخ کا کہنا یہ ہے کہ جواب کے مطلق ہونے سے

(۱) رد المحتار، الشامی (العلامة محمد أمين الشهير بابن عابدين الشامي المتوفى ۱۲۵۲ھ)

کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، الطبعة الأولى ۱۴۰۶ھ (۳/۳۹۲)۔

صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک یہ بیع جائز ہے جبکہ فقہاء کی ایک بڑی جماعت اس بیع کو ناجائز کہتی ہے کیونکہ اس میں بیع ہر اعتبار سے مجہول ہے اور شمس الائمہ وغیرہ کے علی الاطلاق جواب سے بھی مجہول الجنس بیع کا جواز معلوم ہونا مشکل ہے اور تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اس چیز یا اس کی جگہ کی طرف اشارہ کو لازمی قرار دیا جائے تو بیع جائز ہے ورنہ مجہول الجنس کی بیع بالکل ناجائز ہے۔

مالکیہ

مالکیہ کے ہاں اگر دیکھنے کے بعد خریدار کو وہ چیز واپس کرنے کا اختیار ہو تو بیع جائز ہے۔ چنانچہ علامہ باجی مالکی فرماتے ہیں:-

ومقتضي البيع المكايسة ولذا لا ينعقد في ما جهلت صفته
أو جنسه، فإذا شرط المشتري الخيار لنفسه فقد فيصح
العقد، لأنه لا غرر فيه، إذ البائع قد علم صفة ما باع فلا غرر
عليه، والمبتاع بالخيار فلا غرر عليه أيضا.^(۱)

ترجمہ:- بیع کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں بخل ہو یہی وجہ ہے کہ مجہول الجنس اور مجہول الصفت چیز کی بیع واقع نہیں ہوتی، البتہ اگر خریدار نے اپنے لئے اسے دیکھنے کی شرط لگا لی تو یہ عقد صحیح ہو جائے گا کیونکہ اس میں غرر نہیں اس لئے کہ بائع کو اس چیز کی حالت معلوم ہے جسے وہ بیع رہا ہے لہذا اسے کسی دھوکے (غرر) کا سامنا نہیں اور خریدار کو بھی اس

(۱) المتقنى شرح الموطأ، الباجي (القاضي أبو الوليد سليمان بن خلف بن سعد بن أيوب بن واث الباجي ۴۰۳ھ - ۴۹۳ھ) مصر، مطبعة السعادة، الطبعة الأولى ۱۳۳۲ھ (۲۸۷/۳)۔
... أنظر أيضًا مواهب الجليل، الخطاب (أبو عبد الله محمد بن محمد بن عبد الرحمن المغربي المعروف بالخطاب ۹۰۲ھ - ۹۵۳ھ) بيروت، دار الفكر، الطبعة الثانية ۱۳۹۸ھ - ۱۹۷۸م (۴۳۹/۴)۔

چیز کی حالت معلوم ہے جسے وہ خرید رہا ہے اس لئے اسے بھی کسی دھوکے (غرر) کا سامنا نہیں۔

شافعیہ، حنابلہ

شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں اس بیع کے جواز کے لئے خریدار کا اس کو دیکھنا شرط ہے۔ لہذا اگر بیع موجود نہ ہو بلکہ غائب ہو اور اس کی جنس بھی معلوم نہ ہو تو اس کی بیع جائز نہیں۔ علامہ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

ولا يجوز بيع العين الغائبة إذا جهل جنسها أو نوعها لحديث أبي هريرة أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الغرر وفي بيع ما لا يعرف جنسه أو نوعه غرر كبير.^(۱)
ترجمہ:- اگر غائب اشیاء کی جنس یا نوع معلوم نہ ہو تو ان کی بیع جائز نہیں جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا اور جس چیز کی جنس یا نوع معلوم نہ ہو تو اس میں بہت بڑا غرر ہے۔

مجهول الصفت مبيع کا حکم

مجهول الصفت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کے بارے میں یہ تو معلوم ہو کہ وہ کیا ہے لیکن اس کے اوصاف معلوم نہ ہوں مثلاً یہ معلوم نہ ہو کہ عمدہ ہے، درمیانے درجے کی ہے یا گھٹیا ہے، باریک ہے یا موٹی، اس پر بنے ہوئے ڈیزائن کس طرح کے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

مجهول الصفت مبيع کی خرید و فروخت کے جواز اور عدم جواز میں درج ذیل تفصیل ہے۔

(۱) المجموع شرح المہذب، النووی (ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف النووی) بیروت، دار الفکر (۲۸۸/۹)۔

حنفیہ

مجهول الصفت کے حکم میں فقہاء حنفیہ کی مختلف آراء ہیں، جمہور فقہاء جن میں علامہ زاہدی، علامہ مرغینانی، علامہ طحاوی، علامہ ابن عابدین اور دیگر حضرات شامل ہیں، کا کہنا یہ ہے کہ اگر اس چیز کی طرف اشارہ کر دیا جائے تو پھر اسکی صفت بیان کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ایسی صورت میں بیچی جانے والی چیز کے اوصاف ذکر کئے بغیر بھی بیع کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ علامہ مرغینانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

الأعواض المشار إليها لا يحتاج إلى معرفة مقدارها في جواز البيع، لأنَّ بالإشارة كفاية في التعريف وجهالة الوصف فيه لا تفضي إلى المنازعة.^(۱)

ترجمہ:- وہ عوض جن کی طرف اشارہ کر دیا جائے ان کی مقدار جاننے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ اس کے جاننے کے لئے اشارہ کافی ہے اور اب اس میں صفت کا معلوم نہ ہونا نزاع کا باعث نہیں۔

اسی طرح علامہ حصکفی کی رائے یہ ہے کہ اگر بیع کے اوصاف بیان نہ کئے جائیں تو بھی بیع درست ہے، چنانچہ تنویر الابصار اور اس کی شرح الدر المختار میں ہے:-
(و شرط لصحته معرفته قدر) مبيع و ثمن و وصف ثمن.^(۲)
ترجمہ:- بیع کے صحیح ہونے کے لئے ثمن کی مقدار اور اس کے وصف کا

(۱) الهدایة شرح بدایة المبتدی، المرغینانی (برهان الدین أبو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی، کراتشی، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية الطبعة الأولى ۱۴۱۷ھ (۲۰/۵)۔
رد المختار (۵۲۹/۴)۔

(۲) تنویر الأبصار، التمرتاشی (شمس الدین محمد بن عبد اللہ بن أحمد الخطیب التمرتاشی المتوفی ۱۰۰۴ھ) کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، الطبعة الأولى ۱۴۰۶ھ (۵۲۹/۴)۔
الدر المختار، الحصکفی (محمد بن علی بن محمد الملقب بعلاء الدین الحنفی الدمشقی المعروف بالحصکفی المتوفی ۱۰۸۸ھ) کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، الطبعة الأولى ۱۴۰۶ھ (۵۲۹/۴)۔

معلوم ہونا ضروری ہے (مبیع کا وصف معلوم ہونا ضروری نہیں)۔

اسی کے تحت حاشیہ ابن عابدین میں ہے:-

ظاهر کلامہ کالکنز يعطى أن معرفة وصف المبيع غير

(۱) شرط۔

ترجمہ:- کنز الدقائق کی طرح علامہ حنفی کے ظاہری کلام سے بھی یہی

معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مبیع کا وصف بیان کرنا ضروری نہیں۔

علامہ شرنبلالی کی رائے یہ ہے کہ اگر مبیع کے اوصاف اور مقدار دونوں چیزیں

معلوم نہ ہوں تو بھی بیع درست ہو جائے گی، صرف جنس کا معلوم ہونا کافی ہے۔ چنانچہ وہ

فرماتے ہیں:-

إن المبيع المسمى جنسه، لا حاجة إلى بيان قدره ولا وصفه

ولو غير مشار إليه أو إلى مكانه. (۲)

ترجمہ:- جس مبیع کی جنس بیان کر دی جائے اس کی مقدار اور صفت

بیان کرنے کی ضرورت نہیں خواہ اس کی یا اس کی جگہ کی طرف اشارہ

بھی نہ کیا جائے۔

علامہ شرنبلالی کے دلائل

۱- صفت اور مقدار کا معلوم نہ ہونا باہمی نزاع اور جھگڑے کا باعث نہیں بنتا اس

لئے کہ ایسی صورت میں خریدار کو اختیارِ رُقوت حاصل ہوتا ہے۔ لہذا دیکھنے کے بعد خریدار کو

حق حاصل ہوگا کہ اگر اسے وہ چیز پسند نہ آئے تو وہ یہ معاملہ فسخ کر دے۔

۲- شریعت کے اندر ایسے معاملات کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جہاں بیچی

جانے والی چیز کی صفت اور مقدار معلوم نہ ہونے کے باوجود بھی بیع کو صحیح قرار دیا گیا جیسے

کسی شخص کا دوسرے سے یہ کہنا کہ میرے گھریا میرے صندوق میں جو کچھ ہے، وہ آپ

(۱) رد المحتار (۴/۵۲۹)۔

(۲) بحوالہ بالا۔

اتنے میں لے لیں، یا غاصب کا مغصوب منہ سے یہ کہنا کہ میں نے آپ کی جو چیز غصب کی ہے، وہ مجھے اتنے میں بیچ دو، یا امین کا امانت رکھوانے والے سے یہ کہنا کہ آپ کی جو امانت میرے پاس ہے وہ اتنے میں مجھے بیچ دو وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام صورتوں میں بیچی جانے والی اشیاء کے اوصاف معلوم نہیں ہوتے لیکن فقہاء حنفیہ کے ہاں ان کی بیع جائز ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ بیع جائز ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ بیچی جانے والی چیز کی صفت بیان کی جائے۔ علامہ شرنبلالی کے دلائل سے متعلقہ عربی عبارات درج ذیل ہیں:-

إن الجهالة المانعة من الصحة تنتفى بثبوت خيار الرؤية لأنه إذا لم يوافق يردده فلم توجد الجهالة المفضية إلى المنازعة واستدل على ذلك بفروع صححوا فيها البيع بدون بيان قدر ولا وصف: منها ما قدمناه من صحة بيع جميع ما في البيت أو الصندوق وشراء ما في يده من غصب أو ودیعة وبيع الأرض مقتصرًا على ذكر حدودها وشراء الأرض الخربة المارة عن القنية. (۱)

لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ نے ان دلائل کی تردید فرمائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مجهول الصفت بیع کی خرید و فروخت کو جائز قرار دیں تو بہت سی ایسی صورتوں میں بھی بیع کو جائز قرار دینا پڑے گا جو بالاتفاق ناجائز ہیں جیسے کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ میں نے تجھے اپنی گندم ایک درہم کے بدلے میں بیچی یا اپنا غلام یا گھر ایک درہم کے بدلے میں بیچا۔ یہ معاملات جائز نہیں، لہذا مجهول الصفت چیز کی بیع کو جائز قرار دینا درست نہیں۔

علامہ شرنبلالی کے دلائل کا جواب

علامہ شرنبلالی کی پہلی دلیل کا جواب دیتے ہوئے علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ یہ

کہنا درست نہیں کہ خیارِ رؤیت کی وجہ سے بیع کی جہالت زائل ہو جائے گی، اس لئے کہ بعض دفعہ نیچے جانے والی چیز کے کچھ حصہ کو دیکھنے سے خیارِ رؤیت ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد بھی اس چیز میں اتنی جہالت باقی رہتی ہے جو باعثِ نزاع بن سکتی ہے اور کبھی کبھی تو اس چیز کو دیکھنے سے پہلے ہی خیارِ رؤیت ختم ہو جاتا ہے جیسے کوئی شخص ایک چیز بن دیکھے خریدے اور پھر دیکھنے سے پہلے سے اسے آگے فروخت کر دے۔

اور دوسری دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ذکر کردہ مثالیں جن میں صفت کا ذکر کئے بغیر بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے، یہ تمام صورتیں اس وقت جائز ہیں جب ان میں جہالت بہت کم پائی جاتی ہو اور وہاں صفت کا ذکر نہ کرنا باہمی نزاع اور جھگڑے کا باعث بھی نہیں بنتا، نیز یہ جہالت خیار کے استعمال سے ختم ہو جاتی ہو، لہذا ان چند مثالوں کی بنیاد پر مجہول الصفت بیع کی بیع کو جائز قرار دینا درست نہیں۔ ان جوابات سے متعلق عربی عبارات درج ذیل ہیں:-

قلت ما ذكره من الإكتفاء بذكر الجنس عن بعض القدر
والوصف لا يلزم عليه صحة البيع في نحو: بعتك حنطة
بدرهم ولا قائل به ومثله بعتك عبداً أو داراً وما قاله من
انتفاء الجهالة بثبوت خيار الرؤية مدفوع بأن خيار الرؤية قد
يسقط برؤية بعض المبيع، فتبقى الجهالة المفضية إلى
المنازعة وكذا قد يبطل خيار الرؤية قبلها بنحو بيع دار أو
رهن لما اشتراه نعم صحح بعضهم الجواز بدون
الإشارة المذكورة لكنه محمول على ما إذا انتفى الجهالة
بدونها ولذا قال في النهاية هناك: صح شراء ما لم يره يعني
شيئاً مسمى موصوفاً أو مشاراً إليه أو إلى مكانه ليس فيه
غيره بذلك الاسم والذي يظهر من كلامه تفريعا
وتعليلا أن المراد بمعرفة القدر والوصف ما ينفي الجهالة

الفاحشة وذلك بما يخص المبيع عن نظاره وذلك
بالإشارة لو حاضراً في مجلس العقد كبعثك كرحنطة
بلدية مثلاً بشرط كونه في ملكه أو ببيان مكانه الخاص
كبعثك ما في كمي أو بإضافته إلى البائع كبعثك عبدی
ولا عبد له غيره أو ببيان حدود أرض ففي كل ذلك تنفی
الجهالة الفاحشة عن المبيع، وتبقى الجهالة اليسيرة وهي
لا تنافی صحة البيع لارتفاعها بثبوت خيار الرؤية، فإن خيار
الرؤية يثبت بعد صحة البيع لرفع تلك الجهالة اليسيرة لا
لرفع الفاحشة المنافية لصحته.^(۱)

طرفین کے دلائل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں علامہ شرنبلالی کا
مسئلہ کمزور ہے اور زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ اگر بیع موجود نہ ہو تو اس کی صفات کا بیان کرنا
ضروری ہے خصوصاً عصر حاضر میں صفات کا بیان باہمی نزاع کا باعث بن سکتا ہے۔
البتہ یہاں یہ واضح رہنا ضروری ہے کہ یہ ساری تفصیل عام معاملات کے متعلق
ہے لیکن اگر ایسی دو اجناس کا باہمی تبادلہ ہو جن میں کمی بیشی ربا کا باعث بنتی ہے جیسے سونا،
چاندی، گندم، جو، کھجور وغیرہ^(۲) تو اس صورت میں عوضین کے ہونے کے باوجود ان کی طرف
صرف اشارہ کر دینا کافی نہیں بلکہ عوضین کا مکمل طور پر برابر برابر کرنا ضروری ہے کیونکہ ایسی
بیع میں عوضین کے درمیان تھوڑی سی کمی بیشی بھی ربا کا ذریعہ بنتی ہے۔ چنانچہ علامہ خواریزی
رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

إن الأعراض إذا كانت من أموال الربوية كالدرهم
والدنانير والحنطة والشعير إذا بيعت بجنسها عند جهالة
مقدارها لا يجوز وإن أشير إليها.^(۳)

(۱) رد المحتار (۴/۵۳۰)۔ (۲) انہیں اصطلاح میں ”أموال ربوية“ کہا جاتا ہے۔

(۳) الکفاية مع فتح القدیر، الخوارزمی (مولانا جلال الدین الخوارزمی) کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ،

ترجمہ:- جب عوضین اموال ربوی ہوں جیسے دراہم، دنانیر، گندم اور جو، اور باہمی طور پر تبادلہ کیا جائے اور ان کی مقدار معلوم نہ ہو تو وہ بیع جائز نہیں اگرچہ ان کی طرف اشارہ بھی کیا جائے۔

شافعیہ

علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں شافعیہ کے تین اقوال نقل فرمائے ہیں:-

پہلا قول

إِنَّه لَا يَصَحُّ حَتَّى تَذَكَرَ جَمِيعَ الصِّفَاتِ كَالْمُسْلِمِ فِيهِ.
ترجمہ:- جب تک نیچي جانے والی چیز کی تمام صفات ذکر نہ کی جائیں جس طرح کہ مسلم فیہ میں کی جاتی ہیں، اس وقت تک بیع صحیح نہ ہوگی۔

دوسرا قول

لَا يَصَحُّ حَتَّى تَذَكَرَ الصِّفَاتِ الْمَقْصُودَةَ.
ترجمہ:- جب تک صفات مقصودہ (یعنی وہ صفات جن پر اس چیز کے مفید یا نقصان دہ ہونے کا مدار ہے) ذکر نہ کی جائیں، اس وقت تک بیع صحیح نہ ہوگی۔

تیسرا قول

لَا يَفْتَقِرُ إِلَى ذِكْرِ شَيْءٍ مِنَ الصِّفَاتِ.^(۱)
ترجمہ:- کسی بھی صفت کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، یعنی صفات کا ذکر کئے بغیر خریدنا اور بیچنا جائز ہے۔

ان تین اقوال میں سے پہلا قول رائج ہے اور امام شافعی کے جدید قول کے بھی

موافق ہے۔

چنانچہ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:-

وقال فی الجدید: لا یصح لحديث أبی هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الغرر وفي هذا البيع غرر ولأنه نوع بيع فلم یصح مع الجهل بصفته.^(۱)

ترجمہ:- امام شافعی کا جدید قول یہ ہے کہ (جب تک تمام صفات کا ذکر نہ کیا جائے اس وقت تک) بیع صحیح نہیں کیونکہ ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا اور اس بیع میں غرر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ بیع (اور بیع میں بیع کا معلوم ہونا ضروری ہوتا) ہے لہذا صفت کے مجہول ہونے کی صورت میں یہ صحیح نہیں ہوگی۔

مالکیہ اور حنابلہ

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک مجہول الصفت بیع کی خرید و فروخت مطلقاً ناجائز ہے۔ علامہ ابن رشد الحجد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

أما الغرر فی الثمن والمثمن أو فی أحدهما فإنه یكون بثلاثة أوجه. (أحدها) الجهل بصفته أو بمقداره.^(۲)

ترجمہ:- ثمن اور بیع کے اندر غرر تین اعتبار سے ہوتا ہے، ان میں سے ایک یہ کہ ان کی صفت یا مقدار مجہول ہو۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:-

(۳) ولا یجوز بیع ما تجہل صفته.

ترجمہ:- مجہول الصفت بیع کی بیع جائز نہیں۔

(۱) المجموع شرح المہذب للنووی (۲۸۸/۹)۔

(۲) المقدمات الممہدات، القرطبی (أبو الولید محمد بن أحمد بن رشد القرطبی المتوفی ۵۲۰ھ) بیروت، دار العرب الإسلامی، الطبعة الأولى ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۸م (۷۵/۲)۔

(۱) المغنی لابن قدامة (۳۰۱/۶)۔

خلاصہ یہ کہ مالکیہ، حنابلہ اور شوافع کے رائج قول کے مطابق اگر بیع کی صفات بیان نہ کی جائیں تو بیع جائز نہیں اور حنفیہ کے نزدیک اگر اس چیز کی طرف اشارہ کر دیا جائے تو بیع صحیح ہے ورنہ صحیح نہیں۔

مجهول الصفت اشیاء کی چند مثالیں اور ان کا حکم

مجهول الصفت بیع کی خرید و فروخت کے متعلق فقہائے کرام کی آراء ذکر کرنے کے بعد اب ہم اس کی چند مثالیں اور فقہ حنفیہ کی رو سے ان کا حکم بیان کرتے ہیں۔

زمین میں پوشیدہ سبزیوں کی خرید و فروخت

ہماری روزمرہ زندگی میں استعمال ہونے والی بہت سی سبزیاں ایسی ہیں جو دراصل پودوں کی جڑیں ہوتی ہیں اور زمین میں پوشیدہ ہوتی ہیں، انھیں زمین سے اکھاڑ کر استعمال کیا جاتا ہے جیسے گاجر، مولی، پیاز، لہسن وغیرہ۔ عام طور پر انہیں زمین سے اکھاڑ کر منڈیوں اور بازاروں میں فروخت کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض مرتبہ ایسی صورت بھی پیش آتی ہے کہ زمین کے اندر ہوتے ہوئے ان کی خرید و فروخت ہو جاتی ہے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس حال میں ان کی بیع جائز ہے یہ نہیں؟

اس کا حکم یہ ہے کہ بیع کرتے وقت اگر وہ چیز زمین میں اگی ہی نہ ہو یا اگی تو ہو لیکن بیع کرتے وقت اس کا علم نہ ہو کہ وہ اگ چکی ہے کہ نہیں تو اس وقت اس کی خرید و فروخت جائز نہیں۔ مثلاً جس دن بیج ڈالا اسی دن اسے بیج دیا تو اس صورت میں یہ معلوم ہے کہ ابھی تک اگی ہی نہیں تو یہ بیع جائز نہیں ہوگی۔ اسی طرح بیج ڈالنے کے بعد اس وقت بیج ہوئی جبکہ اس کے صرف چند پتے باہر زمین پر نظر آرہے تھے تو اس صورت میں چونکہ معلوم نہیں کہ وہ اگ چکی ہے یا نہیں تو ایسی صورت میں اسکی خرید و فروخت جائز نہیں۔

لیکن اگر یقین سے معلوم ہو کہ وہ چیز اگ چکی ہے تو اس صورت میں حنفیہ کے اسکی خرید و فروخت جائز ہے اور خریدار کو خیالِ رویت حاصل ہوگا۔ جس کی صورت یہ دگی کہ خریدار جب ان میں سے چند کو اکھاڑ کر دیکھ لے اور پھر پسند کرے تو وہ بیع مکمل

ہو جائے گی اور خریدار کا خیار رویت ختم ہو جائے گا۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ اپنی کتاب رد المحتار میں لکھتے ہیں:-

إِذَا لَمْ يَنْبِتْ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ وَجُودَهُ فَإِنَّهُ لَا يَجُوزُ بَيْعُهُ فِيهِمَا كَمَا
فِي ط عَنْ الْهَنْدِيَّةِ (قَوْلُهُ وَلَهُ خِيَارُ الرَّوْيَةِ) قَالَ فِي الْهَنْدِيَّةِ:
إِنْ كَانَ الْمُبِيعُ فِي الْأَرْضِ مِمَّا يَكَالُ أَوْ يوزنْ بَعْدَ الْقَلْعِ
كَالْثُومِ وَالْجُزْرِ وَالْبَصْلِ فَقَلْعُ الْمُشْتَرِي شَيْئًا بِإِذْنِ الْبَائِعِ
أَوْ قَلْعُ الْبَائِعِ، إِنْ كَانَ الْمَقْلُوعُ مِمَّا يَدْخُلُ تَحْتَ الْكِيلِ أَوْ
الْوِزْنِ إِذَا رَأَى الْمَقْلُوعَ وَرَضِيَ بِهِ لَزِمَ الْبَيْعُ فِي الْكُلِّ وَتَكُونُ
رُؤْيَا الْبَعْضِ كَرُؤْيَا الْكُلِّ إِذَا وَجَدَ الْبَاقِيَ كَذَلِكَ، وَإِنْ كَانَ
الْمَقْلُوعُ شَيْئًا يَسِيرًا لَا يَدْخُلُ تَحْتَ الْوِزْنِ لَا يَبْطُلُ خِيَارُهُ^(۱)
فِي الدَّرِ الْمَخْتَارِ: وَتَكْفِي رُؤْيَا الْبَعْضِ عِنْدَهُمَا وَعَلَيْهِ
الْفَتْوَى^(۲).

چھلکے میں پوشیدہ غذائی اشیاء کی خرید و فروخت

بہت سی غذائی اشیاء جس میں پھل، سبزیاں اور میوہ جات وغیرہ شامل ہیں، کی خرید و فروخت ان چھلکوں میں ہوتی ہے جس میں وہ موجود ہوتی ہیں جیسے بادام، اخروٹ، کیلا، مالٹا، خربوزہ، تربوز وغیرہ اور بعض مرتبہ اس کے بغیر ہوتی ہے جیسے چاول اور تل وغیرہ۔ جب ان چیزوں کی چھلکوں کے اندر ہوتے ہوئے بیع ہو رہی ہوتی ہے تو اس وقت یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ یہ اندر سے کیسے ہیں، مثلاً بادام کڑوا ہے یا میٹھا، خربوزہ میٹھا ہے یا پھیکا، تربوز پکا ہے یا کچا وغیرہ۔ گویا ان کے اندر صفت کسی حد تک غیر معلوم ہوتی ہے، تو کیا اسی حال میں انکی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

جہاں تک چاول وغیرہ کی خرید و فروخت کا تعلق ہے تو اگر یہ چھلکے کے اندر ہو تو

اس وقت صرف چاول کی بیج نہیں ہوتی بلکہ چھلکا سمیت چاول (دھان) کی بیج و شرا ہوتی ہے تو اس وقت چونکہ خود چھلکا بیج کا جزو بن جاتا ہے، اسلئے اسکی خرید و فروخت جائز ہے۔ پھلوں اور میوہ جات کی خرید و فروخت میں یہ تفصیل ہے کہ چھلکا سمیت خریدنا تو جائز ہے لیکن چھلکا اتارنے کے بعد اگر وہ چیز کسی طرح قابل استعمال ہی نہیں مثلاً خر بوزہ کڑوا تھا جسکی وجہ سے اسکا کھانا بہت مشکل ہو گیا یا اخروٹ و بادام بالکل کڑوے نکلے تو ایسی صورت میں خریدار کو اختیار ہوگا کہ وہ ان چیزوں کو واپس کر کے ادا کردہ قیمت واپس لے لے لیکن اگر وہ چیزیں استعمال ہو سکتی تھیں مثلاً ان میں کڑواہٹ کم تھی تو ایسی صورت میں اسے واپس نہیں کیا جاسکتا البتہ مطلوبہ صفت میں کمی آنے کی وجہ سے اس کی قیمت میں جتنی کمی آئی، اسے واپس لے سکتا ہے بشرطیکہ اس نے اسے تھوڑا سا چکھنے کے بعد چھوڑ دیا ہو لیکن اگر چکھنے کے بعد اسے کچھ کھا بھی لیا تو پھر اسے یہ واپس کرنے کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ اس چیز کا توڑنا خود ایک عیب ہے لہذا خریدار اور فروخت کنندہ میں سے ہر ایک کو نقصان سے بچانے کی یہی صورت ہے جو اوپر بیان کی گئی۔

علامہ مرغینانی فرماتے ہیں:-

(من اشتری بیضاً أو بطیخاً أو قثاء أو خیاراً أو جوزاً فکسرہ، فوجدہ فاسداً، فإن لم ینتفع بہ رجع بالثمن کلہ لأنہ لیس بحال فکان البیع باطلاً ولا یتبر فی الجوز صلاح قشرہ علی ما قیل، لأن مالیتہ باعتبار اللب وإن کان ینتفع بہ مع فسادہ لم یردہ، لأن الکسر عیب۔^(۱)

اس کے حاشیہ پر علامہ عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:-

قوله فإن لم ینتفع بہ: ای لم یتفع بہ أصلاً بحيث لا یصلح لأکل الناس ولا للعلف قال الإمام الحلوانی: هذا إذا ذاقه

(۱) الهدایة، إدارة القرآن والعلوم الاسلامیة (۵: ۷۴، ۷۵)۔

... انظر ایضاً الدر المختار مع رد المحتار (۵/ ۱۵۱)۔

فوجدہ كذلك فترکہ، فإن تناول شيئاً بعد ما ذاقه لا يرجع
عليه بشئ، وما لا ينتفع به أصلاً كالقرع إذا وجدہ مرّاً
والبيضة إذا كانت مرّة^(۱)

پہلے سے چیک کرنے کی شرط لگانا

اس کے علاوہ ایک تیسری صورت جو ہمارے دیار میں مروج ہے۔ وہ یہ کہ خریدار
خریدتے وقت یہ شرط لگاتا ہے کہ میں چیک کر کے لوں گا۔ اگر میٹھا ہوا تو خرید لوں گا ورنہ
واپس کر دوں گا۔ اس صورت کے متعلق کوئی صریح عبارت تو نہیں مل سکی البتہ قواعد کی روشنی
میں یہ خرید و فروخت جائز معلوم ہوتی ہے اور ایسی صورت میں اس پھل کو کائے کے بعد
واپس کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں اس لئے کہ پھل کٹنے سے پہلے اس کی بیج ہی نہیں ہوتی
بلکہ پھل بیچنے والا اپنی ذمہ داری پر کاٹتا ہے اور اس کے پھیکا یا مطلوبہ صفت سے خالی ہونے
کی صورت میں نقصان کی ذمہ داری اپنے اوپر لیتا ہے، پھر جب ایک صحیح پھل مل جاتا ہے
تو اس کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔

مجهول المقدار مبيع کا حکم

مبيع کے مجهول المقدار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو بیچا جا رہا ہے، اسکی
مقدار معلوم نہ ہو کہ وہ کتنی ہے مثلاً اگر کوئی شخص چینی فروخت کر رہا ہے تو اس بات کا ذکر
کئے بغیر فروخت کرے کہ اس کی مقدار ایک کلو ہے یا دو کلو وغیرہ۔

مجهول المقدار چیز اگر سامنے موجود ہو تو جمہور فقہائے کرام اس کی بیج کو جائز قرار
دیتے ہیں بشرطیکہ بیج کے دوران اس کا وزن ملحوظ نہ ہو بلکہ سامنے نظر آنے والی بیج مقصود ہو
(اس کی تفصیل بیع الجزاف کے ذیل میں آئے گی ان شاء اللہ) لیکن اگر مجهول المقدار چیز کا

(۱) حاشیہ علی الہدایۃ، اللکھنوی (أبو الحسنات محمد عبد الحی اللکھنوی) کراچی، إدارة
القرآن والعلوم الاسلامیۃ، الطبعة الأولى ۱۴۱۷ھ (۵/۷۵)۔

وزن ملحوظ ہو تو پھر اس کی بیع جائز نہیں۔ علامہ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

ولا يجوز بيع مجهول القدر فإن قال بعتك هذه الصبرة لم يصح البيع لحديث أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الغرر وفي هذا البيع غرر كأنه يقع على القليل والكثير ولأنه نوع بيع فلم يصح مع الجهل بقدر المبيع.^(۱)

ترجمہ:- مجهول المقدار مبيع کی بیع جائز نہیں، لہذا اگر بائع نے یہ کہا کہ میں تجھے یہ ڈھیر بیچتا ہوں تو یہ صحیح نہیں کیونکہ ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا اور اس بیع میں غرر ہے کیونکہ یہ قلیل اور کثیر ہر مقدار پر واقع ہوتی ہے، نیز یہ بھی بیع کی ایک قسم ہے لہذا مبيع کے مجهول ہونے کی صورت میں جائز نہیں۔

مجهول المقدار مبيع کی خرید و فروخت کی چند صورتیں

ذیل میں مجهول المقدار مبيع کی خرید و فروخت کی چند صورتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

بيع المزبنة

مجهول المقدار مبيع کی خرید و فروخت کی ایک صورت ”بيع المزبنة“ ہے۔ احادیث میں ”بيع المزبنة“ کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ ذیل میں چند روایات ذکر کی جاتی ہیں۔

۱- نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المحاقلة

(۱) المجموع شرح المہذب، النووی (۳۰۹/۹)۔

..... أنظر أيضاً الهداية للمرغينانی (۷/۵)۔

..... الفروق للقرافی (۲۶۵/۳)۔

والمزائنة والمخابرة^(۱).

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع المحاقلة، بیع المزائنة اور بیع المخابرة سے منع فرمایا۔

۲- عن عبد الله بن عمرو رضى الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن المزائنة.^(۲)

ترجمہ:- عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”بیع المزائنة“ سے منع فرمایا۔

۳- عن أبي سعيد الخدري رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن المزائنة والمحاقلة.^(۳)

ترجمہ:- ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”مزائنة“ اور ”محاقلة“ سے منع فرمایا۔

بیع المزائنة کی حقیقت:

بیع المزائنة کی تعریف یہ کی گئی ہے:-

هو بيع الثمر على النخيل بتمر مجذوذٍ مثل كيله خرصاً.^(۴)
ترجمہ:- درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو کٹی ہوئی کھجوروں کے بدلے میں

(۱) صحیح مسلم، البیوع، حدیث: (۳۷۹۰، ۳۷۹۱، ۳۷۹۲، ۳۷۹۳، ۳۷۹۴، ۳۷۹۵).

(۲) صحیح البخاری، البیوع، حدیث: (۲۱۸۵)، سنن ابن ماجہ، التجارات، حدیث: (۲۲۶۵)، کتاب المؤطا للإمام مالک بن انس، باب ما جاء في المزائنة والمحاقلة ص ۵۷۷.

(۳) صحیح البخاری، البیوع، حدیث: (۲۱۸۶)، سنن ابن ماجہ، التجارات، حدیث: (۲۲۶۶) وروایۃ ابن عباس۔ صحیح البخاری، البیوع، حدیث: (۲۱۸۶).

(۴) الهدایۃ للمرغیانی (۱۰۰/۵).

..... أنظر أيضًا الدر المختار، الحصكفي (محمد بن علي محمد الملقب بعلاء الدين الحنفى الدمشقى المعروف بالحصكفى المتوفى ۱۰۰۸ هـ) كراتشى، ايج ايم سعيد كمپنى، الطبعة الأولى ۱۳۰۶ هـ (۶۵/۵).

..... المنتقى للباحي (۲۳۳/۳).

اندازے کے ساتھ بیچنا۔

اس بات پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ بیع المزانہ جائز نہیں۔ تکملة فتح الملہم میں ہے:-

(۱) إِنَّ الْفُقَهَاءَ اتَّفَقُوا عَلَى تَحْرِيمِ بَيْعِ الْمَزَانَةِ.

ترجمہ:- فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیع المزانہ جائز نہیں۔

اس کے ناجائز ہونے کی بنیادی وجہ تو ممانعت کی روایات ہیں اور عقلی وجہ یہ ہے کہ اس میں بیع کی مقدار مجہول ہوتی ہے اور چونکہ اس میں ہم جنس اجناس کا باہمی تبادلہ کیا جاتا ہے، اس لئے جانبین سے مقدار مکمل طور پر برابر نہ ہونے کی وجہ سے ربا کی خرابی لازم آتی ہے

علامہ حاکمی عدم جواز کی وجوہ ذکر ہوئے لکھتے ہیں:-

(۲) لِلنَّهْيِ وَلِشَبْهِهِ الرِّبَا.

ترجمہ:- اس کے ناجائز ہونے کی وجہ حدیث میں آنے والی ممانعت اور شبہ ربا ہے۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:-

وهو حرام لكونه مجازفة في الربويات، فإن ما على الشجر لا يكال. وإنما يباع خرصاً. فإذا بيع بجنسه خرصاً، كان فيه احتمال التفاضل. واحتمال التفاضل في الربويات في حكم الربا. (۱)

ترجمہ:- بیع المزانہ حرام ہے کیونکہ اس میں اموال ربویہ کی باہمی بیع تخمیناً کی جاتی ہے، اس لئے کہ درخت پر لگے ہوئے پھل کو تولانا نہیں

(۱) تکملة فتح الملہم (۱/۳۰۷)۔

(۲) الدر المختار (۵/۶۵)۔

(۳) تکملة فتح الملہم (۱/۳۰۶)۔

جاتا بلکہ اس کی بیع اندازے سے ہوتی ہے۔ اور جب ہم جنس کی بیع اندازے سے کی جائے تو اس میں کمی بیشی کا احتمال ہوتا ہے۔ اور اموال ربویہ میں کمی بیشی کا احتمال ربا کے حکم میں ہے۔

کیا بیع المزابنة کھجور کے علاوہ دیگر اشیاء میں بھی ہو سکتی ہے؟

اگرچہ بیع المزابنة کی ذکر کردہ تعریف سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس کا تعلق صرف کھجوروں سے ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ تعریف کے اندر صرف کھجوروں کا ذکر اس لئے آیا ہے کہ عربوں کے ہاں کھجوروں کے اندر یہ معاملہ کرنے کا زیادہ رواج تھا ورنہ فقہاء کے نزدیک اس ممانعت کا تعلق کھجور کے علاوہ اور چیزوں سے بھی ہے چنانچہ حنفیہ کے نزدیک اس ممانعت کا تعلق کھجور کے علاوہ انگور کے ساتھ بھی ہے، علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں:-
ومثله العنب بالزبيب.^(۱)

ترجمہ:- یہ حکم اس صورت میں بھی ہے جب لگے ہوئے اور اترے ہوئے انگوروں کا باہمی تبادلہ کیا جائے

اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے کھجور کے علاوہ دیگر تمام اشیاء کے اندر بھی اسی انداز میں خرید و فروخت کرنے کو "بیع المزابنة" کا نام دیا ہے۔ اور اس بیع کو قمار کی ایک قسم قرار دیا ہے، آپ فرماتے ہیں:-

المزابنة: هي كل شيء من الجزاف الذي لا يعلم كيله ولا وزنه ولا عدده ابتيع بشئ مسمى من الكيل أو الوزن أو العدد وهذا في الحقيقة ليس بيعا ولكنه قمار.^(۲)

ترجمہ:- ہر اس چیز کو جس کا کیل، وزن اور تعداد معلوم نہ ہو اسے کسی

(۱) فتح القدیر، ابن الہمام (کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام) کوئٹہ، المكتبة الرشيدية (۵۷/۶)۔

(۱) کتاب الموطأ ص: ۵۷۶۔

..... أنظر أيضا المنتقى للبا جی (۲۴۳/۴)۔

ایسی چیز کے بدلے فروخت کرنا جس کا کیل، وزن اور تعداد معلوم ہو،
مزابنہ کہلاتا ہے..... اور درحقیقت یہ بیع نہیں بلکہ قمار ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کھجور کے علاوہ دیگر اموال ربویہ میں اس طرح کی
خرید و فروخت بھی ”بیع المزابنہ“ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

وَالْحَقُّ الشَّافِعِيُّ بِذَلِكَ كُلِّ بَيْعٍ مَجْهُولٍ بِمَجْهُولٍ أَوْ
بِمَعْلُومٍ مِنْ جِنْسٍ مَنْ يَجْرِي فِيهِ الرِّبَا.^(۱)

ترجمہ:- امام شافعی نے اس کے ساتھ اموال ربویہ میں سے ہر مجہول
کی مجہول کے بدلے یا معلوم کے بدلے بیع کرنے کو بھی شامل کیا ہے۔
اموال ربویہ سے وہ اشیاء مراد ہیں کہ جنکی باہمی خرید و فروخت میں برابری اور
نقد تبادلہ ضروری ہے ورنہ ان شرائط کا لحاظ نہ رکھنے سے ربا (سود) لازم آتا ہے جیسے سونا،
چاندی، کھجور، گندم، جو وغیرہ۔

تازہ کھجوروں کو خشک کے بدلے بیچنے کا حکم

تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے بدلے میں بیچنے کی دو صورتیں ہیں:-

۱- تازہ کھجوریں درخت پر لگی ہوئی ہوں۔

۲- تازہ کھجوریں درخت سے کاٹی جا چکی ہوں۔

پہلی صورت میں جب خشک کھجوروں کے مقابلے میں انکی بیع کی جاتی ہے تو وہ
”بیع المزابنہ“ کہلاتی ہے جو کہ بالاتفاق ناجائز ہے۔ البتہ دوسری صورت کے جواز اور
عدم جواز میں اختلاف ہے۔

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کا مذہب

اس مسئلے میں ائمہ ثلاثہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہ اللہ کا

(۱) فتح الباری، العسقلانی (أحمد بن علی بن حجر العسقلانی ۷۷۳ھ-۸۵۲ھ) لاہور، دار

نشر کتب الاسلامیة، الطبعة الأولى ۱۴۰۱ھ-۱۹۹۹م (۳۸۳/۳)

مذہب یہ ہے کہ تازہ اور خشک کھجوروں کو ایک دوسرے کے مقابلے میں فروخت کرنا مطلقاً ناجائز ہے خواہ دونوں کا وزن برابر ہو یا کم و بیش ہو، اور خواہ دونوں نقداً فروخت کی جا رہی ہوں یا ایک تو فوری دی جا رہی ہو اور دوسرے کو بعد میں دینا طے پائے، ہر حال میں یہ بیع ناجائز ہے۔^(۱)

دلائل

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے دلائل دو حدیثوں پر مبنی ہیں:-

۱- پہلی حدیث جو صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ یہ ہے:-

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتَّى يَبْدُو
صَلَاحَهُ وَعَنْ الثَّمَرِ بِالثَّمَرِ.^(۲)

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی بیع کرنے سے منع فرمایا، یہاں تک کہ وہ قابل انتفاع ہو جائیں اور تازہ کھجوروں کی خشک کھجوروں کے بدلے بیع کرنے سے منع فرمایا۔

اس حدیث کے دوسرے جملے میں تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے بدلے میں بیچنے سے منع کیا گیا ہے۔ جمہور فقہاء کرام کا کہنا ہے کہ اس ممانعت کے اندر کھجوروں کی خرید و فروخت کی دونوں صورتیں شامل ہیں، لہذا جس طرح پہلی صورت ممنوع ہے اسی طرح دوسری صورت بھی ناجائز ہوگی اس لئے کہ حدیث کے عموم کا تقاضا یہی ہے کہ دونوں صورتوں کو ناجائز قرار دیا جائے۔

۲- دوسری حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،

روایت یہ ہے:-

قال سعد: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يسئل

عن شراء التمر بالرطب. فقال لمن حوله: أينقص الرطب إذا

(۱) الهداية للمرغباني (۵/۱۹۲).

(۲) مسلم، البيوع حديث: ۳۸۴۸.

ییس؟ قالوا نعم: فنهی عن ذلک^(۱)

ترجمہ:- حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تازہ اور خشک کھجوروں کی خرید و فروخت کے فروخت کے بارے میں بات کرتے ہوئے سنا۔ آپ نے اپنے ارد گرد کے لوگوں سے تازہ کھجوروں کے بارے میں سوال کیا کہ یہ تازہ کھجوریں خشک ہونے کے بعد (وزن کے اعتبار سے) کم ہو جاتی ہیں۔ انہوں نے عرض کیا، جی ہاں! تو آپ نے ان کی خرید و فروخت سے منع کر دیا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تازہ اور خشک کھجوروں کی خرید و فروخت دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔

۱- دونوں کھجوریں وزن کے اعتبار سے برابر ہوں۔

۲- دونوں کا تبادلہ اس مجلس میں ہو جس میں عقد کیا گیا ہے، کوئی ایک یا دونوں کی ادائیگی ادھار پر نہ ہو۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل وہ مشہور حدیث ہے، جسے ”ربا الحدیث“ کے اندر بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

الذهب بالذهب والفضة بالفضة والكر بالكر والشعير
بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل، يداً بيد،
فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم.^(۲)

(۱) الهدایة للمرغینانی (۵/۱۹۲)۔

..... عمدة القاری للعینی (۱۱/۲۹)۔

(۲) الصحيح لمسلم، کتاب المساقاة والمزارعة، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقداً۔

ترجمہ:- سونے کو سونے کے بدلے میں، چاندی کو چاندی کے بدلے میں، کھجور کو کھجور کے بدلے میں اور نمک کو نمک کے بدلے میں برابر برابر اور دست بدستی (یعنی فوری بلا اُدھار) فروخت کرو، اور اگر ان کی اصناف مختلف ہوں (یعنی ایک کی بیج دوسرے کے ساتھ ہو، اسی کے ساتھ نہ ہو) تو جس طرح چاہو، بیچو۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر خشک کھجور کو تازہ کھجور کی جنس کہا جائے تو حدیث شریف کے پہلے حصہ میں ”التمر بالتمر“ کی بیج و شراء کو جائز قرار دیا گیا ہے لہذا ان کی خرید و فروخت بھی درست ہوگی اور اگر انہیں تازہ کھجوروں کی جنس قرار نہ دیا جائے تو حدیث شریف کا آخری جملہ یہ ہے کہ ”اذا اختلف هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم“ (یعنی جب ان کی اصناف مختلف ہو جائیں تو پھر جس طرح چاہو، بیچو) تو اس صورت میں بھی ان کی خرید و فروخت جائز ہوگی لہذا اسے ناجائز قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔

علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ جب وہ بغداد تشریف لے گئے تو اہل بغداد نے ان سے مختلف سوالات کئے۔ ان میں سے ایک سوال اسی بیج کے متعلق تھا کہ آپ اس کو کس طرح جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کے جواب میں امام اعظمؒ نے یہی جواب ذکر کیا جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔^(۱)

علامہ مرغینانی فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے نزدیک خشک کھجوریں (تمر) اور تازہ کھجوریں (رطب) ایک ہی جنس سے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ خشک کھجوروں کیلئے عربی میں ”تمر“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے لیکن فتح خیبر کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیبر کی تازہ کھجوریں پیش کی گئیں تو آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا:-

”أكل تمر خیبر هلكذا“

اس موقع پر آپ نے تازہ کھجوروں کیلئے بھی تمر کا لفظ استعمال فرمایا تو اس سے

معلوم ہوا کہ تازہ اور خشک کھجوریں باہم ہم جنس ہیں، اس لئے امام صاحب - نے ان کی خرید و فروخت کو انہی دو شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا جو مشہور حدیث رباعی میں بیان کی گئی ہیں۔
(یعنی دونوں طرف کی کھجوریں وزن کے اعتبار سے برابر ہوں اور دونوں طرف کا تبادلہ فوری ہو، اُدھار نہ ہو)۔^(۱)

امام اعظمؒ کی دلیل پر اعتراضات اور ان کے جوابات

امام اعظم رحمہ اللہ کی بیان کردہ دلیل پر درج ذیل دو اعتراض وارد ہوتے ہیں:-

پہلا اعتراض

پہلا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اگر امام صاحب تمر (خشک کھجور) اور رطب (تازہ کھجور) کو ایک جنس قرار دے کر دونوں کی آپس میں خرید و فروخت کو جائز قرار دیتے ہیں تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ حنطہ مقلیہ اور حنطہ غیر مقلیہ^(۲) کی آپس میں بیع بھی جائز ہونی چاہئے حالانکہ امام صاحب اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔

جواب

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگرچہ گندم کی دونوں قسمیں ہم جنس ہیں۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ حنطہ مقلیہ کی بیع جائز ہو لیکن جب گندم کی گندم کے مقابلے میں بیع کی جائے تو اس وقت ان کے درمیان برابری شرط ہے جو کہ مذکورہ صورت میں نہیں پائی جاتی، اس لئے کہ حنطہ مقلیہ (بھنے ہوئے دانوں) کے اندر خلا موجود ہوتا ہے جبکہ غیر مقلیہ (جو بھنے ہوئے نہیں ہوتے) ان میں خلا موجود نہیں ہوتا لہذا اگر کسی خاص برتن مثلاً صاع میں ڈال کر دونوں کی بیع کی جائے تو اس میں پھولے ہوئے گندم کے دانے کم آئیں گے جبکہ

(۱) الہدایۃ للمرغینانی (۵/۱۹۳)۔

(۲) حنطہ مقلیہ کا مطلب ہے گندم کے بھنے ہوئے دانے اور حنطہ غیر مقلیہ سے مراد گندم کے وہ دانے ہیں جو بھنے ہوئے نہ ہوں۔ انظر العنایۃ علی ہامش الہدایۃ (۶/۱۶۶)، لسان العرب

(۱۱/۲۹۳)، القاموس الوحید ص: ۱۳۵۱۔

دوسرے دانے زیادہ آئیں گے جس کی وجہ سے دونوں کے درمیان برابری نہیں ہوگی۔ اس لئے یہ بیج ناجائز ہے۔

دوسرا اعتراض

دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہی بات تو تازہ اور خشک کھجور کی باہمی خرید و فروخت کے درمیان بھی پائی جاتی ہے اسلئے کہ تازہ کھجور موٹی ہوتی ہے جبکہ خشک کھجور ٹھوس اور خشک ہوتی ہے لہذا اگر کسی خاص برتن کے ذریعے انکی خرید و فروخت کی جائے تو اس خاص برتن میں تازہ کھجوریں کم آئیں گی جبکہ خشک کھجوریں زیادہ ہوں گی۔ لہذا یہ بیج بھی ناجائز ہونی چاہئے حالانکہ امام صاحب نے اسے جائز قرار دیا ہے۔

جواب:

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان دونوں مثالوں میں بہت فرق ہے۔ گندم کے بھنے ہوئے دانے اور ان بھنے کے درمیان ہوا کا فرق ہے کہ ایک میں خلا ہوتا ہے اور دوسرے میں نہیں ہوتا جبکہ تازہ کھجوریں جو موٹی ہوتی ہیں ان میں شیرہ بھرا ہوتا ہے، البتہ بعد میں یہ شیرہ سوکھ جاتا ہے جسکی وجہ سے خشک کھجور قدرے پتلی ہو جاتی ہے۔ چونکہ شیرہ ایک ایسی چیز ہے جس سے انتفاع کیا جاتا ہے، اسلئے تازہ کھجوروں میں انکی موجودگی برابری کے منافی نہیں جبکہ گندم کے دانوں میں بھری ہوئی ہوا سے انتفاع نہیں کیا جاتا لہذا اس صورت میں برابری نہیں ہوتی، اسلئے کھجوروں کی مذکورہ بیج جائز ہے اور گندم کی مذکورہ بیج جائز نہیں۔^(۱)

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حنطۃ مقلیہ اور غیر مقلیہ میں بندوں کے عمل کا دخل ہوتا ہے جبکہ رطب اور تمر میں انسانی فعل کا دخل نہیں ہوتا، اس لئے گندم میں آنے والی تبدیلی جواز عقد سے مانع ہے لیکن کھجور میں اس تبدیلی کے باوجود عقد جائز ہے۔^(۲)

(۱) تکملة فتح الملہم (۱/۲۰۲)۔

(۲) الکفایۃ (۱/۱۶۶)۔

جمہور فقہاء کے دلائل کے جوابات

اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ اور صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ) نے جن دو احادیث سے استدلال کیا تھا، ان کا درج ذیل جواب دیا گیا ہے۔

پہلی حدیث کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں کھجوروں کی خرید و فروخت کی دونوں صورتیں مراد نہیں، بلکہ صرف پہلی صورت (یعنی بیع المزابنة والی صورت) مراد ہے، جس کا قرینہ یہ ہے کہ اس حدیث کے آخر میں بیع العرایا کو مستثنیٰ قرار دیا گیا اور بیع العرایا کا استثناء بیع المزابنة سے ہی ہوتا ہے۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ بخاری شریف کی ایک روایت میں اس کی تشریح بیع المزابنة سے کی گئی ہے لہذا ان دو قرائن کے ہوتے ہوئے اس حدیث کو عام قرار دینا بہت مشکل ہے۔

دوسری حدیث کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں ایک راوی ابو عیاش زید بن عیاش ہیں جو کہ ضعیف راوی ہیں، جس کی وجہ سے یہ روایت قابل استدلال نہیں^(۳) اور اگر اس حدیث کو درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس کا تعلق اس صورت سے ہے جب تازہ اور خشک کھجوروں کی بیع ادھار کے ساتھ ہو یعنی ایک چیز پر تو فوراً قبضہ کر لیا جائے لیکن دوسری چیز کی ادائیگی بعد میں کی جائیگی۔ اور کھجور کے اندر اس طرح کی خرید و فروخت جائز نہیں چنانچہ ابو داؤد میں اس کی صراحت ہے کہ یہ ممانعت ادھار کی صورت میں ہے۔^(۴)

(۱) اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب المساقاة، باب الرجل یكون له حق أو شرب فی حائط أو نخل۔

(۳) تہذیب التہذیب، العسقلانی (أحمد بن علی بن حجر العسقلانی، ۷۷۳ھ-۸۵۲ھ)

حیدرآباد دکن، دائرة المعارف النظامیة، (۴۲۳/۳) زید بن عیاش ابو عیاش الزرقی و یقال

المسخرومی و یقال مولیٰ بنی زہرة المدنی والشیخان لم یخرجاه لما خشیا من جہالة زید بن عیاش وقال أبو حنیفة مجهول وتعقبه الخطابی وكذا قال ابن حرم أنه مجهول۔

(۴) أبو داؤد، البیوع، حدیث: ۳۲۲۱۔

بيع المحاقلة

بيع المحاقلة کے بارے میں بھی ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ یہ بیع جائز نہیں^(۱)۔ اس کی ممانعت کے متعلق وہی روایات ہیں جو بیع المزابنة کے ذیل میں بیان ہوئیں۔ ان روایات کے اندر بیع المزابنة کے ساتھ ساتھ بیع المحاقلة کا بھی ذکر ہے۔ البتہ ایک روایت ایسی بھی ہے جس میں صرف بیع المحاقلة کا ذکر ہے۔ وہ درج ذیل ہے:-

عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لأن يمنح أحدكم أخاه أرضه خير له من أن يأخذ عليها كذا وكذا بشئ معلوم. قال: وقال ابن عباس: هو الحقل وهو بلسان الأنصار المحاقلة.^(۲)

ترجمہ:- حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو اپنی زمین بلا اجرت استعمال کے لئے دے، یہ بہتر ہے اس سے کہ اس سے فلاں فلاں چیز لے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کھیتی ہے۔ اور انصار کے ہاں اس عمل کو محاقلة کہا جاتا ہے۔

بيع المحاقلة کسے کہتے ہیں؟

اس کے بارے میں تین اقوال مروی ہیں لیکن راجح قول یہ ہے کہ بیع المحاقلة کی

(۱) الهدایة للمرغینانی (۵/۱۰۰)۔

... الدر المختار للحصکفی (۵/۶۵)۔

... المنتقى للباجی (۳/۲۳۳)۔

(۲) صحیح مسلم، البیوع، باب کراء الأرض حدیث: ۳۹۴۲

حقیقت وہی ہے جو بیع المزانہ کی ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ بیع المزانہ تازہ اور کٹی ہوئی کھجوروں کی آپس میں بیع ہوتی ہے جبکہ محافلہ میں کھیت میں لگی ہوئی کھیتی اور کٹی ہوئی فصل کا باہمی تبادلہ ہوتا ہے یہ تفسیر حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

إِنَّ الْمَزَانَةَ بَيْعَ الرُّطْبِ فِي النَّخْلِ بِالتَّمْرِ كَيْلًا وَالْمَحَافِلَةَ فِي
الزَّرْعِ عَلَى نَحْوِ ذَلِكَ، يَبِيعُ الزَّرْعَ الْقَانِمَ بِالْحَبِّ كَيْلًا^(۱)

ترجمہ:- درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو کٹی ہوئی کھجوروں کے بدلے بیچنا
مزانہ ہے اور یہی معاملہ اگر کھیتی میں ہو تو اسے محافلہ کہتے ہیں۔

بیع العرایا

بیع العرایا کا ذکر عام طور پر بیع المزانہ کے بعد ہوتا ہے کیونکہ جن روایات میں بیع المزانہ کے عدم جواز کا ذکر ہے عام طور پر ان کے اندر بیع العرایا کا استثناء کر کے اس کے جواز کو بیان کیا گیا ہے۔

اس بات پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ بیع العرایا جائز ہے کیونکہ احادیث میں اس کا جواز صراحتاً مروی ہے۔ چنانچہ ذیل میں صرف چند روایت ذکر کی جاتی ہیں۔

۱- عن زید بن ثابت أن رسول الله عليه وسلم رخص
في العرایا^(۲)

ترجمہ:- زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے بیع العرایا کی اجازت دی۔

(۱) صحیح مسلم، البیوع، باب النهی عن المحافلة والمزانة... الخ حدیث ۳۸۸۲

(۲) الصحیح للبخاری، البخاری (الإمام أبو عبد الله محمد بن إسماعیل البخاری) بیروت، دار

ابن کثیر، الطبعة الخامسة ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳م حدیث: (۲۰۶۴)۔

یہ روایت مختلف کتب احادیث میں مختلف الفاظ اور مختلف طرق سے مروی ہے۔^(۱)

۲- عن ابی ہریرۃ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رخص فی بیع العرایا بخرصہا فیما دون خمسۃ أوسق أو فی خمسۃ، شک داؤد۔ قال خمسۃ أو دون خمسۃ۔^(۲)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع العرایا کی اجازت دی بشرطیکہ وہ پانچ وسق سے کم ہو یا پانچ وسق ہو، (راوی) داؤد کو شک ہو گیا کہ آپ نے پانچ فرمایا تھا یا پانچ سے کم فرمایا تھا۔

ان روایات کی وجہ سے ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ بیع العرایا شرعاً جائز ہے۔ البتہ اس کی تفسیر اور تشریح میں ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) الصحيح لمسلم، البيوع، حديث (۳۸۵۰) عن زيد بن ثابت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه رخص بعد ذلك في بيع العرية بالرطب أو بالتمر ولم يرخص في غير ذلك.

..... حديث: (۳۸۵۱) عن زيد بن ثابت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص لصاحب العرية أن يبيعها بخرصها من التمر.

..... حديث: (۳۸۵۲) عن زيد بن ثابت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص في العرية يأخذها أهل البيت بخرصها تمرًا يأكلونها رطبًا.

..... حديث: (۳۸۵۵) حدثنا زيد بن ثابت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص في العرية بخرصها تمرًا.

..... حديث: (۳۸۵۶) عن زيد بن حارث أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص في العرایا أن تباع بخرصها كيلًا.

..... أنظر أيضًا الصحيح للبخاری، حديث: ۲۰۷۷، ۲۰۷۸، ۲۰۸۰، ۲۲۸۱، جامع الترمذی، حديث: ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، سنن أبی داؤد، حديث: ۳۳۶۱، ۳۳۶۲، مسند أحمد بن حنبل

ج: ۲ ص: ۵، ۸، ۲۳، وأيضًا فيه ج: ۵ ص: ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۲.

(۲) الصحيح لمسلم، البيوع، حديث (۳۸۶۵).

شافعیہ

امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ بیع العرایا حقیقت کے اعتبار سے وہی ہے جو بیع المزانبہ ہے البتہ اگر یہی بیع المزانبہ پانچ وسق سے کم میں ہو تو اسے ”عرایا“ کہتے ہیں^(۱) اور اگر پانچ وسق یا اس سے زیادہ ہو تو وہ مزانبہ ہے جو کہ ناجائز ہے گویا ان کے نزدیک مزانبہ اور عرایا میں صرف یہ فرق ہے کہ مزانبہ پانچ وسق سے زیادہ میں ہوتی ہے اور عرایا پانچ وسق سے کم میں ہوتی ہے لہذا ان کے نزدیک اگر کوئی شخص درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو پانچ وسق سے کم کھجوروں کے عوض میں فروخت کرتا ہے تو یہ جائز ہے لیکن اگر پانچ وسق یا اس سے زیادہ کھجوروں کے عوض فروخت کرتا ہے تو یہ مزانبہ ہے جو کہ ناجائز ہے۔

حنابلہ

امام احمد حنبلؒ کے نزدیک عرایا دراصل ایک عطیہ ہے، اس لئے کے عرایا عریہ کی جمع ہے اور عریہ لغت میں عطیہ کو کہتے ہیں۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ پہلے زمانے میں لوگ بعض دفعہ اپنے باغ کے ایک درخت کا پھل پکنے سے یا کاٹنے سے پہلے کسی فقیر کو عطیہ کے طور پر دے دیتے تھے چونکہ وہ فقیر تنگ دست ہوتا تھا، اس لئے اس کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ جو پھل اسے عطیہ کیا گیا ہے وہ یا اس کا عوض فوراً مل جائے۔ اس کے لئے وہ یہ طریقہ اختیار کرتا کہ اس درخت کا پھل کسی تیسرے آدمی کے ہاتھوں فروخت کر دیتا اور اسے کہتا کہ فلاں کھجور کا پھل تم لے لو اور مجھے اس کے عوض کئی ہوئی کھجوریں دے دو تا کہ میں اسے یا اس کو بیچ کر اس کی قیمت کو اپنی ضرورت میں خرچ کر سکوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ وسق سے کم میں اس کو جائز قرار دیا۔

گویا امام احمد حنبلؒ کے نزدیک اگرچہ ابتداء میں یہ بیع نہیں لیکن بعد میں اس کے اندر بھی بیع ہوتی ہے اور ان کا کہنا یہ ہے کہ اصلاً تو یہ بیع حرام ہونی چاہئے تھی کیونکہ اس میں بھی ایک طرف بیع کی مقدار مجہول ہے لہذا یہ بھی مزانبہ ہی ہے لیکن لوگوں کی ضروریات

(۱) المجموع شرح المہذب (۳/۱۱) وقد اختاره بعض الحنابلة، أنظر المغنی (۶/۱۱۹)۔

اور حاجات کے پیش نظر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع کو جائز قرار دیا۔^(۱)

مالکیہ

امام مالکؒ ”عرایا“ کی تفسیر یوں بیان فرماتے ہیں کہ بعض مرتبہ باغ کا مالک اپنے باغ کے کسی درخت کا پھل کسی فقیر کو عطیہ کے طور پر دے دیتا تھا لیکن جب پھل کاٹنے کا زمانہ آتا تو باغ کا مالک بیوی بچوں سمیت باغ میں قیام پذیر ہو جاتا کہ وہیں رہ کر پھل بھی کھائیں گے اور تفریح طبع بھی ہوتی رہے گی، چونکہ اس باغ میں ایک درخت فقیر کا بھی ہوتا اس لئے وہ بھی بار بار پھل توڑنے کے لئے آتا جس سے باغ کے مالک کو ناگواری ہوتی۔ چنانچہ باغ کا مالک اس فقیر سے یہ کہتا کہ تم اس درخت کا پھل مجھے فروخت کر دو اور اس کے عوض مجھ سے کئی ہوئی کھجوریں لے لو، وہ فقیر اس درخت کے عوض کئی ہوئی کھجوریں لے کر چلا جاتا۔^(۲)

گویا امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کے نزدیک وہ فقیر درخت کے پھلوں کو تیسرے آدمی کے ہاتھوں فروخت کرتا ہے جبکہ امام مالکؒ کے نزدیک اسی شخص کو فروخت کرتا ہے جس نے اسے عطیہ کے طور پر دیئے تھے۔

حنفیہ

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عرایا کی حقیقت وہی ہے جو امام مالکؒ نے بیان فرمائی ہے لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ معاملہ دیکھنے کے اعتبار سے تو بیع ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے بیع نہیں بلکہ عطیہ کی گئی چیز کی تبدیلی ہے۔ شروع میں باغ کے مالک نے وہ کھجوریں عطیہ کے طور پر دی تھیں جو درخت پر لگی ہوئی تھی اور ابھی اس

(۱) المغنی (۶/۱۲۳)۔

(۲) المغنی بحوالہ بالا، قال مالک: بیع العرایا الجائز هو أن بصری الرجل الرجل المصری

حائطه، لأنه بما كان مع اهله فی الحائط، فیؤذیه دخول صاحبه علیه، فیجوز أن یشریها منه.

..... أيضًا فی بدایة المجتهد، ابن رشد الحفید (القاضی أبو الولید محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد بن رشد القرطبی الأندلسی الشهیر بابن رشد الحفید) مصر، مطبع محمد علی، الطبعة

الأولی (۲/۱۷۸)۔

پر قبضہ نہیں ہوا تھا کہ باغ کے مالک نے کٹی ہوئی کھجوریں اس فقیر کو دے دیں۔

امام اعظمؒ کا کہنا ہے کہ اس معاملے کو بیع کہنا اس لئے درست نہیں کہ پہلی مرتبہ جو کھجوریں فقیر کو ہبہ کے طور پر دی گئی تھیں، وہ ان کا مالک نہیں بنا تھا، اس لئے کہ ہبہ نافذ ہونے کے لئے قبضہ شرط ہے جبکہ یہاں قبضہ نہیں پایا گیا اور فقیر کھجوروں کا مالک نہیں ہوا تو وہ ان کھجوروں کو کیسے بیچ سکتا ہے، لہذا لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ یہ معاملہ ”استبدال الموهوب بموهوب آخر قبل قبضہ“ (قبضہ کرنے سے قبل ہبہ کی کسی دوسرے ہبہ سے تبدیلی) ہے۔^(۱)

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ نے عرایا کو بیع قرار دیا ہے اگرچہ اسکی تفسیر میں تینوں ائمہ کا اختلاف ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک یہ قبضہ سے پہلے عطیہ کی تبدیلی کا نام ہے۔

مذہب حنفی کی وجوہ ترجیح

عرایا کی تفسیر میں امام اعظمؒ کا مذہب لغت، روایات اور عقلی ہر اعتبار سے راجح ہے۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

لغت کے اعتبار سے ترجیح

لغت کے اعتبار سے امام صاحبؒ کا مسلک اس لئے راجح ہے کہ عرایا عربیہ کی جمع ہے اور لغت عرب میں ”عریہ“ درخت پر لگی ہوئی کھجور کو ہبہ کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

لسان العرب میں ہے:-

وأعراه النخلة: وهب له ثمرة عامها، والعریة: النخلة المعراة.

قال سويد بن الصامت الأنصاري:

(۱) تکملة فتح الملهم، العثماني (القاضي محمد تقي العثماني) کراتشی، مکتبہ، دارالعلوم

لیست بسنہاء ولا رجیہ

(۱) ولکن عرایا فی السنین الجوانح

ترجمہ:- اعراہ النخلۃ کا مطلب ہے ”کسی کو اس سال کے پھل بہہ کے پر دینا“

اور عریۃ بہہ کے طور پر دئے گئے درخت کو کہتے ہیں۔
سوید بن صامت کا شعر ہے:-

یہ درخت نہ تو ایسے ہیں کہ ایک سال پھل دیں اور ایک سا پھل نہ دیں
اور نہ وہ ایسے ہیں کہ ان کے گرد کانٹوں کی باڑ لگا دی گئی ہو کہ کوئی ان
کے پھل کھا نہ سکے بلکہ یہ قحط کے موسم میں بہہ کئے گئے درخت ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عریۃ لغت میں بہہ کے معنی میں آتا ہے۔ لسان العرب
کے علاوہ دیگر بہت سی لغت کی کتب میں بھی عریۃ عطیہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔^(۲)

روایات کے اعتبار سے ترجیح

متعدد روایات کے الفاظ سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اس مسئلے میں امام
صاحب کا مذہب راجح ہے چند وجوہ درج ذیل ہیں۔

۱- حضرت زید بن ثابت کی روایت میں ہے:-

إن رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص في العرايا يأخذها
أهل البيت بخرصها تمرًا يأكلونها رطبًا.^(۳)

ترجمہ:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا کی اجازت دی جس میں

(۱) لسان العرب (۹/۱۸۰)

(۲) المحکم لابن سیدۃ (۱/۱۹۷) اعراہ النخلۃ: وہب لہ ثمرۃ عامہا، والعریۃ: النخلۃ المقرۃ

ایضاً فی الصحاح الجوہری (اسماعیل بن حماد الجوہری)، مصر، دارالکتاب العربی،
الطبعة الأولى ۱۳۷۵ھ-۱۹۵۶م (۶/۲۳۲۳)۔

(۱) الصحيح لمسلم، البيوع، حديث: (۳۸۵۲)۔

عطیہ کرنے والے کے گھر والے خشک کھجور اندازے سے دیکر حاصل کرتے ہیں تاکہ وہ تازہ کھجوریں کھائیں۔

اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ تازہ کھجوروں کو اپنے پاس رکھ کر فقیر کو خشک کھجوریں دیتے ہیں۔ اور یہی امام صاحبؒ کا مذہب ہے۔

۲۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عالمین صدقات کو حکم دیا کہ جو لوگ اپنے باغات میں عرایا کا معاملہ کریں تو ان سے صدقات وصول کرنے میں نرمی کی جائے۔^(۱) اور علامہ ابو عبید نے کتاب الاموال میں حضرت عمر فاروقؓ کا ایک قول ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عرایا کی وجہ سے صدقات میں تخفیف فرمایا کرتے تھے۔^(۲)

ظاہر ہے کہ عرایا کی وجہ سے صدقات میں تخفیف تب ہی ہو سکتی ہے جب عرایا عطیہ کے معنی میں ہو۔ اگر یہ بیع ہو تو تخفیف کا کوئی مطلب نہیں کیونکہ بیع کی وجہ سے اتنی ہی چیز مالک کے پاس آ جاتی ہے۔
عقلی اعتبار سے ترجیح:

اور عقلی اعتبار سے حنفیہ کی بیان کردہ تشریح اس لئے راجح ہے کہ اس بات پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ بیع المزابنة کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک طرف بیع کی مقدار مجہول ہوتی ہے کیونکہ یہ محض اٹکل کی بنیاد پر بیع کی جاتی ہے جو کہ اموال ربویہ

(۱) مصنف عبد الرزاق (۱۲۶/۳)؛ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم إذا بعث خارصاً أمره أن لا یخرص العرایا.

..... کتاب الاموال، ابو عبید (الحافظ الحجة القاسم بن سلام المعروف بابی عبید المتوفی ۲۲۳ھ) بیروت - لبنان، دار الکتب العلمیة، الطبعة الأولى ۱۴۰۶ھ - ۱۹۸۶م (۳۸۷) "کان رسول اللہ علیہ وسلم إذا بعث الخراص قال: خففوا، فإن فی المال العریة والوطیة".
..... السنن الکبریٰ للبیہقی (۱۲۵/۳) و لیس فی العرایا صدقة.

(۲) کتاب الاموال بحوالہ بالا: بلغنا أن عمر بن الخطاب قال: خففوا علی الناس فی الخرص فإن فی المال العریة والأکلة.

میں جائز نہیں اس لئے کہ یہ رہا ہے اور اس پر بھی تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ جس معاملہ پر رہا پایا جا رہا ہو وہ حرام ہے خواہ وہ معاملہ زیادہ مقدار میں ہو یا کم مقدار میں۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک بیع جس میں رہا پایا جا رہا ہے، اگر وہ پانچ وسق سے زائد کے اندر ہو تو اسے ناجائز کہا جائے لیکن جب وہی بیع پانچ وسق سے کم میں ہو تو اسے جائز سمجھا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ رہا کا معاملہ اس قدر شدید ہے کہ شریعت نے نہ صرف رہا کو حرام قرار دیا ہے بلکہ جہاں رہا کا شبہ پایا جا رہا ہو، اس معاملہ کو بھی ناجائز کہا ہے لہذا اگر عرایا کو بیع تسلیم کر لیا جائے تو واضح طور پر رہا کی خرابی لازم آتی ہے، اس لئے عقلاً بھی وہی تفسیر راجح ہے جو امام اعظمؒ نے بیان کی۔

حنفیہ کی بیان کردہ تشریح پر چند اعتراضات اور ان کے جوابات

حنفیہ کی بیان کردہ تشریح پر چند اعتراضات کئے گئے ہیں یہ اعتراضات مع جوابات درج ذیل ہیں۔ یہ تمام اعتراضات اور ان کے جوابات امام طحاویؒ نے اپنی کتاب ”شرح معانی الآثار“ میں ذکر فرمائے ہیں۔^(۱)

اعتراض

حدیث کے جملوں میں عرایا کے لئے ”رخص“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اصلاً تو بیع العرایا ناجائز ہے جیسا کہ بیع المزبہ لیکن لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر بیع العرایا کرنے کی اجازت دی گئی ہے اگر عرایا بہہ کے معنی میں ہو تو پھر ”رخص“ کا کیا مطلب؟ اس لئے کہ کسی کو بہہ کرنا نہ صرف جائز بلکہ پسندیدہ عمل ہے۔

جواب

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں ”رخص“ کا لفظ ایک اور بات کی طرف اشارہ

(۱) شرح معانی الآثار، الطحاوی (أبو جعفر أحمد بن محمد المصري الطحاوی ۲۳۹ھ - ۳۲۱ھ) بیروت دار الکتب العلمیة الطبعة الأولى ۱۴۲۲ھ - ۲۰۰۱م.

کر رہا ہے۔ وہ ہے کہ جب باغ کے مالک نے ایک درخت کی کھجوریں فقیر کو عطیہ کے طور پر دیں تو اسے چاہئے تھا کہ بعینہ وہی کھجوریں اس کے حوالے کرتا جو اسے عطیہ کے طور پر دی تھیں لیکن اس نے اسے درخت پر لگی ہوئی تازہ کھجوروں کے بجائے کئی ہوئی کھجوریں دے دیں تو یہ صورتِ وعدہ خلافی پائی گئی تو اس سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ شاید یہ صورت ناجائز ہو تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے رخص کا لفظ استعمال کیا گیا۔

اعتراض

دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرایا صرف پانچ وسق سے کم میں جائز ہے، اس سے زیادہ میں جائز نہیں۔ اگر عرایا ہبہ کے معنی میں ہے تو پھر پانچ وسق کی قید لگانے کا کیا فائدہ؟ کیونکہ ہبہ تو قلیل و کثیر ہر مقدار میں جائز ہے۔

جواب

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس وقت مدینہ منورہ میں عام طور پر اتنی ہی مقدار میں عرایا کرنے کا رواج تھا، اس لئے بیان واقع کے طور پر پانچ وسق کا ذکر کیا گیا یعنی یہ قید اتفاقی ہے، احترازی نہیں ورنہ جس طرح پانچ وسق سے کم میں عرایا جائز ہے ہمارے بیان کردہ مفہوم کی رو سے پانچ وسق سے زائد میں بھی جائز ہے۔

اعتراض

تیسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ احادیث کہ اندر ”عرایا“ کے لئے بیع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اگر عرایا ہبہ کے معنی میں ہوتا تو حدیث میں اس پر ”بیع“ کا اطلاق کیوں کیا جاتا؟

جواب

اس کا پہلا جواب یہ دیا گیا ہے کہ چونکہ یہ عمل صورتِ بیع ہے، اس لئے اس پر بیع کے لفظ کا اطلاق کیا گیا۔

دوسرا جواب جو مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے بیان فرمایا ہے، یہ ہے کہ

بعض روایات پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس بات کا احتمال بھی موجود ہے کہ اصل حدیث میں تو بیع کا لفظ نہ ہو لیکن بعد میں بعض راویوں نے روایت بالمعنی کے طور پر اسے نقل کرتے ہوئے بیع کا لفظ استعمال کیا ہو۔ اس کا ایک قرینہ تو یہ ہے کہ کسی روایت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے لئے بیع کا لفظ بولنا نظر سے نہیں گزرا بلکہ راویوں کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع العرایا سے منع فرمایا۔ لہذا یہ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کے لئے بیع کا لفظ استعمال نہ فرمایا ہو البتہ راویوں نے اس معاملہ کے صورتہ بیع ہونے کی وجہ سے اس پر بیع کا لفظ استعمال کر دیا ہو۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ تمام روایات میں بیع کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ بہت سی روایات ایسی ہیں جن میں عرایا کے لئے بیع کا لفظ نہیں ہے، لہذا یہ بعید نہیں کہ بعض روایات میں بیع کے لفظ کا اضافہ رواۃ کے تصرف کی وجہ سے ہو۔^(۱)

اعترض

چوتھا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ احادیث میں ”عرایا“ کا استثناء ”مزانیۃ“ سے کیا گیا ہے اور ”مزانیۃ“ بالاتفاق بیع ہے تو استثناء کا تقاضا یہ ہے کہ عرایا بھی بیع ہو ورنہ استثناء کرنے کا کیا فائدہ ہوگا؟

جواب

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دراصل یہ استثناء منقطع ہے اور استثناء منقطع میں مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہوتا، لہذا اس استثناء کی وجہ سے اشکال کرنا بھی درست نہ ہوا۔

مجهول المقدار بیع کی ایک جائز مروجہ صورت

ابھی تک مجهول المقدار بیع کا حکم اور اس کی چند صورتیں بیان ہوئیں۔ اب ذیل ہم مجهول المقدار بیع کی خرید و فروخت کی ایک صورت ذکر کرتے ہیں۔

بیع کی مقدار معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بیع کو ناجائز قرار دینے کی اصل وجہ یہی ہے کہ اس کی وجہ سے خریدار اور فروخت کنندہ کے درمیان باہمی نزاع پیدا ہو جاتا ہے جس سے بچنا ضروری ہے البتہ اگر بیع کی مقدار میں جہالت معمولی ہو جس کی وجہ سے باہمی نزاع کا کوئی اندیشہ نہ ہو اور اس کا عرف بھی ہو گیا ہو تو ایسی صورت میں اس کی بیع جائز ہوگی۔

عصر حاضر میں اس کی ایک مثال یہ ہے کہ بعض بڑے بڑے ہوٹلوں میں مختلف قسم کے کھانے مختلف برتنوں میں پیش کئے جاتے ہیں، اور خریدار کو اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ جو کھانا پسند کرے اور جتنا کھانا پسند کرے، کھالے لیکن زیادہ کھائے یا کم، اس کی قیمت ایک ہوگی۔ اب اگرچہ اس صورت میں بیع کی مقدار مجہول ہے، اس لئے کہ یہ معلوم نہیں کہ خریدار اس میں کتنا کھانا کھائے گا لیکن چونکہ اس طرح کرنے سے کوئی باہمی نزاع نہیں ہوتا نیز اس کا عرف بھی ہو گیا ہے اس لئے ایسا کرنا جائز ہے۔^(۱)

بیع المجازفة (اٹکل سے بیع کرنا)

بیع المجازفة کا مطلب یہ ہے کہ اشیاء کی خرید و فروخت اس طرح کی جائے کہ ان کی مقدار متعین طور پر معلوم نہ ہو بلکہ محض اندازہ اور اٹکل کی بنیاد پر کی جائے۔ چنانچہ علامہ عینی فرماتے ہیں:-

(۲) الجراف هو البيع بلا كيل ولا وزن ولا تقدير.

ترجمہ:- مجازفہ ایسی بیع کو کہتے ہیں جو ناپ، تول اور اندازے کے بغیر ہو۔

متعدد احادیث میں اس کا جواز بھی منقول ہے، ذیل میں چند روایات ذکر کی

(۱) تکملة فتح الملهم (۱/۳۲۰).

(۲) عمدة القاری (۱/۲۵۰).

... ایضاً فی شرح النووی مع صحیح مسلم (۱۰/۱۶۹).

... نیل الأوطار للشوکانی (۳/۱۳۵).

جاتی ہیں:-

۱- إن عبد الله بن عمر قال: لقد رأيت الناس في عهد النبي صلى الله عليه وسلم يبتاعون جزافا يعنى الطعام.^(۱)

ترجمہ:- عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے لوگوں کو طعام کے اندر بیع المجازفہ کا معاملہ کرتے ہوئے دیکھا۔

۲- عن ابن عمر رضي الله عنه قال: كنا نشترى الطعام من الركبان جزافا، فنهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نبيعه حتى ننقله إلى مكانه.^(۲)

ترجمہ:- ابن عمر فرماتے ہیں کہ ہم باہر سے آنے والے قافلوں سے اشیاء خوردنی اندازے سے خریدتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (اس بیع سے تو منع نہیں کیا البتہ) اس پر قبضہ کر کے اپنے جگہ منتقل کرنے سے پہلے بیع کرنے سے منع فرمایا۔

۳- عن عبيد الله بن عمر أن أباه كان يشتري الطعام جزافا فيحمله إلى أهله.^(۳)

ترجمہ:- عبید اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ان کے والد اشیاء خوردنی

(۱) الصحيح للبخاری، البيوع (۷۵۱/۲) حدیث: ۲۰۲۸، وأيضاً فيه (۲۵۱۳/۶) حدیث: ۶۳۶۰.

(۲) الصحيح لمسلم، البيوع، حدیث (۳۸۱۶)، صحيح ابن حبان، التميمي (محمد بن حبان بن أحمد أبو حاتم التميمي المتوفى ۲۵۴ھ) بيروت، مؤسسة الرسالة الطبعة الثانية ۱۴۱۳ھ-۱۹۹۳م (۳۵۷/۱۱).

(۳) الصحيح لمسلم، البيوع، حدیث (۳۸۴۰).

..... أنظر أيضاً مسند أحمد بن حنبل ج: ۲ ص: ۷، ۱۵، ۲۱، ۳۰، ۵۳، ۱۳۲، ۱۵۰، ۱۵۷، ۳۹۹.

اندازے سے خریدتے اور پھر اسے اپنے گھر لے جاتے۔

جمہور فقہائے کرام کے نزدیک بیع المجازفہ جائز ہے، البتہ مختلف ائمہ نے اس کے جواز کے لئے مختلف شرائط بیان کی ہیں۔ ذیل میں ہم اسے قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

حنفیہ

حنفیہ کے نزدیک ہم جنس اشیاء کے درمیان انکل سے بیع کرنا جائز نہیں جیسے گندم کی گندم سے اور جو کی جو سے وغیرہ، البتہ اگر مقدار اتنی قلیل ہو کہ وہ عام طور پر تولنے کے پیمانے کے تحت نہ آتی ہو تو اس صورت میں ہم جنس کے درمیان بھی جائز ہے۔ اور اگر اجناس مختلف ہوں یا کرنسی وغیرہ کے بدلے میں بیع ہو تو پھر جائز ہے۔^(۱) البتہ بیع سلم کے اندر بطور ”رأس المال“ کوئی چیز انکل سے دینا جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ یہ معاملہ فسخ ہو جائے اور ایسی صورت میں بائع (مسلم الیہ) کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اصل رأس المال واپس کرے لہذا اگر رأس المال کی مقدار معلوم نہ ہو تو اسے واپس کرنے میں دشواری پیش آئے گی۔^(۲)

حنفیہ کے نزدیک بیع المجازفہ کے جواز کے لئے مزید شرائط بھی ہیں جن کا تذکرہ مالکیہ کی بیان کردہ شرائط کے ذیل میں آئے گا۔

مالکیہ

مالکیہ کے نزدیک بیع المجازفہ درج ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہے:-

(۱) اس کی مقدار ”نصف صاع“ بیان کی گئی ہے جو تقریباً پونے دو سیر کے برابر ہے۔

(۲) الہدایۃ (۱/۵) ویجوز بیع الطعام والحبوب مکایلة ومجازفة وهذا إذا باعه بخلاف جنسه لقوله عليه السلام: إذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم بعد أن یكون یذا بید: بخلاف ما إذا باعه بجنسه مجازفة لما فیہ من احتمال الربا، ولأن الجهالة غیر مانعة من التسليم والتسلم فشابه جهالة القيمة۔

(۳) تنویر الأبصار مع الدر المختار: (ولم یکن رأس مال سلم) بشرط معرفته

ردالمحتار: لاحتمال أن یتفاسخا السلم فیرید المسلم الیہ دفع ما اخذ، ولا یصرف ذلك الا بمعرفة القدر ط۔

۱- بیچی جانے والی چیز نظر آرہی ہو

پہلی شرط یہ ہے کہ جس چیز کی اٹکل سے بیع کی جارہی ہے وہ سامنے موجود ہو اور نظر آرہی ہو۔ اگر وہ نظر نہیں آرہی تو اس کی بیع المجازفہ جائز نہیں^(۱) لہذا نابینا شخص کی بیع المجازفہ بھی جائز نہیں کیونکہ وہ اس چیز کو دیکھ ہی نہیں سکتا۔

حنفیہ کے نزدیک بھی بیع المجازفہ کے جواز کے لئے ضروری ہے کہ بیع نظر آرہی ہو۔^(۲)

۲- بیع کی مقدار معلوم نہ ہو

دوسری شرط یہ ہے کہ متعاقدین میں سے کسی کو بھی بیع کی مقدار معلوم نہ ہو، اگر کسی ایک کو معلوم ہو اور دوسرے کو معلوم نہ ہو تو پہلے شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسے مبیع کی مقدار بتلائے ورنہ اسے اختیار حاصل ہوگا کہ جب چاہے کہ اس سودے کو منسوخ کر دے اور چاہے تو اسے باقی رکھ کر مکمل کر دے۔

۳- عددیات میں خاص شرط

وہ چیزیں جنہیں گن کر خریدا اور فروخت کیا جاتا ہے جیسے انڈے اور کیلے وغیرہ انہیں عددیات کہا جاتا ہے۔ ان کی بیع المجازفہ کے جواز کے لئے ایک اہم شرط یہ ہے کہ اگر ان کی تعداد اتنی ہو کہ آسانی سے گنی جاسکے تو پھر ان کی اٹکل کے ساتھ بیع کرنا جائز نہیں اور اگر بہت زیادہ مقدار ہو، جس کی وجہ سے شمار کرنے میں دشواری ہو تو پھر اٹکل کی بنیاد پر بیع کرنے کی اجازت ہے۔

۴- اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہو

چوتھی شرط یہ ہے کہ بیع کی مقدار اتنی ہو کہ اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہو، اور اگر اس کا اندازہ اور تخمینہ لگانا مشکل ہو تو بیع المجازفہ جائز نہیں۔^(۳)

(۱) المنتقى شرح الموطأ (۸/۵)۔

(۲) فتح القدیر (۷۶/۵)۔

(۳) حاشیۃ الدسوقی (۱۷/۳)۔

۵- سطح زمین ہموار ہو

پانچویں شرط یہ ہے کہ زمین کی جس سطح پر بیع رکھی ہو، وہ ہموار ہوتا کہ اسے دیکھتے ہی خریدار کو اس کی مقدار کا صحیح اندازہ ہو جائے۔ اگر وہ جگہ درمیان سے بلند ہو اور اطراف سے پست ہو تو اس صورت میں تھوڑی مقدار بھی بہت زیادہ معلوم ہوگی جس کی وجہ سے غمر لازم آئے گا، لہذا ایسا کرنا جائز نہیں۔^(۱)

شافعیہ اور حنابلہ

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بھی بیع الجازفہ جائز ہے اور ان کے ہاں بھی تقریباً ان تمام شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے جو مالکیہ کے ہاں ہیں۔^(۲)

(۱) حاشیۃ الدسوقی بحوالہ بالا.

(۲) الغرر واثروہ فی العقود، ص: ۲۶۳، ۲۶۴.

باب سوم مدّت میں جہالت کے اعتبار سے غرر

اس بات پر تقریباً تمام فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ بیع کے اندر ادائیگی کی مدت کا متعین ہونا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَيْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى
فَاكْتُبُوهُ. ^(۱)

ترجمہ:- اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک معینہ مدت کے لئے ادھار کا معاملہ کرنے لگو تو اسے لکھ لیا کرو۔

اس آیت مبارکہ کے اندر دو اصول بیان کئے گئے:-

پہلا یہ کہ ادھار کے معاملات کی دستاویز لکھ لینی چاہیے تاکہ بھول چوک یا کسی کے انکار کرنے کے وقت کام آئے۔

دوسرا یہ کہ جب ادھار کا معاملہ کیا جائے تو اس کی مدت متعین ہونا ضروری ہے، غیر متعین مدت کے لئے ادھار لینا دینا درست نہیں خواہ یہ ادھار قیمت کی صورت میں ہو یا جس چیز کو خریدنا ہو، وہ ادھار ہو جیسے بیع سلم میں ہوتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت لوگ آپس میں بیع سلم کا معاملہ کرتے تھے۔ آپ نے انہیں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:-

من أسلف فليسلف في كيل معلوم ووزن معلوم وأجل معلوم^(۱).

ترجمہ:- جو شخص بیع سلم کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ متعین پیمانے، متعین وزن اور متعین مدت کے ساتھ بیع سلم کرے۔

ذکر کردہ آیت قرآنی اور حدیث نبوی سے معلوم ہوا کہ بیع یا قیمت کی ادائیگی میں

اگر مدت متعین نہ ہو تو وہ معاملہ جائز نہیں اور یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے۔

جہالتِ یسیرہ اور جہالتِ فاحشہ

پھر مدت متعین نہ ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مدت کے اندر بہت زیادہ

جہالت ہو جس کی صورت یہ ہے کہ ادائیگی کی مدت میں جس واقعہ کو بنیاد بنایا گیا ہو خود اس واقعہ کا ہونا یقینی نہ ہو جیسے ہوا کا چلنا، بارش برسنا، یا کسی کا آنا وغیرہ مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ آپ مجھے فلاں چیز فروخت کر دیجئے، اس کی قیمت میں اس وقت ادا کروں گا جب بارش برے گی یا جب زید آئے گا وغیرہ، ایسی جہالت کو جہالتِ فاحشہ کہتے ہیں اور اس کی وجہ سے پیدا ہونے والے غرر کو ”غررِ فاحش“ کہا جاتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مدت کے اندر جہالت کم ہو یعنی اس فعل کا پایا جانا تو یقینی ہو لیکن کوئی وقت اس طرح متعین نہ ہو کہ اس میں کمی بیشی نہ ہو سکتی ہو جیسے فصل کی کٹائی، حاجیوں کی آمد وغیرہ مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ اگر مجھے فلاں چیز اتنی قیمت کے بدلے میں فروخت کر دیں، میں اس کی ادائیگی اس وقت کروں گا جب لوگ گندم کاٹیں گے یا جب حجاج کرام حج سے واپس آئیں گے۔ ان افعال کا پایا جانا یقینی ہے لیکن عام طور پر ان کے واقع ہونے میں کمی بیشی ہو جاتی ہے کبھی فصل جلدی پک جاتی ہے، کبھی تاخیر ہو جاتی ہے۔ تو اس صورت میں پائی جانے والی جہالت معمولی ہے، اسے جہالتِ یسیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے پیدا ہونے والے غرر کو ”غررِ یسیر“ کہا جاتا ہے۔

علامہ شامی جہالتِ یسیرہ اور جہالتِ فاحشہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

(۱) صحیح البخاری، البیوع، حدیث: (۲۲۳۹، ۲۲۴۰، ۲۲۴۱)۔

إن اليسيرة ما كانت في التقدم والتأخر والفاحشة ما كانت
في الوجود كهبوب الريح.^(۱)

یہی تعریف علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں کی ہے۔^(۲)

کوئی جہالت مفسدِ عقد ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مدت کے اندر پائی جانے والی کون سی جہالت ایسی ہے جس کی وجہ سے عقد فاسد ہو جائیگا اور کوئی جہالت ایسی ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے بھی عقد جائز رہے گا۔ اس بارے میں ائمہ اربعہ کے مذاہب میں قدرے اختلاف ہے۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حنفیہ، شافعیہ، ظاہریہ

خرید و فروخت کے معاملات میں حنفیہ، شافعیہ اور ظاہریہ کا مذہب یہ ہے کہ اس میں ادائیگی کی مدت میں جہالت سے عقد فاسد ہو جاتا ہے خواہ جہالت فاحشہ ہو یا جہالت یسیرہ۔ اور یہی بات حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:-

اعلم أن البيع بأجل مجهول لا يجوز إجماعاً سواء كانت
الجهالة متقاربة كالحصاد والدياس مثلاً أو متفاوتة كهبوب
الريح وقدم واحد من سفره.^(۳)

ترجمہ:- واضح رہے کہ مجهول مدت کے ساتھ بیع کرنا بالاتفاق جائز نہیں خواہ یہ جہالت یسیرہ ہو جیسے گندم کی کٹائی وغیرہ کے ساتھ ادائیگی کو معلق کرنا یا جہالت فاحشہ ہو جیسے ہوا کے چلنے یا کسی کے آنے پر ادائیگی کو موقوف کرنا۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین (۵۴۰/۴)۔

(۲) فتح القدیر لابن الہمام (۸۷۳/۶)۔

(۳) رد المحتار مع تنویر الأبصار وشرح الدر المختار (۲۷۹/۷)۔

امام محمد بن الحسن الشیبانی فرماتے ہیں:-

وَإِذَا اشْتَرَى الرَّجُلُ شَيْئًا إِلَى الْحَصَادِ أَوْ إِلَى الدِّيَاسِ أَوْ إِلَى
جَذَاذِ النَّحْلِ أَوْ إِلَى رَجُوعِ الْحَاجِّ فَهَذَا كُلُّهُ بَاطِلٌ. بَلَّغْنَا
ذَلِكَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ. ^(۱)

ترجمہ:- اگر کسی شخص نے کوئی چیز اس شرط پر خریدی کہ وہ اس کی
ادائیگی فصل کی کٹائی یا گہائی یا کھجوروں کے پکنے یا حجاج کرام کے
واپس آنے کے زمانے میں کر دے گا تو یہ تمام معاملات ناجائز ہیں۔
یہ بات ہمیں عبداللہ بن عباس سے پہنچی ہے۔

یہی بات علامہ شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں بھی نقل فرمائی ہے۔ ^(۲)
امام شافعی فرماتے ہیں:-

وَلَوْ بَاعَ رَجُلٌ عَبْدًا بِمِائَةِ دِينَارٍ إِلَى الْعِطَاءِ أَوْ إِلَى الْجَذَاذِ أَوْ
إِلَى الْحَصَادِ كَانَ فَاسِدًا. ^(۳)

ترجمہ:- اگر ایک شخص نے کسی کو سو دینار کے بدلے ایک غلام اس
شرط پر بیچا کہ وہ اس کی ادائیگی عطاء ملنے پر یا فصل کی کٹائی یا اس کے
پکنے پر کرے گا تو یہ بیع فاسد ہوگی۔

علامہ نووی فرماتے ہیں:-

قَالَ أَصْحَابُنَا فَإِنْ بَاعَ بِمِئَةِ دِينَارٍ إِلَى الْحَصَادِ أَوْ إِلَى الْعِطَاءِ لَمْ
يَصَحْ.

(۱) المبسوط، الشیبانی (الإمام محمد بن الحسن الشیبانی ۱۳۲ھ-۱۸۹ھ) کراتشی، إدارة القرآن والعلوم الاسلامیہ (۵/۱۱۷)۔

(۲) کتاب المبسوط، السرخسی (العلامة شمس الدین محمد بن أبی سهل السرخسی) بیروت، دارالمعرفة ۱۴۱۳ھ-۱۹۹۳م (۱۳/۲۶)۔

(۳) کتاب الأم، الشافعی (الإمام محمد بن إدريس الشافعی ۱۵۰ھ-۲۰۳ھ) بیروت، دار قتیبة، الطبعة الأولى المحققة ۱۴۱۶ھ-۱۹۹۶م (۶/۲۹۲)۔

ترجمہ:- ہمارے اصحاب (فقہاء) کا کہنا ہے کہ اگر کٹائی یا عطا ملنے کے ساتھ ادائیگی کو معلق کیا تو پھر معاملہ صحیح نہ ہوگا۔
آگے چل کر فرماتے ہیں:-

(فرع) فی مذاہب العلماء فی البیع إلی إعطاء والحصاد ونحوهما من الآجال المجهولة. وقد ذکرنا أنه لا یصح عندنا قال ابن المنذر وبه قال ابن عباس وأبو حنیفة. وقال مالک وأحمد وأبو ثور یجوز ذلك لأنه معروف.^(۱)

ترجمہ:- فرع: عطا ملنے اور کٹائی وغیرہ جیسی مدت کے ساتھ ادائیگی کو معلق کرنے کے بیان میں ہم یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ بیع صحیح نہیں اور یہی ابن منذر، ابن عباس اور ابو حنیفہ کا قول ہے اور امام مالک احمد بن حنبل اور ثور کے نزدیک کٹائی، گہائی اور عطا ملنے جیسی مدتوں کے ساتھ ادائیگی کو معلق کرنا درست ہے کیونکہ یہ مدت معروف ہے۔

علامہ ابن حزم لکھتے ہیں:-

ولا یجوز البیع بضمن مجهول ولا إلی أجل مجهول
كالحصاد والجذاذ والعطاء وما أشبه هذا.^(۲)

البتہ حنفیہ کے ہاں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ جہالت یسرہ میں ممانعت کا یہ حکم اس وقت ہے جب عقد کے دوران اس مدت پر ادائیگی کی شرط لگائی گئی لیکن اگر شروع میں عقد مطلق ہوا یعنی عقد کے دوران کسی مدت کا ذکر نہیں ہوا۔ بعد میں فروخت کنندہ نے

(۱) المجموع شرح المہذب، النووی (الإمام أبو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف النووی)، بیروت، دار الفکر (۳۴۰/۹)۔

(۲) المحلی، ابن حزم (أبو محمد علی ابن أحمد بن سعید بن حزم المتوفی ۴۵۶ھ) مصر، إدارة الطباعة المنيرية الطبعة الأولى ۱۳۵۰ھ (۴۴۵/۸)۔

خریدار کو مذکورہ مدت تک ادائیگی کی مہلت دے دی تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ قرض کی ادائیگی میں جہالت ہے جو کہ قابل برداشت ہے جس طرح کفالت کے اندر اتنی جہالت قابل برداشت ہے۔ علامہ مرغینانی لکھتے ہیں:-

بخلاف ما إذا باع مطلقاً ثم أجل الثمن إلى هذه الأوقات
حيث جاز لأن هذا التاجيل في الدين وهذه الجهالة فيه
متحملة بمنزلة الكفالة.^(۱)

ترجمہ:- بخلاف اس صورت کے کہ اگر شروع میں عقد مطلق ہوا ہو اور پھر ادائیگی میں مذکورہ مدتوں تک مہلت دی گئی تو پھر یہ عقد جائز ہے کیونکہ یہ مہلت ادھار میں ہے اور ادھار میں اتنی جہالت قابل برداشت ہے جیسا کہ کفالت میں قابل برداشت ہے۔

اسی طرح اگر شروع میں مذکورہ مدت کے وعدے پر عقد کر لیا گیا لیکن اس مدت کے آنے سے پہلے متعاقبین نے أجل کو ساقط کر دیا اور خریدار نے نقد ادائیگی کر دی یا کوئی متعین مدت مقرر کر لی تو بھی یہ معاملہ جائز ہو جائے گا البتہ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ چونکہ یہ معاملہ ناجائز ہو چکا ہے، اس لئے بعد میں مدت کے اندر جہالت ختم ہونے کے بعد بھی یہ عقد صحیح نہ ہوگا لیکن ائمہ ثلاثہؒ کا کہنا ہے کہ جس فساد کی وجہ سے عقد کو فاسد قرار دیا گیا تھا اس کے تقرر اور عملی طور پر واقع ہونے سے پہلے یہ فساد ختم ہو گیا اس لئے یہ معاملہ جائز ہو جائے گا۔ حنفیہ کے ہاں ائمہ ثلاثہ کا قول رائج ہے۔^(۲)

(۱) الهدایۃ للمرغینانی (۱۲۸/۵)۔

(۲) یہاں پر ائمہ ثلاثہ سے امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ مراد ہیں۔

(۳) الهدایۃ (۱۲۸/۵) ولو باع إلى هذه الآجال ثم تراخى بإسقاط أجل قبل أن يأخذ الناس في الحصاد والدياس وقبل قدوم الحاج جاز البيع أيضاً وقال زفر رحمه الله لا يجوز لأنه وقع فاسداً فلا ينقلب جائزاً وصار كإسقاط أجل في النكاح إلى أجل ولنا أن الفساد للمنازعة وقد ارتفع قبل تقررہ۔

أيضاً في المسوط (۲۷/۱۳)

مالکیہ

مالکیہ کے ہاں جہالتِ فاحشہ تو مفسدِ عقد ہے لیکن جہالتِ یسیرہ سے عقد فاسد نہیں ہوتا لہذا ان کے نزدیک فصل کی کٹائی اور حجاج کی واپسی کے زمانے وغیرہ جیسی مدت کے ساتھ ادائیگی کو مشروط کرنے سے عقد فاسد نہیں ہوتا بلکہ جائز رہتا ہے۔ علامہ خطابؒ لکھتے ہیں:-

لا بأس بالبيع إلى الحصاد والجذاذ والعصير.... لأنه أجل معلوم.^(۱)

ترجمہ:- فصل کی کٹائی، گہائی یا کھجوروں کے پکنے جیسے زمانے کے ساتھ ادائیگی کو مشروط کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ مدت معلوم ہے۔

حنابلہ

جہالتِ فاحشہ کے بارے میں تو حنابلہ کا بھی وہی مذہب ہے جو دیگر ائمہ کا ہے البتہ جہالتِ یسیرہ کے بارے میں امام احمد بن حنبل سے دو قول مروی ہیں۔ ایک قول حنفیہ اور شافعیہ کے مطابق ہے یعنی جہالتِ یسیرہ بھی مفسدِ عقد ہے اور دوسرا قول مالکیہ کے مذہب کے مطابق یعنی جواز کا ہے۔ چنانچہ الانصاف میں ہے:-

إن شرطه إلى الحصاد والجذاذ، إنه لا يجوز لأنه مجهول، وهو إحدى الروایتين والمذهب منهما وهو ظاهر كلامه في الوجيز وظاهر ما قدمه في الفروع وصححه في التصحيح. الرواية الثانية: يجوز ههنا وإن منعناه في المجهول، لأنه معروف في العادة ولا يتفاوت كثيراً واختاره ابن عبدوس في تذكرته وقدمه في الفائق.^(۲)

(۱) مواہب الجلیل، الخطاب (ابی عبد اللہ محمد بن عبد الرحمن الخطاب) بیروت، دار الفکر ۱۳۹۸ھ-۱۹۷۸م (۵۲۹/۳)۔

..... حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، الدسوقی) بیروت، دار الفکر (۲۰۵/۳)۔

(۲) الإنصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف، المرادوی (علاء الدین أبو الحسن علی بن سلیمان المرادوی) بیروت، دار احیاء التراث، العربی، الطبعة الثانية ۱۴۰۰ھ-۱۹۸۰م (۳۷۳/۳)۔

ترجمہ:- اگر کسی نے فصل کی کٹائی یا گہائی پر ادائیگی کو مشروط کیا تو یہ جائز نہیں کیونکہ یہ مدت مجہول ہے اور یہ امام احمد بن حنبلؒ سے ایک روایت ہے اور مذہب بھی یہی ہے اور ”وجیز“ کے ظاہر کلام کا تقاضا بھی یہی ہے اور ”الفروع“ میں جس کو مقدم کیا گیا ہے، اس کا ظاہر بھی یہی ہے اور صاحب الفروع نے اسی کی تصحیح کی ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ یہ بیع جائز ہے اگرچہ مجہول مدت والی بیوع کو ہم ناجائز کہتے ہیں کیونکہ عادتاً یہ مدت معلوم ہے اور اس میں اتنا زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ ابن عبدوس نے تذکرہ میں اسے اختیار کیا ہے اور فائق میں اسے مقدم کیا ہے۔

علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں:-

ولا يصح أن يؤجله بالحصاد والجذاذ وما أشبهه وكذلك قال ابن عباس وأبو حنيفة والشافعي وابن المنذر وعن أحمد رواية أخرى أنه قال أرجو لا يكون به بأس وبه قال مالك وأبو ثور.^(۱)

ترجمہ:- ادائیگی کو فصل کی کٹائی جیسی مدت کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں اور یہی قول ابن عباسؓ، ابو حنیفہؒ، شافعیؒ اور ابن منذرؒ کا ہے۔ احمد بن حنبلؒ سے ایک دوسری روایت بھی مروی ہے وہ یہ کہ آپ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی امام مالکؒ اور ابو ثورؒ کا مذہب ہے۔

الکافی میں ہے:-

فإن جعله إلى الحصاد والجذاذ والموسم لم يصح لأن ابن

(۱) المغنی، ابن قدامة (أبی محمد عبد اللہ بن أحمد بن محمد بن قدامة) الرياض، المملكة

العربية السعودية، دار عالم الكتب ۱۴۱۷ھ-۱۹۹۷م (۴۰۳/۶)

عباس قال: لا تتبايعوا إلى الحصاد والدياس ولا تتبايعوا إلا إلى شهر معلوم. ولأن ذلك يختلف، يبعد ويقرب فلم يجر جعله أجلًا كقدوم زيد. وعنه، أنه قال: أرجو أن لا يكون به بأس لأن ابن عمر كان يتباع إلى العطاء لأنه لا يتفاوت تفاوتًا كثيرًا.^(۱)

ترجمہ:- اگر کسی نے فصل کی کٹائی یا گہائی یا حجاج کرام کی واپسی کے زمانے کے ساتھ ادائیگی مشروط کی تو یہ صحیح نہیں اس لئے کہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ فصل کی کٹائی اور گہائی وغیرہ کے ساتھ ادائیگی کو مشروط کر کے بیع نہ کرو اور نہ ہی متعین مہینے کے علاوہ کسی مدت کے ساتھ مشروط کر کے بیع کرو۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس مدت میں اختلاف ہوتا رہتا ہے کبھی جلدی آ جاتی ہیں اور کبھی دیر سے آتی ہیں، اس لئے انہیں ادائیگی کی مدت قرار دینا درست نہیں جیسا کہ (جہالت فاحشہ کو مدت قرار دینا جائز نہیں مثلاً) زید کے آنے پر ادائیگی کو مشروط کرنا۔ اور انہی سے دوسرا قول یہ مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اُمید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ ابن عمر عطاء ملنے کی مدت تک ادائیگی کو مشروط کر کے اشیاء خریدتے تھے نیز ان کے آنے میں کوئی زیادہ فرق بھی نہیں ہوتا۔

درج بالا عبارات پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حنابلہ کے ہاں اگرچہ یہ قول موجود ہے کہ جہالت یسیرہ کے ساتھ ادائیگی کو مشروط کر کے معاملہ کرنا درست نہیں لیکن زیادہ رائج بات یہ ہے کہ بیع کے اندر یہ جہالت معاف ہے۔ چنانچہ علامہ مرداوی جواز کا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

(۱) الکافی، ابن قدامة (أبو محمد بن عبد الله بن قدامة) بيروت، المكتب الاسلامي، الطبعة الثالثة ۱۴۰۲ھ-۱۹۸۲م (۱۱۳/۲)

(۱) قلت: وهو الصواب.

ترجمہ:- میں کہتا ہوں کہ یہی درست رائے ہے۔

خلاصہ

مذہبِ اربعہ کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی ایک روایت کے مطابق جہالتِ یسیرہ مفسدِ عقد ہے جب کہ مالکیہ اور حنابلہ کی رائج روایت^(۲) کے مطابق جہالتِ یسیرہ سے عقد فاسد نہیں ہوتا البتہ جہالتِ فاحشہ میں سب کا اتفاق ہے کہ اس کی وجہ سے عقد فاسد ہو جاتا ہے اس میں واضح طور پر جہالتِ پائی جاتی ہے اور یہ جہالت ایسی ہے کہ جس کی وجہ سے عاقدین میں نزاع اور جھگڑا ہو سکتا ہے البتہ جہالتِ یسیرہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

مانعین کے دلائل

جو حضرات ان مدتوں کے ساتھ ادائیگی کو مشروط کرنے پر عقد کو ناجائز کہتے ہیں بنیادی طور پر ان کے دلائل درج ذیل ہیں۔

پہلی دلیل

پہلی دلیل حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول ہے، آپ فرماتے ہیں:-

لا تبایعوا إلى الحصاد والدياس ولا تبایعوا إلا إلى شهر
معلوم۔^(۳)

(۱) الإتنصاف فی معرفة الراجح من الخلاف، المرادای (علاء الدین أبو الحسن علی بن سلیمان

المرادای) بیروت، دار إحياء التراث، العربی، الطبعة الثانية ۱۴۰۰ھ-۱۹۸۰م (۳/۳۷۳)۔

(۲) نیز ملاحظہ فرمائیے: الکافی، ابن قدامة (أبو محمد موفق الدین عبدالله بن قدامة) بیروت،

المكتبة الإسلامية، الطبعة الثالثة ۱۴۰۲ھ-۱۹۸۲م (۲/۱۱۳)۔

(۳) المبسوط للسرخسی (۲۶/۱۳)۔

نصب الرأية، الزيلعي (عبدالله بن يوسف أبو محمد الحنفی الزيلعي) مصر، دار الحديث،

الطبعة الأولى ۱۳۵۷ھ بتحقيق العلامة محمد يوسف النوری (۳/۲۱)۔

ترجمہ:- فصل کی کٹائی اور گہائی کو مشروط کر کے عقد نہ کرو اور نہ ہی غیر متعین مہینے کے ساتھ مشروط کر کے عقد کرو۔

اس بارے میں حضرت سعید بن جبیر کا قول اس طرح مروی ہے:-

لا تبع إلى الحصاد ولا إلى جذاذ ولكن سم شهرا^(۱)

ترجمہ:- فصل کی کٹائی اور گہائی کی مدت پر بیع نہ کرو بلکہ مہینہ مقرر کرو۔

دوسری دلیل

دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ مدت متعین نہیں بلکہ اس میں تقدیم و تاخیر ہوتی ہے جب کہ شرعاً عقد کے صحیح ہونے کے لئے مدت کا متعین ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ علامہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إن العطاء فعل العباد قد يتقدم ويتأخر بحسب ما يبدو لهم

.... فأما ما يتقدم ويتأخر من فعل العباد يكون مجهول^(۲)

ترجمہ:- بلاشبہ عطاء بندوں کا فعل ہے جس میں تقدیم و تاخیر ہوتی رہتی

ہے اور وہ عمل جو بندوں کا فعل ہو اور اس میں تقدیم و تاخیر ہوتی رہتی

ہو تو وہ مجہول ہوتا ہے۔

مجوزین کے دلائل

جو حضرات اس بیع کو جائز قرار دیتے ہیں، ان کے دلائل درج ذیل ہیں۔

۱- ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فعل

ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے مروی ہے کہ وہ عطاء تک بیع کو جائز قرار دیتے

تھے۔ چنانچہ مبسوط میں ہے:-

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ (۳/۲۹۰)۔

(۲) المبسوط للسرخسی (۱۳/۲۶)۔

ان ابن عمر کان یتنازع الی العطاء۔^(۱)

ترجمہ:- ابن عمر عطاء ملنے کی مدت تک ادائیگی کو مشروط کر کے اشیاء خریدتے تھے۔

۲- حضرت عائشہؓ کا قول

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مبسوط میں علامہ سرخسی لکھتے ہیں:-

ان عائشة كانت تجيز البيع إلى العطاء و كانت تقول وقت خروج العطاء معلوم بالعرف لا يتأخر الخروج عنه إلا نادراً فكان هذا بيعاً بأجل معلوم۔^(۲)

ترجمہ:- حضرت عائشہ عطاء ملنے کی شرط پر ادائیگی کرنے کو جائز قرار دیتیں اور فرمایا کرتیں کہ عطاء کے نکلنے کا وقت متعین ہے، اس میں بہت ہی کم تاخیر ہوتی ہے گویا یہ متعین مدت کے بیع ہے۔

۳- اُمہات المؤمنینؓ کا عمل

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُمہات المؤمنینؓ بھی بعض مرتبہ عطا ملنے کے وعدہ پر اشیاء خریدتی تھیں۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:-

ان أمهات المؤمنین كن يشترين إلى العطاء۔^(۳)

ترجمہ:- اُمہات المؤمنین عطاء کی مدت پر خریداری کرتی تھیں۔

۴- عقلی دلیل

ان کی عقلی دلیل یہ کہ اس میں کوئی زیادہ تفاوت نہیں ہے بلکہ معمولی جہالت ہے لہذا اس حد تک اختلاف قابل برداشت ہے۔^(۴)

(۱) المبسوط للسرخسی (۱۳/۲۶)۔

(۲) بحوالہ بالا۔

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ (۳/۲۹۰)۔

(۴) الکافی، ابن قدامة (أبو محمد بن عبد الله بن قدامة) بيروت، المكتب الاسلامی، الطبعة

الثالثة ۱۴۰۲ھ-۱۹۸۲م (۲/۱۱۳)۔

ترجیح:

احقر کے خیال میں اس مسئلے میں بلاشبہ احتیاط پر مبنی حکم تو وہی ہے جو حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی ایک روایت میں اختیار کیا گیا ہے جس کے مطابق جہالتِ یسیرہ بھی مفسدِ عقد ہے لیکن عصر حاضر میں چونکہ جہالتِ یسیرہ پر مبنی معاملات کا رواج بہت زیادہ ہو گیا ہے، نیز یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس مدت کے ساتھ ادائیگی کو معلق کر کے خریداری کرنا عام طور پر باہمی نزاع کا ذریعہ نہیں بنتا، اس لئے ضرورت کے پیش نظر مالکیہ اور حنابلہ کے مذہب کو اختیار کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مجهول المدت بیوع کی چند مثالیں

۱۔ حمل الحمل کی بیع

یہاں پر حمل سے حالتِ حمل مراد نہیں بلکہ حمل کی وجہ سے جانور کے پیٹ میں موجود بچہ مراد ہے۔ اور حمل الحمل کا مطلب یہ ہے کہ حمل سے پیدا ہونے والا بچہ مونث ہو اور پھر وہ حاملہ ہو جس کی وجہ سے اس کے پیٹ میں ایک بچہ آجائے۔ ایک صحیح حدیث میں اس کا مطلب یہی بیان کیا گیا ہے۔^(۱)

حمل الحمل کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے۔ احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:-

إنه نهى عن بيع حبل الحبلۃ.^(۲)

ترجمہ:- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل الحمل کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

حمل الحمل کی بیع سے کیا مراد ہے؟

اس کے بارے میں چار اقوال مروی ہیں۔

(۱) الصحيح لمسلم، البيوع، (۳۶۹۳)۔

(۲) مسلم بحوالہ بالا۔ وحبل الحبلۃ أن تشح الناقة ثم تحمل التي نتجت.

پہلا قول عبد اللہ بن عمرؓ کا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی سے کوئی چیز اس شرط پر خریدنا کہ جب اس کی حاملہ اونٹنی بچی دے گی اور پھر وہ بچی بڑی ہو کر حاملہ ہوگی اور اس کا بچہ پیدا ہوگا تو اس وقت قیمت ادا کی جائیگی۔^(۱)

دوسرا قول یہ ہے کہ اس شرط پر کوئی چیز خریدنا کہ جب حاملہ اونٹنی کا بچہ پیدا ہوگا تو قیمت ادا کی جائیگی۔ یہ قول حضرت نافعؓ سے مروی ہے۔^(۲) اور سعید بن مسیبؓ، امام مالکؓ، امام شافعیؒ اور فقہائے کرام کی ایک جماعت نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔^(۳)

تیسرا قول یہ ہے کہ اس شرط پر کوئی چیز خریدنا کہ حاملہ جانور کا بچہ پیدا ہو کر جب وہ بچہ حاملہ ہو تو رقم کی ادائیگی کی جائے گی۔^(۴)

ان تین اقوال کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ حمل الحمل کے ناجائز ہو نے کی وجہ مدت کے اندر جہالت ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:-

والمنع فی الصور الثلاث الجہالة فی الاجل.^(۵)

ترجمہ:- ان تینوں صورتوں میں عدم جواز کی وجہ مدت کے اندر پائی

جانے والی جہالت ہے۔

حمل الحمل کے متعلق انہی تین اقوال کی وجہ سے اسے مجہول المدت بیوع کی فصل میں ذکر کیا گیا۔

چوتھا قول یہ ہے کہ حاملہ جانور کے بچے یا اس بچے سے پیدا ہونے والے بچے

(۱) الصحيح البخاری (۲۸۷/۱) كان الرجل يتاع الجزور الى أن تنتج الناقة ثم تنتج النبی فی بطنها۔

(۲) صحيح البخاری (۳۰۰/۱) باب السلم الى أن تنتج الناقة حدثنا موسى بن إسماعيل ثنا جويرية عن نافع عن عبد الله قال كانوا يتبايعون الجزور إلى حبل الحبله فنهى النبي صلى الله عليه وسلم عن ذلك. فسرہ نافع أن تنتج ما فی بطنها۔

(۳) فتح الباری (۳۵۸/۴) وبظاهر هذه الرواية قال سعيد بن المسيب فيما رواه عنه مالك وقال به مالك والشافعي وجماعة۔

(۴) فتح الباری بحوالہ بالا، قال بعضهم: إن بيع ثمن إلى أن تحمل الدابة وتلد ويحمل ولدها۔

(۵) فتح الباری بحوالہ بالا۔

کی بیع ابھی کر دی جائے۔^(۱) امام ترمذی سمیت بہت سے محدثین اور فقہائے کرام نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔ اس صورت میں ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہوگی کہ اس میں ”غرر“ ہے اور بیع مجہول ہے کیونکہ حاملہ جانور سے پہلے بچے کا پیدا ہونا یقینی نہیں چہ جائیکہ وہ مؤنث ہو، بڑا ہو کر حاملہ ہو اور اس کا بچہ پیدا ہو، یہ بالکل غیر یقینی صورتحال (Uncertainty) ہے۔ چنانچہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم لکھتے ہیں:-

وبهذا التفسير جزم الترمذی وبه قال أبو عبيدة وأحمد وإسحاق، ووجه المنع في هذه الصورة الغرر وجهالة المبيع لأن الجنين لا يتقين بوضعه فضلاً عن أن يلد ذلك الجنين.^(۲)

ترجمہ:- اسی تفسیر پر امام ترمذی نے جزم اختیار کیا ہے اور یہی قول ابو عبیدہ، امام احمد اور اسحاق کا ہے۔ اس صورت میں ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ”غرر“ ہے اور بیع مجہول ہے کیونکہ حاملہ جانور سے پہلے بچے کا پیدا ہونا یقینی نہیں چہ جائیکہ وہ مؤنث ہو، بڑا ہو کر حاملہ ہو اور اس کا بچہ پیدا ہو۔

حمل الحمل کی بیع کے بارے میں فقہی عبارات

ذیل میں چند فقہی عبارات ذکر کی جاتی ہیں۔ جن میں حمل الحمل کی بیع کا ناجائز ہونا معلوم ہونا ہے۔ علامہ سرخسی فرماتے ہیں:-

وكذلك بيع أولادها في بطونها لا يجوز.... واستدل
بنهي رسول الله عليه وسلم عن بيع حبل الحبله منهم
من يروى بالكسر الحبله فتناول بيع الحمل ومنهم من

(۱) تكملة فتح الملهم، العثماني (محمد تقی العثماني)، كراتشي، مكتبة دارالعلوم، كراتشي

(۲) (۳۲۲/۱) والرابع أنه بيع جنين الناقة أو جنين جنيها في الحال.

(۲) تكملة فتح الملهم، بحواله بالا.

یروی بالنصب الحبلۃ فیکون المراد بیع ما یحمل هذا الحمل^(۱).

ترجمہ:- اس طرح جانور کے پیٹ میں موجود بچے کی بیع جائز نہیں ہے..... اس کے ناجائز ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کیا گیا ہے کہ آپ نے حمل الحمل کی بیع سے منع فرمایا۔ بعض نے ”حبلہ“ کو حا کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے تو اس صورت میں عدم جواز کا حکم حاملہ جانور کے بچے سے پیدا ہونے والے بچے کے لئے یہ حکم ثابت ہوگا اور بعض نے ”حبلہ“ کے حا کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے، اس صورت میں اس حاملہ کے حمل کی بیع مراد ہوگی۔

علامہ ابن عبد البر مالکیؒ فرماتے ہیں:-

وهذا التأويل قال مالك والشافعي وأصحابهما وهو الأجل المجهول، ولا خلاف بين العلماء أن البيع إلى مثل هذا من الأجل لا يجوز، وقد جعل الله الأهله مواقيت للناس ونهى رسول صلى الله عليه وسلم عن البيع إلى مثل هذا من الأجل وأجمع المسلمون على ذلك وكفى بهذا علماً. وقال آخرون في تأويل هذا الحديث: معناه بيع ولد الجنين الذي في بطن الناقة. هذا قول أبي عبيد. قال أبو عبيد عن ابن عليه: هو نتاج النجاج وبهذا التأويل قال أحمد بن حنبل، إسحاق بن راهويه، وقد فسر بعض أصحاب مالك بمثل ذلك أيضاً وهو بيع أيضاً مجتمع على أنه لا يجوز ولا يحل

لأنه بيع غرر ومجهول وبيع ما لم يخلق وقد أجمع العلماء
على أن ذلك لا يجوز في بيع المسلمين^(۱).

ترجمہ:- حمل الحمل کی تفسیر میں امام مالکؒ، شافعیؒ اور ان کے اصحاب کی
رائے وہی ہے جو عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے۔^(۲) اس اعتبار سے یہ
ایک مجہول مدت کے لئے بیع ہے۔ علمائے کرام کا اس میں کوئی
اختلاف نہیں ہے کہ اس جیسی مدت کے ساتھ ادائیگی کو مشروط کر کے
بیع کرنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلامی مہینوں کو لوگوں کے لئے
مواقیت قرار دیا ہے۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس جیسی
مدت کے ساتھ بیع کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے اور مسلمانوں کا اس بیع
کے ناجائز ہونے پر اجماع ہے۔ جاننے کے لئے اتنی بات کافی ہے۔
بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہ حاملہ جانور کے
اندر موجود بچے کی بیع ہے۔ یہ قول ابو عبید سے مروی ہے جبکہ ابو عبید
ابن علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ حاملہ جانور کے بچے کی بیع ہے یہ
تفسیر احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ نے اختیار کی ہے اور بعض
مالکی فقہاء کا بھی یہی قول ہے۔ اس تاویل کے اعتبار سے بھی یہ بیع
بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ اس میں ”غرر“ ہے، ایک مجہول چیز اور ایسی
چیز کی بیع ہے جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئی۔ علماء کرام کا اس بات پر
اجماع ہے کہ مسلمانوں کے لئے یہ بیع جائز نہیں۔

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:-

(۱) التمهيد، ابن عبد البر (أبو عمر يوسف بن عبد الله بن عمر بن عبد البر) مكة المكرمة، المكتبة
الصجارية (۱۳/۳۱۳، ۳۱۴).

(۲) یہ وہی تفسیر ہے جو پہلے قول کے طور پر بیان ہوئی۔

أجمعوا على فساد بيع جبل الحبلۃ وما فی بطن الناقة.....
وأجمعوا على فساد بيع المضامين والملاقيح.^(۱)

ترجمہ:- علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حاملہ جانور کے بچے کی خرید و فروخت اور اسی طرح اونٹنی کے پیٹ میں موجود بچے کی خرید و فروخت جائز نہیں۔ نیز اس پر اجماع ہے کہ مذکر اور مؤنث کے مادہ منویہ کی بیع فاسد ہے۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:-

وقد روى ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه نهى
عن بيع جبل الحبلۃ (متفق عليه) ومعناه نتاج الناج قاله أبو
عبيد وعن ابن عمر قال: كان أهل الجاهلية يتبايعون لحم
الجزور إلى جبل الحبلۃ وجبل الحبلۃ أن تنتج الناقة ثم
تحمل التي نتجت فنهاهم النبي صلى الله عليه وسلم، رواه
مسلم وكلا البيهين فاسدان.^(۲)

ترجمہ:- ابن عمرؓ، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے حمل الحبل کی بیع سے منع فرمایا ہے (متفق علیہ) اس مراد ہے کہ حاملہ جانور کے بچے کی بیع۔ یہ قول ابو عبیدہ کا ہے جبکہ ابن عمر کا قول یہ ہے کہ دور جاہلیت میں لوگ جانوروں کا گوشت اس شرط پر خریدتے تھے کہ حاملہ جانور کے بچے کی پیدائش پر ادائیگی کر دیں گے۔ حمل الحبل کا مطلب ہے کہ اونٹنی بچی دے اور پھر وہ بچی حاملہ ہو کر بچہ دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع

(۱) الإجماع لابن المنذر، کتاب البیوع، رقم الإجماع: ۴۷۲، ۴۷۷، ص: ۱۱۵.

المجموع شرح المذهب، للنووی (۳۲۳/۹).

(۲) المغنی لابن قدامة (۳۰۰/۶).

سے منع فرمادیا۔ (مسلم) بیع کی یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔

۲۔ فصل کی کٹائی کے وعدہ پر خریداری

فصل کی کٹائی اور گہائی وغیرہ پر ادائیگی کا وعدہ کر کے خریداری کرنے کا رواج اگرچہ قدیم عرصے سے چلا آ رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس بارے میں فقہاء کرام حتیٰ کہ صحابہ کرام کے اقوال بھی ملتے ہیں لیکن عصر حاضر میں شاید اس کا رواج بہت زیادہ بڑھ چکا ہے، خصوصاً دیہاتی زندگی میں اس کا مشاہدہ روزمرہ ہوتا رہتا ہے۔ عام طور دیہاتی لوگوں کے پاس نقد رقم نہیں ہوتی۔ وہ مقامی دکاندار سے اپنی ضرورت کا سامان لیتے رہتے ہیں اور پھر فصل پکنے پر ادائیگی کر دیتے ہیں۔

اس مسئلے کے متعلق ائمہ اربعہ کے ذکر کردہ مذاہب کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک یہ صورت ناجائز ہے جب کہ مالکیہ اور حنابلہ کے رائج قول کے مطابق یہ صورت جائز ہے۔

غور طلب:

یہاں پر یہ پہلو غور طلب ہے کہ جن فقہاء کرام نے اس بیع کو ناجائز قرار دیا ہے ان کے ذکر کردہ دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس بیع میں طے کردہ مدت کے اندر جہالت پائی جاتی ہے، کیونکہ فصل کی تیاری میں کبھی تاخیر ہو جاتی ہے اور کبھی فصل جلدی تیار ہو جاتی ہے لہذا مدت کی جہالت عقد کے لئے مفسد ہوگی جبکہ مجوزین کا کہنا ہے کہ یہ جہالت معمولی ہے جو عام طور پر باہمی نزاع کا ذریعہ نہیں بنتی۔

عصر حاضر میں اس قسم کے معاملات کا رواج بہت ہی زیادہ ہو گیا ہے اور یہ دیکھا گیا ہے کہ اس مدت کے ساتھ ادائیگی کو معلق کر کے خریداری کرنا عام طور پر باہمی نزاع کا ذریعہ نہیں بنتا۔ البتہ اگر فصل پک جانے کے بعد خریدار ادائیگی میں ٹال مٹول کرے تو اس سے کئی قسم کے جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض اس مدت کو ادائیگی کی مدت قرار دینا باہمی نزاع کا

باعث نہیں بلکہ اگر باہمی جھگڑے کی صورت پیش آئے تو عام طور پر اس کا باعث مدت کے بعد خریدار کا ٹال مٹول کرنا ہوتا ہے۔ اور ٹال مٹول کسی بھی صورت میں کی جائے، باہمی نزاع کا باعث بنتی ہے حتیٰ کہ نقداً خریداری کے بعد بھی ادائیگی میں ٹال مٹول سے طرح طرح کے جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ بات اہل علم کے لئے غور طلب ہے کہ کیا ایسی صورت میں حنابلہ کے قول کو اختیار کر کے اس کے جواز کا حکم لگانے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ خصوصاً جبکہ اس معاملے کے اندر عوام الناس کی بہت بڑی تعداد ملوث ہے۔

۳- مدت بیان کئے بغیر خریداری کرنا

عصر حاضر میں یہ صورت بھی رواج پذیر ہے کہ بعض مرتبہ ایک شخص کسی دکان سے کوئی چیز خریدتا ہے اور ادائیگی نہ تو فوراً کرتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی مدت مقرر کرتا ہے بلکہ یوں کہتا ہے کہ اس کی قیمت بعد میں دے دوں گا۔ اور عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ دکاندار اس پر خاموش ہو جاتا ہے۔

بیع کی اس صورت میں چونکہ مدت کا ذکر نہیں ہوتا اس لئے یہ بیع نقداً سمجھی جائے گی اور بائع کے مطالبے پر اس کی فوری ادائیگی ضروری ہوگی۔ البتہ اگر دکاندار اپنی طرف سے خوش دلی کے ساتھ کچھ دنوں کی مہلت دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

یہ حکم اس وقت ہے جب پہلے سے دکاندار اور گاہک کے درمیان کوئی معمول نہ چل رہا ہو لیکن آج کل بازار میں ادھار کا دور دورہ ہے اور بہت سے لوگ اپنے مخصوص دکانداروں سے ادھار کی بنیاد پر خرید و فروخت کر رہے ہوتے ہیں اور دکاندار کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کون کون سے گاہک کون سے وقت پر ادائیگی کرتے ہیں (عام طور پر شہروں میں ادائیگی تنخواہ ملنے پر اور دیہاتوں میں فصل کی کٹائی پر کی جاتی ہے) ایسی صورت میں بسا اوقات خریداری کرتے وقت ادائیگی کی مدت بیان نہیں کی جاتی لیکن چونکہ اس طرح کے سودوں میں گاہک ادھار کو اپنا حق سمجھتا ہے نیز دونوں میں پہلے سے بھی ادھار کا معمول چل رہا ہوتا ہے، اس لئے اس صورت میں ادائیگی کی مدت بیان نہ کرنے کے باوجود بھی اس بیع

کو موجل سمجھا جائے گا اور بائع کا سامان فروخت کر بے وقت خاموش رہنا تا جیل کھلائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴۔ مرضی کی مدت

بہت سے علاقوں میں یہ بات بھی مشاہدے میں آئی ہے کہ خریدار کوئی سامان مثلاً زرعی ادویات خریدتے وقت دکاندار سے کہتا ہے کہ اس کی قیمت آپ کی مرضی کی ہوگی اور ادائیگی میری مرضی پر ہوگی۔ آپ اپنی مرضی کے مطابق جو قیمت لگانا چاہیں، لگالیں میں جب چاہوں گا اسی قیمت ادا کروں گا۔

چونکہ اس صورت میں مدت کے اندر جہالتِ فاحشہ پائی جاتی ہے لہذا یہ صورت بھی جائز نہیں۔

جواز کی صورت

صورت نمبر ۴ میں جواز کی جائز طریقہ یہ ہے کہ بیع کرتے وقت یہ طے کیا جائے کہ ادائیگی کی مدت کیا ہوگی اور اس مدت کے آنے پر خریدار ادائیگی کا پابند ہو البتہ اگر دکاندار اپنی طرف سے خوش دلی کے ساتھ چند دنوں کی مہلت دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

کیا تنخواہ کو عطاء پر قیاس کیا جاسکتا ہے؟

یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ عطاء کی مدت کے ساتھ ادائیگی کو معلق کر کے بیع کرنا حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ ان کے مطابق عطاء بندوں کا فعل ہے جس میں تقدیم و تاخیر ہوتی رہتی ہے اور وہ عمل جو بندوں کا فعل ہو اور اس میں تقدیم و تاخیر ہوتی رہتی ہو تو وہ مجہول ہوتا ہے، اس لئے یہ بیع ناجائز ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عصرِ حاضر میں یہ رواج عام ہے کہ لوگ تنخواہ ملنے پر ادائیگی کو معلق کر کے بیع کرتے ہیں۔ کیا یہ بیع جائز ہے یا نہیں کیونکہ تنخواہ ملنے میں بھی اس بات کا احتمال ہوتا ہے کہ اس کے ملنے میں تقدیم و تاخیر ہو جائے۔

اس سلسلے میں کوئی فقہی جزئیہ تو احقر کی نظر سے نہیں گزرا البتہ اس مسئلے میں غورو

فکر کرنے اور مختلف اداروں کے ادائیگی تنخواہ کی طریقہ ہائے کار معلوم کرنے کے بعد احقر اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ آج کل تنخواہ کی ادائیگی کے دو طریقے رائج ہیں۔

۱۔ سرکاری اداروں اور بڑے بڑے پرائیویٹ اداروں میں تنخواہ ملنے کی ایک تاریخ متعین ہوتی ہے۔ ملازم کو اس تاریخ پر چیک دے دیا جاتا ہے یا اسے تنخواہ ملنے کے شعبے (Section) سے اپنی تنخواہ وصول کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ اب یہ اس کی مرضی پر موقوف ہے کہ وہ اپنی تنخواہ فوراً وصول کر لے یا ایک، دو روز تاخیر کر کے وصول کرے۔

۲۔ بعض چھوٹے اداروں اور شخصی ملازمین کی تنخواہ ملنے کی تاریخ عام طور پر متعین نہیں ہوتی تاہم عام طور پر مہینے کی دس تاریخ سے پہلے پہلے تنخواہ دے دی جاتی ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ پہلی صورت میں تو تنخواہ کی تاریخ متعین ہے، لہذا اسے ادائیگی کی مدت قرار دینے میں کوئی اشکال نہیں۔ دوسری صورت میں اگرچہ جہالت پائی جاتی ہے لیکن یہ جہالت بہت معمولی ہے اور اس بارے میں بھی دیکھا گیا ہے کہ یہ معمولی جہالت باہمی نزاع کا ذریعہ نہیں بنتی، اس لئے اسے ادائیگی کی مدت قرار دینے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب چہارم ثمن میں جہالت کے اعتبار سے غمر

فقہی اصطلاح میں ”ثمن“ سے مراد کسی چیز کی وہ قیمت ہے جس پر عقد کرنے والے دونوں فریق (Contractors) راضی ہو جائیں خواہ یہ قیمت اس کی حقیقی ویلیو سے کم ہو یا زیادہ جبکہ ”قیمت“ اس چیز کے معیار اور مالیت کے اعتبار سے مقرر کی گئی مارکیٹ ویلیو کا نام ہے چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

والفرق بین الثمن والقيمة أن الثمن ما تراضی علیہ المتعاقدان سواء زاد علی القيمة أو نقص، والقيمة ما قوم به الشئ غزلة المعیار من غیر زیادة ولا نقصان.^(۱)

ترجمہ:- ثمن اور قیمت میں یہ فرق ہے کہ ثمن سے مراد کسی چیز کی وہ قیمت ہے جس پر متعاقدین (Contractors) راضی ہو جائیں یا خواہ یہ قیمت اس کی حقیقی ویلیو سے کم ہو یا زیادہ جبکہ قیمت اس چیز کے معیار اور مالیت کے اعتبار سے مقرر کی گئی مارکیٹ ویلیو کا نام ہے۔

اس لئے اشیاء کی قیمت تو عام طور پر معلوم ہوتی ہے البتہ اس کے ثمن میں جہالت کا امکان کافی زیادہ ہوتا ہے۔

ائمہ اربعہ کے نزدیک بیع کے اندر ثمن کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ اگر ثمن کے اندر جہالت پائی جا رہی ہو تو وہ عقد جائز نہیں ہوگا۔

(۱) رد المحتار، الشامی (العلامة محمد أمين الشهير بابن عابدین الشامی) کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی (۵۷۵/۴)۔

علامہ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

(۱)

و شرط صحته معرفة قدر و وصف ثمن.

ترجمہ:- بیع کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ثمن کی مقدار اور وصف معلوم ہو۔

علامہ خطاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

إن من شرط صحة البيع أن يكون معلوم العوضين فإن جهل الثمن أو المضمون لم يصح البيع.

(۲)

ترجمہ:- بیع کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے دونوں عوض معلوم ہوں لہذا اگر ثمن یا مبیع میں سے کوئی ایک مجہول ہو تو وہ بیع صحیح نہیں ہوگی۔

علامہ بہوتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

الشرط السابع من شروط البيع أن يكون الثمن معلوماً للمتعاقدین حال العقد.

(۳)

ترجمہ:- بیع کے صحیح ہونے کے لئے ساتویں شرط یہ ہے کہ عقد کے دوران متعاقدین کو بیچ جانے والی چیز کا ثمن معلوم ہو۔

جہالتِ ثمن کی صورتیں

بیع میں ثمن کے مجہول ہونے کی متعدد صورتیں ہیں۔ جن میں سے درج ذیل چار

صورتیں زیادہ مشہور ہیں:-

۱- ثمن کا ذکر کئے بغیر بیع کرنا۔

(۱) تنویر الأبصار للتمرناشی مع الدر المختار للحصکفی ورد المختار للشامی (۵۲۹/۴)۔

(۲) مواہب الجلیل (۲۷۶/۴)۔

(۳) کشاف القناع، البہوتی (منصور بن یونس بن ادريس البہوتی ۱۰۰۰ھ-۱۰۵۱ھ) مکة المکرمہ، مطبعة الحكومة ۱۳۹۳ھ (۶۲/۳)۔

۲- بازاری قیمت وغیرہ پر بیع کرنا۔

۳- بیع الاستجرار۔

۴- تعیین قیمت کا فارمولا (Benchmark)۔

ان میں سے ہر ایک کو قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

ثمن کا ذکر کئے بغیر بیع کرنا

جمہور فقہائے کرام کے ہاں بیع کے دوران بیچی جانے والی چیز کا ثمن بیان کرنا ضروری ہے۔ اگر ثمن کا ذکر کیے بغیر عقد کیا گیا تو یہ عقد فاسد ہوگا البتہ حنفیہ کے نزدیک اگر ایسی صورت میں خریدار نے بیع پر قبضہ کر لیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا اور اس پر اس چیز کی بازاری قیمت ادا کرنا واجب ہوگا۔ جبکہ حنابلہ، شوافع اور دیگر بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک قبضہ کرنے کے بعد بھی خریدار اس کا مالک نہ ہوگا بلکہ اس پر لازم ہوگا کہ وہ اس چیز کو واپس کرے۔ اگر واپس نہ کی اور اس کے ہاتھوں سے ہلاک ہوگئی تو اس پر اس کا ضمان آئے گا۔

حنفیہ کی عبارات

تنویر الابصار اور اس کی شرح در مختار میں ہے:-

(وفسد) بیع (ما سکت) أى وقع السکوت (فیہ عن الثمن).^(۱)

ترجمہ:- جس بیع میں ثمن بیان کرنے سے خاموشی اختیار کر لی جائے تو وہ بیع فاسد ہو جاتی ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ اس کے ذیل میں فرماتے ہیں:-

لأن مطلق البيع يقتضى المعاوضة فإذا سکت کان غرضه القيمة فكأنه باع بقيمته فيفسد ولا يبطل.^(۲)

(۱) تنویر الابصار للتمرتاشی مع الدر المختار للحصکفی (۶۰/۵)۔

(۲) رد المختار للشامی (۶۰/۵)۔

ترجمہ:- جس بیع میں ثمن کا ذکر نہ کیا جائے تو وہ بھی معاوضہ کا تقاضہ کرتی ہے اور جب معاوضہ بیان کرنے سے خاموشی اختیار کر لی گئی تو معلوم ہوا فروخت کنندہ کی غرض اسکی بازاری قیمت پر ہوئی لہذا یہ عقد فاسد ہوگا، باطل نہیں ہوگا۔

علامہ مرغینانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

وَإِذَا قَبِضَ الْمُشْتَرِي الْمُبِيعَ فِي الْبَيْعِ الْفَاسِدِ بِأَمْرِ الْبَائِعِ وَفِي الْعَقْدِ عَوَاضَانِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَالُ مَلِكٍ الْمُبِيعِ وَلِزِمَتْهُ قِيَمَتُهُ^(۱)

ترجمہ:- اگر عقد فاسد میں خریدار فروخت کنندہ کی اجازت سے بیچی جانے والی چیز پر قبضہ کر لے جبکہ عقد میں دونوں عوض مال ہوں تو خریدار اس کا مالک بن جاتا ہے اور اس پر اس کی قیمت ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔

مذہب جمہور کی عبارت

علامہ نووی رحمہ اللہ جمہور کا مذہب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

يَشْتَرَطُ فِي صَحَةِ الْبَيْعِ أَنْ يَذْكَرَ الثَّمَنُ فِي حَالِ الْعَقْدِ فَيَقُولُ بَعْتُكَ بِكَذَا فَإِنْ قَالَ بَعْتُكَ هَذَا وَاقْتَصَرَ عَلَى هَذَا فَقَالَ الْمُنَاطَبُ اشْتَرَيْتَ أَوْ قَبِلْتَ لَمْ يَكُنْ هَذَا بَيْعًا بَلَا خِلَافٍ وَلَا يَحْصُلُ بِهِ الْمَلِكُ لِلْقَابِلِ عَلَى الْمَذْهَبِ وَبِهِ قَطَعَ الْجُمْهُورُ وَقِيلَ فِيهِ وَجْهَانِ (أَصْحَهُمَا) هَذَا وَالثَّانِي يَكُونُ هَبَةً وَإِذَا قُلْنَا بِالْمَذْهَبِ أَنَّهُ لَا يَكُونُ تَمْلِيكًا فَقَبْضُهُ الْقَابِلِ كَانَ مَضمُونًا عَلَيْهِ عَلَى الْمَذْهَبِ^(۲)

(۱) الهدایۃ، للمرغینانی (۵/۳۲)۔

(۲) المجموع شرح المہذب للنووی (۹/۱۷۲)۔

ترجمہ:- بیع کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ عقد کے دوران ثمن ذکر کئے جائیں پس فروخت کنندہ یہ کہے کہ میں نے فلاں چیز اتنی قیمت میں بیچی۔ اگر اس نے صرف یہ کہا کہ میں نے فلاں چیز بیچی اور مخاطب نے کہا میں نے خریدی یا میں نے قبول کی تو بالاتفاق یہ بیع جائز نہیں اور جمہور کے مذہب کے مطابق اس سے خریدار کی ملکیت بھی ثابت نہیں ہوگی۔ اور اس کی دو تاویلیں ذکر کی گئی ہیں۔ زیادہ صحیح تاویل یہی ہے کہ یہ بیع فاسد ہے اور دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ ہبہ ہے۔ اور جب ہم نے راجح یہ ذکر کیا یہ بیع فاسد ہے اس لئے خریدار قبضہ کرنے کے بعد مالک نہ ہوگا بلکہ اس پر اس کا ضمان ادا کرنا واجب ہوگا۔

بازاری یا لکھی ہوئی قیمت وغیرہ پر بیع کرنا

دوسری صورت یہ ہے کہ خریداری کے وقت اس چیز کی قیمت ذکر تو کی جائے لیکن اس طرح ذکر کی جائے کہ متعقدین یا ان میں سے کسی ایک کو متعین قیمت کا علم نہ ہو سکے مثلاً خریداریوں کہے کہ میں فلاں کتاب کو اسکی بازاری قیمت پر خریدتا ہوں جبکہ اسے معلوم نہیں کہ اس کتاب کی بازاری کیا قیمت ہے، یا یوں کہے کہ میں فلاں چیز اس قیمت کے بدلے خریدتا ہوں جو اس پر لکھی ہوئی ہے جبکہ اسے یہ معلوم نہیں کہ اس پر کیا قیمت لکھی ہوئی ہے یا فلاں چیز جس قیمت پر لوگ خریدتے ہیں میں بھی اسی قیمت پر خریدتا ہوں حالانکہ اسے یہ معلوم نہیں کہ لوگ اسے کس قیمت میں خریدتے ہیں، تو ان تمام صورتوں میں بھی عقد کرنے والے کے اعتبار سے ثمن مجہول ہے۔

ان تمام صورتوں میں ائمہ اربعہ کے نزدیک عقد فاسد ہو جاتا ہے بشرطیکہ مجلس عقد کے ختم تک اس کی قیمت کا علم نہ ہو سکے۔ البتہ حنفیہ کے ہاں یہ تفصیل ہے کہ اگر ایسا عقد ان چیزوں میں ہو کہ جن کی مقدار تقریباً ایک جیسی ہوتی ہے اور قیمت بھی تقریباً ایک ہی ہوتی ہے جیسے روٹی یا گوشت وغیرہ تو اس صورت میں بازاری قیمت پر بیع کرنا جائز ہے۔

کیونکہ ان کی قیمت عام طور پر متعین ہوتی ہے لہذا جہالت اور غرر کی خرابی لازم نہیں آتی۔ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

مَمَّا لَا يَجُوزُ بَيْعُ الْمُبِيعِ بِقِيَمَتِهِ أَوْ بِمَا حَلَّ بِهِ أَوْ بِمَا تَرِيدُ أَوْ
تَحِبُّ أَوْ بِرَأْسِ مَالِهِ أَوْ بِمَا اشْتَرَاهُ أَوْ بِمِثْلِ مَا اشْتَرَى فَلَانِ لَا
يَجُوزُ فَإِنْ عَلِمَ الْمُشْتَرَى الْقَدْرَ فِي الْمَجْلَسِ فَرَضِيهِ عَادَ
جَائِزًا وَكَذَا لَا يَجُوزُ بِمِثْلِ مَا يَبِيعُ النَّاسُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ
شَيْئًا لَا يَتَفَاوَتُ كَالْخَبْزِ وَاللَّحْمِ. ^(۱)

ترجمہ:- اور ناجائز بیوع میں یہ بیوع بھی شامل ہیں کہ یوں کہا جائے کہ فلاں چیز کو اس کی قیمت کے بدلے فروخت کرتا ہوں یا جتنے میں مجھے پڑی ہے اتنے میں بیچتا ہوں یا جتنے میں آپ چاہیں یا جتنے میں آپ پسند کریں یا اس کی اصل قیمت کے بدلے یا جتنے میں فلاں شخص نے خریدی ہے وغیرہ، یہ سارے معاملات ناجائز ہیں۔ اگر مجلس کے اندر خریدار کو اس کی قیمت کا علم ہو جائے اور وہ اس پر راضی بھی ہو جائے تو وہ بیع جائز ہو جائے گی۔ اسی طرح یہ کہنا کہ جتنے میں لوگ بیچتے ہیں، اتنے میں بیچتا ہوں، یہ بھی عقد فاسد ہے ہاں اگر وہ چیز ایسی ہے کہ ان جیسی اشیاء میں تفاوت نہیں ہوتا جیسے روٹی اور گوشت تو ان صورتوں میں یہ بیع جائز ہوگی۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ علیہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:-

فَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ الْمُشْتَرَى يَنْظُرُ إِنْ عَلِمَ فِي مَجْلَسِ الْبَيْعِ نَفَذَ وَإِنْ
تَفَرَّقَا قَبْلَ الْعِلْمِ بَطُلٌ. ^(۲)

(۱) فتح القدير مع الهداية، ابن الهمام (كمال الدين محمد بن عبد الواحد المعروف بابن الهمام)

كوئٹہ، المكتبة الرشيدية (۵/۴۶۷)۔

(۲) رد المحتار مع التنوير وشرح الدر المختار (۴۴/۵۴۱)۔

ترجمہ:- اگر خریدار کو قیمت معلوم ہو تو دیکھا جائے گا اگر بیع کی مجلس ہی میں اسے قیمت کا علم ہو گیا تو یہ بیع نافذ ہو جائے گی اور قیمت جاننے سے پہلے دونوں کے درمیان علیحدگی ہو گئی تو عقد باطل ہو جائے گا۔
امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

فقال: قد أخذت منك هذا بمثل ما يبيع الناس، فهذا فاسد.
وكذلك لو قال: أخذت منك بمثل ما أخذ فلان من الثمن^(۱)
فهو فاسد.

ترجمہ:- اگر خریدار نے یوں کہا کہ میں نے آپ سے اتنی قیمت کے بدلے خریدی جتنی کے بدلے لوگ بیچتے ہیں تو یہ بیع فاسد ہوگی اسی طرح اگر یوں کہا کہ میں نے تم سے اتنی قیمت کے بدلے میں خریدی جتنی قیمت فلاں نے لی تو یہ بیع بھی فاسد ہوگی۔

ان معاملات کے عدم جواز پر دیگر فقہاء کی عبارات
علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

واتفق الأصحاب على أن يشترط كون الثمن معلوم القدر
لحديث النهي عن بيع الغرر فلو قال بعتك هذا بدراهم أو
بما شئت أو نحو هذه العبارات لم يصح البيع بلا خلاف ولو
قال بعتك هذه السلعة برقمها أي بالثمن الذي هو مرقوم به
عليها أو بما باع به فلان فرسه أو ثوبه فإن كان عالمين
بقدره صح البيع بلا خلاف وإن جهلاه أو أحدهما فطريقان
(أصحهما) وبه قطع المصنف وسائر العراقيين وجماعة من
الخراسانيين لا يصح البيع لما ذكره المصنف لأنه غرر.^(۱)

(۱) کتاب الأصل المعروف بالمبسوط: الشيباني (الإمام محمد بن الحسن ۱۳۲ھ-۱۸۹ھ)

کراتشی، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية (۵/۹۰).

(۲) المجموع شرح المذهب للنووی (۵/۳۳۳).

ترجمہ:- فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیع کے اندر ثمن کی مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا ہے لہذا اگر کسی شخص نے کہا کہ میں تجھے یہ چند دراہم میں یا جتنی قیمت میں آپ چاہیں آپ کو بیچتا ہوں یا اس طرح کی کوئی بات کی تو بالاتفاق یہ بیع ناجائز ہوگی اور اگر یوں کہا کہ جو قیمت اس پر لکھی ہوئی ہے اسی کے بدلے بیچتا ہوں حالانکہ دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو معلوم نہیں کہ اس پر کیا قیمت لکھی ہے تو اس کے بارے میں راجح قول یہ ہے کہ یہ بیع صحیح نہیں اسی کو عراقی فقہاء اور خراسانی علمائے کرام کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے اور مصنف علیہ الرحمۃ کا کہنا ہے کہ اس میں ”غرر“ ہے۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:-

ومتی باعاه السلعة بر قمها ولا یعلمانه وجہل ذلک
أحدهما فالبیع باطل لأن العلم بالثمن شرط لصحة
البيع.^(۱)

ترجمہ:- اگر دو آدمیوں نے کسی چیز کی بیع اس قیمت کے بدلے میں کی جو اس پر لکھی ہوئی ہے حالانکہ دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو معلوم نہیں کہ اس پر کیا لکھا ہوا ہے تو یہ بیع فاسد ہے کیونکہ بیع کے صحیح ہونے کے لئے ثمن کا علم ہونا شرط ہے۔

بيع الاستجرار

بازاری قیمت پر خریدنے کی ایک اہم صورت وہ ہے جو ہمارے ہاں بکثرت پائی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ ایک شخص کسی دکاندار مثلاً پھل فروش، سبزی فروش، کریانہ مرچنٹ وغیرہ کے پاس اپنا کھانا کھول لیتا ہے اور اس سے اشیاء لیتا رہتا ہے جس روز جو چیز لی جاتی ہے، اس روز اس کی جو بازاری قیمت ہوتی ہے، دکاندار اس کے حساب سے اس کی قیمت لگا کر خریدار کے کھاتے میں لکھ دیتا ہے۔ خریدار کو عام طور پر اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ فلاں چیز کس بھاء کے حساب سے آئی بلکہ وہ علی الحساب اشیاء لیتا رہتا ہے اور پھر مہینے کے آخر یا کچھ مدت کے بعد ساری خریداری کا حساب لگا کر ادائیگی کر دی جاتی ہے اور بعض دفعہ خریدار رقم شروع میں رکھوا دیتا ہے اور دکاندار سے چیزیں لیتا رہتا ہے، آخر میں اس کی دی ہوئی رقم سے حساب کر لیا جاتا ہے، اسے فقہی اصطلاح میں ”بيع الاستجرار“ کہا جاتا ہے۔

معجم لغة الفقهاء میں بيع الاستجرار کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:-

ما يأخذه المشتري من البائع شيئاً فشيئاً ثم يحاسبه ثمن جميع ما أخذه.^(۱)

ترجمہ:- بیع الاستجرار یہ ہے کہ خریدار فروخت کنندہ سے مختلف اوقات میں اشیاء لیتا رہتا ہے اور پھر لی ہوئی تمام اشیاء کے ثمن کا حساب کر لیتا ہے۔

بيع الاستجرار کی اقسام

بنیادی طور پر بیع الاستجرار کی دو اقسام ہیں:-

- ۱- ثمن مؤخر کے ساتھ بیع الاستجرار کرنا (یعنی اشیاء خریدنے کے بعد اکٹھی ادائیگی کرنا)۔
- ۲- مبلغ مقدم کے ساتھ بیع الاستجرار کرنا (یعنی اشیاء خریدنے سے پہلے ادائیگی کرنا)۔

(۱) معجم لغة الفقهاء، قلعه جی (محمد رواس قلعه جی) کراتشی، ادارة القرآن والعلوم

ثمن مؤخر کے ساتھ بیع الاستجرار کرنا

اس کی صورت یہ ہے کہ خریدار دکاندار سے اشیاء لیتا رہتا ہے اور آخر میں حساب کر کے ادائیگی کر دیتا ہے۔ چنانچہ علامہ ^{ھکفی} اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ما يستجره الإنسان من البائع إذا حاسبه على أثمانها بعد
(۱) استهلاكها.

ترجمہ:- (بیع الاستجرار بثن مؤخر یہ ہے کہ) جس میں انسان دکاندار سے چیزیں اس طور پر لیتا رہتا ہے کہ ان کے ہلاک ہونے کے بعد ان کے ثمن کے حساب سے تصفیہ کر لے گا۔

گویا دکاندار سے یہ بات طے ہوتی ہے کہ خریدار ضرورت پڑنے پر اشیاء لیتا رہے گا چنانچہ جب بھی خریدار کو کسی چیز کی ضرورت پڑتی ہے وہ خود یا کسی کو بھیج کر دکان سے وہ چیز منگوا لیتا ہے۔ دکاندار قیمت کا ذکر کئے بغیر وہ چیز اسے دے دیتا ہے اور اس وقت باقاعدہ ایجاب و قبول بھی نہیں ہوتا، خریدار ان اشیاء کو استعمال کرتا رہتا ہے اور پھر مہینے کے اختتام پر حساب کر کے یکمشت ادائیگی کر دیتا ہے۔

مبلغ مقدم کے ساتھ بیع الاستجرار کرنا

دوسری صورت یہ ہے کہ خریدار پہلے ہی کچھ رقم دکاندار کے پاس رکھوا دیتا ہے اور پھر دکاندار سے مختلف اوقات میں اشیاء لیتا رہتا ہے اور پھر مہینے یا کچھ مدت کے آخر میں حساب کر لیا جاتا ہے۔ اس صورت کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم لکھتے ہیں:-

وأما النوع الثاني من الاستجرار، فهو أن المشتري يدفع إلى البائع
مبلغاً مقدماً ثم يستجر منه الأشياء وتقع المحاسبة بعد أخذ
(۱) مجموعة من الأشياء في نهاية الشهر أو في نهاية السنة مثلاً.

(۱) الدر المختار للحصکفی مع رد المحتار (۵/۱۶۴)۔

(۲) بحوث فی قضایا فقہیة معاصرة ص: ۱۶۸۔

پھر ان میں سے ہر ایک کی تین اقسام ہیں:-

۱- پہلی صورت یہ ہے کہ خریدار جب کوئی چیز دکاندار سے لیتا ہے تو دکاندار اس کی قیمت بتا دیتا ہے، خریدار اس کی قیمت جاننے کے بعد وہ چیز لیتا ہے اور پھر آخر میں لی گئی تمام اشیاء کا حساب کر کے ادائیگی کی جاتی ہے۔

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ دکاندار اس چیز کی قیمت تو بیان نہیں کرتا البتہ وہ چیز ایسی ہے کہ اس کی بازاری قیمت متعین اور منضبط ہوتی ہے اور متعاقدین کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بیع بازاری قیمت پر ہو رہی ہے جیسا کہ اخبار فروش ہر روز اخبار پھینک کر جاتا ہے، وہ ہر روز اس کی قیمت نہیں لیتا لیکن اس کی قیمت متعین ہوتی ہے اور دونوں کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بیع بازاری قیمت پر ہو رہی ہے۔

۳- تیسری صورت یہ ہے کہ اس چیز کی قیمت بھی نہیں بتائی جاتی اور اس کی قیمت متعین اور منضبط بھی نہیں ہوتی بلکہ بدلتی رہتی ہے جیسے پھلوں اور سبزیوں وغیرہ کی قیمت میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے۔

بیع الاستحرار کے بارے میں فقہائے کرام کی آراء

جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو یہ صورت بالاتفاق جائز ہے اس لئے کہ اس میں ہر مرتبہ ایک ایسی قیمت پر بیع ہوتی ہے جس کا خریدار اور دکاندار میں سے ہر ایک کو علم ہوتا ہے لہذا اس میں ثمن مجہول ہونے کی خرابی نہیں پائی جاتی۔

دوسری صورت میں چونکہ بچی جانے والی چیز کی بازاری قیمت متعین ہوتی ہے، اس لئے اس میں ثمن کی جہالت تو نہیں البتہ لیتے دیتے وقت باقاعدہ زبان سے ایجاب و قبول نہیں ہوتا، اس لئے یہ ”بیع التعاطی“ کے حکم میں آتی ہے۔ حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ کے ہاں تمام اشیاء میں اور شافعیہ کے راجح قول کے مطابق کم قیمت اشیاء میں بیع التعاطی جائز

(۱) بیع التعاطی اس بیع کو کہتے ہیں جس میں خریدار اور فروخت کنندہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک زبان سے کچھ نہیں بولتا بلکہ خریدار قیمت دے کر مطلوبہ چیز اٹھا لیتا ہے۔ (ملاحظہ فرمائیے: المجموع شرح

ہے۔^(۱) لہذا بیع الاستجرار کی یہ صورت بھی جائز ہے۔

جہاں تک تیسری صورت کا تعلق ہے تو اس میں اشیاء لیتے وقت بھی قیمت بیان نہیں ہوتی اور نہ ہی ان اشیاء کی کوئی منضبط قیمت ہوتی ہے لہذا اس صورت میں فقہی قواعد کا تقاضا یہ ہے کہ اسے جائز قرار نہ دیا جائے کیونکہ اگر ہم یہ کہیں کہ جب فروخت کنندہ سے خریدار اشیاء لیتا رہا تو ہر چیز کے لیتے وقت اس کی بیع ہوتی رہی تو یہ درست نہیں کیونکہ اس وقت خریدار کے اعتبار سے اس چیز کے ثمن مجہول تھے اور مجہول الثمن اشیاء کی خرید و فروخت جائز نہیں اور اگر یوں کہا جائے کہ جب ان چیزوں کا حساب کیا گیا تو اس وقت بیع منعقد ہوئی تو بھی شرعی اعتبار سے یہ معاملہ جائز نہیں رہتا کیونکہ حساب کے وقت تو خریدی گئی اشیاء استعمال ہو کر ختم ہو چکی تھیں تو اب ان کی بیع کرنا گویا معدوم اشیاء کی بیع کرنا ہے جو کہ جائز نہیں۔ نیز اس صورت میں ایک اور خرابی بھی لازم آتی ہے وہ یہ کہ خریدار نے اشیاء خریدنے سے پہلے انہیں استعمال کر کے ختم کر دیا گویا اس نے غیر مملوکہ اشیاء میں تصرف کیا۔ چونکہ اس کا جواز کسی فقہی ضابطے کے تحت نہیں آتا، اس لئے مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ بیع جائز نہیں چنانچہ امام مالکؒ فرماتے ہیں :-

ولا بأس أن يضع الرجل درهماً ثم يأخذ منه ربع أو بثلث أو
بكسر معلوم سلعة معلومة، فإذا لم يكن في ذلك سعر معلوم
وقال الرجل: آخذ منك بسعر كل يوم فهذا لا يحل لأنه
غرر يقل مرة ويكثر مرة ولم يفترقا على بيع معلوم.^(۲)

(۱) الهدایۃ مع فتح القدیر (۵/۳۵۹)۔

..... مواہب الجلیل (۴/۲۲۹)۔

..... شرح الزرقانی (۱/۲۹۰)۔

..... المجموع شرح المہذب (۹/۱۲۶)۔

..... الإنصاف للمرداوی (۴/۲۶۳)۔

..... الفروع لابن مفلح (۳/۱۰۷)۔

(۲) کتاب المؤطا ص: ۹۰۔

ترجمہ:- اس میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی شخص کسی کے پاس ایک درہم رکھے پھر اس درہم کی ایک چوتھائی، ایک تہائی یا اس کے کسی متعین حصے کے بدلے کوئی متعین چیز خریدے لیکن اگر اس کا بھاء معلوم نہ ہو اور خریداریوں کہے کہ ہر روز جو بازاری قیمت ہوگی، میں اس پر اشیاء خریدوں گا تو یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں غرر ہے اور یہ غرر کبھی کم ہوگا اور کبھی زیادہ کیونکہ قیمت گھٹتی اور بڑھتی رہتی ہے، نیز ان کی علیحدگی کسی متعین بیع پر نہیں ہوئی (بلکہ قیمت کے تعین کے بغیر جدائی واقع ہو گئی ہے)۔

مذکورہ عبارت میں اگرچہ صرف اس صورت کا حکم مذکور ہے جب رقم پہلے جمع کرائی جائے لیکن چونکہ ممانعت کی علت جہالت ثمن اور غرر ذکر کی گئی جو کہ اس صورت کو شامل ہے جب رقم بعد میں دی جائے لہذا یہ دونوں صورتیں مالکیہ کے ہاں ناجائز ہیں۔ اسی طرح اکثر فقہائے شافعیہ بھی اس بیع کو ناجائز کہتے ہیں۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:-

فَأَمَّا إِذَا أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا وَلَمْ يُعْطِهِ شَيْئًا وَلَمْ يَتْلَفْ ظَاهِرَ بَيْعًا، بَلْ نَوِيَا أَخْذَهُ بِالْثَمَنِ الْمَعْتَادِ كَمَا يَفْعَلُهُ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَهَذَا بَاطِلٌ بِلَا خِلَافٍ، لِأَنَّهُ لَيْسَ بَيْعٌ لَفْظِيٌّ وَلَا مَعَاوَاةٌ وَلَا يَعْدُ بَيْعًا فَهُوَ بَاطِلٌ وَلِيَعْلَمَ هَذَا وَلِيَتَحَرَّزَ مِنْهُ وَلَا تَغْتَرَّ بِكَثْرَةِ مَنْ يَفْعَلُهُ فَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ يَأْخُذُ الْحَوَائِجَ مِنَ الْبَيْعِ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ مِنْ غَيْرِ مَبَايَعَةٍ وَلَا مَعَاوَاةٍ، ثُمَّ بَعْدَ مَدَّةٍ يَحَاسِبُهُ وَيُعْطِيهِ الْعَوَاضَ هَذَا بَاطِلٌ بِلَا خِلَافٍ لِمَا ذَكَرْنَا^(۱)۔

ترجمہ:- اگر خریدار نے فروخت کنندہ سے کوئی چیز لی اور اسے اس کے بدلے کچھ نہ دیا اور نہ ہی زبان سے بیع کا تلفظ کیا بلکہ دل میں یہ نیت

کر لی کہ وہ اس کی بازاری قیمت ادا کرے گا جیسا کہ اکثر لوگ ایسا کرتے ہیں تو یہ بالاتفاق باطل ہے اس لئے کہ نہ یہ لفظ بیع ہوئی ہے اور نہ یہ بیع التعاطی ہے اور نہ اسے بیع شمار کیا جاتا ہے لہذا یہ باطل ہے، یہ حقیقت جاننے کے بعد اس سے بچنا ضروری ہے۔ لوگوں کے کثرت معاملہ کو دیکھ کر دھوکے میں نہ پڑو اس لئے کہ بہت سے لوگ دکانداروں سے مختلف اوقات میں اشیاء لیتے ہیں حالانکہ لیتے وقت نہ زبان سے بیع کرتے ہیں اور نہ ہی بیع التعاطی ہوتی ہے پھر ایک مدت کے بعد حساب کر کے اس کا معاوضہ دیتے ہیں، یہ بیع بالاتفاق ناجائز ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

اگرچہ مذکورہ عبارت میں امام نوویؒ نے اسے بالاتفاق ناجائز کہا ہے تاہم شافعیہ میں سے امام غزالیؒ نے اس کی گنجائش دی ہے۔
چنانچہ علامہ رملیؒ لکھتے ہیں:-

أما الإستحجار من بیع فباطل اتفاقاً أى حیث لم یقدر الثمن کل مرة علی أن الغزالی سامح فیہ أيضاً بناءً علی جواز المعاطاة.^(۱)
ترجمہ:- دکانداروں سے استحجار کے طور پر معاملہ کرنا بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ ہر مرتبہ ثمن مقرر نہیں کئے جاتے البتہ امام غزالیؒ نے بیع التعاطی پر قیاس کرتے ہوئے اس کی گنجائش دی ہے۔

حنبلیہ کے ہاں جواز اور عدم جواز دونوں قسم کی روایات ہیں، البتہ رائج یہ ہے کہ یہ بیع جائز ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ سے جواز کی روایت ملاحظہ ہو:-

سمعت أحمد سئل عن الرجل یبعث إلی البقال، فیأخذ منه شیئاً بعد شیء، ثم یحاسبه بعد ذلک. قال أرجو أن لا یکون

(۱) نہایۃ المحتاج، الرملی (شمس الدین محمد بن أبی العباس أحمد بن حمزة بن شهاب الدین الرملی المتوفی ۱۰۰۴ھ) بیروت، دار إحياء التراث العربی (۳/۳۶۴)۔

بذلک باس۔^(۱)

ترجمہ:- میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا جب ان سے یہ سوال کیا گیا کہ ایک شخص سبزی فروش سے مختلف اوقات میں سبزی لیتا رہتا ہے اور پھر آخر میں اس کا حساب کر لیتا ہے۔ فرمایا: اُمید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

حنفیہ نے استحساناً اس بیع کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ ^{ہسکفی} لکھتے ہیں:-
ما يستجره الإنسان من البيع إذا حاسبه على أثمانها بعد استهلاكها جاز استحساناً.^(۲)

ترجمہ:- آدمی جو دکاندار سے مختلف اوقات میں چیزیں لیتا رہتا ہے اور پھر ان کے ہلاک ہونے کے بعد ان کے ثمن کے بدلے حساب کرتا ہے، یہ بیع استحساناً جائز ہے۔

البتہ اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ اس بیع کے جواز کے لئے وجہ استحسان کیا ہے۔ علامہ ابن نجیم کی رائے ہے کہ یہ بیع المعدوم ہے جو کہ استحساناً یہاں جائز قرار دی گئی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:-

ومما تسامحوا فيه وأخرجوه عن هذه القاعدة ما في القنية:
الأشياء التي تؤخذ من البيع على وجه الخرج كما هو
العادة من غير بيع كالعدس والملح والزيت ونحوها ثم
اشتراها بعد ما انعدمت صح اه فيجوز بيع المعدوم ههنا.^(۳)
ترجمہ:- اور جن معاملات کے بارے میں فقہاء نے تسامح کیا ہے اور

(۱) موسوعة جمال عبدالناصر، المجلس الأعلى للشئون الإسلامية، القاهرة، ۱۳۹۰ھ

(۲) ۳۰۵/۵ معزياً إلى النكت والفوائد السنية لابن مفلح.

(۳) الدر المختار مع رد المحتار (۵۱۶/۳).

(۳) البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ابن نجيم (زين الدين بن ابراهيم بن محمد المعروف بابن

نجيم المتوفى ۹۷۰ھ) بيروت، دار الكتب العلمية، ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۷م (۴۳۳/۵).

فقہ کے بیان کردہ قواعد سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، ان میں یہ صورت بھی ہے کہ لوگ دکاندار سے اشیاء لیتے رہتے ہیں اور ان کی کوئی بیع نہیں کرتے جیسے لہسن، نمک اور زیتون وغیرہ پھر جب وہ استعمال ہو کر ختم ہو جاتی ہیں تو انہیں خریدتے ہیں۔ اس طرح گویا یہ معدوم چیز کی بیع ہوئی لیکن معدوم چیز کی بیع یہاں جائز ہے۔

بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ یہ دراصل بیع نہیں بلکہ مالک کی اجازت سے اس کی تلف شدہ اشیاء کا ضمان ادا کرنا ہے اور دفع حرج کے لئے اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔ رد المحتار میں ہے:

وقال بعض الفضلاء: ليس هذا بيع معدوم إنما هو من باب ضمان المتلفات بإذن مالکها عرفاً تسهلاً للأمر ودفعاً للحرج كما هو العادة.^(۱)

ترجمہ:- بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ یہ معدوم چیز کی بیع نہیں بلکہ مالک کی اجازت سے اس کی تلف شدہ اشیاء کا ضمان ادا کرنا ہے، اس کا جواز عرف کی وجہ سے معاملے میں آسانی پیدا کرنے اور حرج کو دور کرنے پر مبنی ہے جیسا کہ فقہاء دیگر معاملات آسانی پیدا کرنے کے لئے جواز کا حکم دیتے ہیں۔

اس توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ یہ اشیاء لینے والا شخص شروع میں دکاندار سے قرض لیتا ہے اور پھر جب انہیں استعمال کر کے ہلاک کر دیتا ہے تو تصفیہ کے وقت اس کی قیمت کا ضمان ادا کرتا ہے۔

لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ قرض تو صرف مثلیات میں لیا جاسکتا ہے، قیمیات^(۲) میں قرض لینا حنفیہ کے ہاں جائز نہیں جبکہ بیع الاستجرار میں قیمیات کے خریدنے کی

(۱) رد المحتار (۵۱۶/۴)۔

(۲) مثلیات اور قیمیات کی وضاحت بیع الدین کے تحت ہو چکی ہے۔

بھی ضرورت پیش آتی ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہاں استحساناً قیمت کے قرض کو بھی جائز قرار دیا گیا جیسا کہ ہم روٹی اور خمیرہ کے قرض کو استحساناً جائز کہتے ہیں حالانکہ وہ قیمت میں سے ہیں۔^(۱) علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ اسے ”ہبہ بشرط العوض“ یا ”مقبوض علی سوم الشراء“ قرار دیا جاسکتا ہے۔^(۲) ”ہبہ بشرط العوض“ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دکاندار نے یہ چیزیں خریدار کو ہدیہ کے طور پر اس شرط کے ساتھ دے دیں کہ خریدار ان کا معاوضہ ادا کرے گا۔ اور ”مقبوض علی سوم الشراء“ کا مطلب یہ ہوگا کہ خریدار ان چیزوں پر قبضہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ جس قیمت پر انہیں خرید رہا ہے، وہ بعد میں ادا کرے گا۔ خلاصہ یہ کہ بیان کردہ توجیہات میں سے کوئی بھی توجیہ بے غبار نہیں بلکہ ہر ایک پر کوئی نہ کوئی اعتراض وارد ہوتا ہے چنانچہ پروفیسر الصدیق محمد امین الضریر ان توجیہات کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

وقد اعترض علی جمیع هذه التخریجات، والمسألة علی

(۲)

حال لیست قیاسیة عندهم وإنما جازت استحساناً.

ترجمہ:- ان تمام تخریجات پر کوئی نہ کوئی اعتراض ہوا ہے، لہذا صحیح

بات یہ ہے کہ حنفیہ کے ہاں یہ مسئلہ قیاس سے ثابت نہیں بلکہ اس کا

جواز خلاف قیاس ہے۔

(۱) بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرہ، العثماني (مولانا محمد تقی العثماني ۱۹۳۳ م) دمشق دار القلم، ۱۴۱۹ھ-۱۹۹۸ م ص: ۶۶: ویستشکل علی هذا بأن القرض إنما یصح فی المثلّیات فقط، ولا یجوز اقتراض القیمات عند الحنفیة مع أن الإستجرار ربما یمجرى فی ذوات القیم. فأجابوا عنه بأن الإستجرار یستثنى من عدم جواز اقتراض القیمات استحساناً كما أجاز الاقتراض فی الخبز والخمیرة مع أنها من ذوات القیم.

(۲) رد المحتار مع الدر المختار (۵۱۶/۳) ویمكن تخریجه علی الهبة بشرط العوض أو علی سوم الشراء.

(۳) الفرر وأثره فی العقود ص: ۲۸۰.

لیکن مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی رائے یہ ہے کہ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ کی بیان کردہ تخریج رائج ہے، وہ یہ کہ ان چیزوں کی بیع حساب کرتے وقت منعقد ہونا صحیح ہے جبکہ ان کو لیتے ہوئے دونوں فریق اجمالی قیمت پر راضی ہو جائیں البتہ اس پر جو یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ معدوم چیز کی بیع ہے تو اس کا جواب دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ یہ معدوم چیز کی بیع نہیں بلکہ یہ اس چیز کی بیع ہے جسے خریدار نے مکمل طور پر استعمال کر کے ختم کر دیا۔ معدوم چیز کی بیع اس لئے ناجائز ہے کہ اس میں غرر ہوتا ہے کیونکہ بسا اوقات بائع وہ چیز خریدار کو سپرد کرنے پر قادر نہیں ہوتا جبکہ یہاں کوئی غرر نہیں اس لئے کہ بائع یہ چیز عملی طور پر خریدار کے حوالے کر چکا ہے، یہ چیز خریدار کے پاس رہی اور اس نے اسے خوب استعمال کیا یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو گئی تو حساب کرتے وقت یوں سمجھا جائے گا کہ یہ چیز تقدیراً موجود ہے، لہذا یہ بیع صحیح ہو جائے گی۔

دوسرا اعتراض یہ تھا کہ جب یہ مانا جائے کہ یہ بیع حساب اور تصفیہ کے وقت منعقد ہوئی تو اس سے پہلے خریدار کا ان چیزوں کا استعمال کرنا غیر مملوکہ اشیاء کا استعمال ہے تو اس کے جواب میں موصوف فرماتے ہیں کہ جب تصفیہ کے وقت بیع منعقد ہو گئی تو اسے اس وقت کی طرف منسوب کیا جائے گا جس وقت خریدار نے ان کو لیا اور پھر یوں سمجھا جائے گا کہ گویا خریدار نے ان چیزوں کو استعمال کیا جن کا وہ بیع کے ذریعے مالک بن چکا تھا اور اس کی مثال ”غصب میں ضمان ادا کرنے“ کی ہے جب غاصب کوئی چیز غصب کر کے اس کا ضمان ادا کرے تو پھر غصب کرنے کے وقت سے اس چیز کا مالک قرار دیا جاتا ہے اور ضمان ادا کرنے کے بعد اس کے اس سے پہلے کئے گئے ہوئے تصرفات بھی صحیح ہو جاتے ہیں تو یہاں بھی جب بیع منعقد ہو گئی تو اسے اشیاء لینے کی طرف منسوب کر کے اس کے پہلے والے تصرفات کو جائز کہا جائے گا اور چونکہ بیع الاستحجار میں خریدار فروخت کنندہ کی مرضی اور رضامندی سے یہ اشیاء لیتا ہے اس لئے ان کے لینے کی وجہ سے وہ گنہگار بھی نہ ہوگا جیسا

کہ غاصب گنہگار ہوتا ہے۔^(۱)

بیع الاستجرار میں رکھوائی گئی ایڈوانس رقم کی شرعی حیثیت

بیع الاستجرار کی بنیادی اقسام کے ذیل میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ استجرار کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ سامان کی قیمت بعد میں دی جائے اور دوسری قسم یہ ہے کہ کچھ رقم پہلے ہی دکاندار کے پاس رکھوائی جائے۔ جو رقم بعد میں دی جاتی ہے اس کا حکم تو واضح ہے کہ وہ سامان کی قیمت ہے البتہ یہ بات قابل تحقیق ہے کہ ایڈوانس کے طور پر شروع میں جمع کرائی گئی رقم کی کیا حیثیت ہے؟

فقہی طور پر اس رقم کے بارے میں تین احتمالات ہو سکتے ہیں:-

۱- ثمن مقدم ہو۔

۲- فروخت کنندہ کے ہاتھ میں امانت ہو۔

۳- فروخت کنندہ کے پاس خریدار کا قرض ہو۔

اگر اسے ثمن مقدم قرار دیا جائے تو اس کے لئے دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرة ص: ۶۶، ۶۷: والذی یشہد لهذا العبد الضعیف، عفا اللہ عنہ، أن التخریج الأول هو الراجح وهو أن المعاملة تصح بیعا عند تصفیة الحساب إذا تفرق الفريقان علی الثمن الإجمالی للمأخوذات. وأما الإستشکال بكونه بیع المعدوم فالأحسن فی جوابه أن یقال: أنه لیس بیعا للمعدوم بل هو بیع لما استهلكه المشتري وانتفع به انتقاعا تاما. وبيع المعدوم إنما یحرم من جهة أنه یتضمن الغرر فربما لا یقدر البائع علی تسلیمه إلی المشتري ولا غرر ههنا لأن البائع سلم المبیع إلی المشتري فعلا، فالمبیع كان موجودا عند المشتري، وانتفع به المشتري حتی استهلكه، فیعبر عند التصفیة كالموجود تقدیرا فیصح بیعه. أما استشکاله بأن تصرف المشتري فی تلك الأشياء وقع قبل القبض فی غیر ملكه، فالأحسن فی جوابه أن یقال: أن البیع حینما وقع العقد عند التصفیة صریحا، فإنه یسند إلی وقت الأخذ تقدیرا، ویعبر كأنه تصرف فیما ملكه بالمبیع وهذا كما یقع فی ضمان المغصوبات، فإن تصرف الغاصب فیما غصب غیر صحیح ولكنه إذا أدى ضمان المغصوب، فنقلب جمیع تصرفاته فیہ صحیحة بعد الضمان علی ما هو الراجح وأما إذا أحل له المغصوب منه تصرفه فلا خلاف فی أن جمیع تصرفاته تنقلب صحیحة جائزة بعد أداء الضمان. فإن الغصب بعد أداء الضمان من حین غصبه فالأخذ فی الإستجرار أولى لأنه أخذ بإذن صاحبه فلا یأثم بالأخذ أيضا كما یأثم الغاصب.

پہلی شرط یہ ہے کہ اس کی ادائیگی کے وقت بیع کی جنس، وصف اور اس کی مقدار وغیرہ معلوم ہو اس لئے کہ یہ قیمت تب بنے گی جب اشیاء کے لینے دینے کے معاملات کو بیع قرار دیا جائے اور بیع قرار دینے کے لئے ضروری ہے کہ بیع کی جنس، وصف اور مقدار معلوم ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ بیع ان اشیاء میں سے ہو جن میں بیع سلم یا استصناع ہو سکتی ہو اور عقد کے اندر بھی ان شرائط کا لحاظ رکھا گیا ہو جو عقد سلم یا استصناع کے جواز کے لئے ضروری ہیں کیونکہ ثمن مقدم کے ساتھ خرید و فروخت کا معاملہ صرف بیع سلم اور استصناع ہی میں ہوتا ہے لہذا یہاں بھی ان شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ”بیع الاستحراز“ میں مذکورہ دونوں شرائط موجود نہیں ہوتیں اس لئے کہ جب خریدار فروخت کنندہ کو رقم دیتا ہے کہ تو بسا اوقات اسے خود یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ اس رقم سے مختلف اوقات میں کیا کیا چیزیں خریدے گا۔ اور اگر اسے معلوم بھی ہو کہ میں فلاں فلاں اشیاء خریدوں گا پھر بھی اس کے لئے ان چیزوں کا وصف، مقدار اور اس کا وقت بتانا ممکن نہیں ہوتا اس لئے اس میں بیع سلم کی شرائط نہیں پائی جاتیں اور بسا اوقات وہ ایسی چیزیں نہیں ہوتیں کہ جن کے بنوانے کی ضرورت ہو لہذا اس میں ”استصناع“ بھی متحقق نہیں ہوتا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ اسے امانت قرار دیا جائے اور یوں سمجھا جائے کہ جب بھی خریدار کوئی چیز لے گا تو امانت کا جو حصہ اس چیز کی قیمت کے برابر ہوگا، وہ ثمن بن جائے گا اور باقی رقم فروخت کنندہ کے پاس امانت رہے گی لیکن اس صورت میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ امانت قرار دینے کی صورت میں بائع کے لئے اس رقم کو ذاتی استعمال میں لانا جائز نہ ہوگا اس لئے کہ امانت میں تصرف کرنا شرعاً جائز نہیں جب کہ مشاہدہ یہ ہے کہ بائع اس رقم کو ذاتی استعمال میں لاتا رہتا ہے اور اسے اس کے استعمال سے روکنا بہت سی مشکلات اور پریشانیوں کا باعث بنتا ہے کیونکہ عملاً اس کے لئے اس پر عمل کرنا محال ہے۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ اس رقم کو قرض قرار دیا جائے۔ اس صورت میں بائع کے لئے اس رقم کو استعمال کرنا تو جائز ہوگا البتہ اس صورت میں یہ اشکال ہوگا کہ یہ ایک ایسا

قرض ہے جس کے ساتھ آئندہ ہونے والی بیع مشروط ہے اور یہ ایک ایسی شرط ہے جو عقد قرض کے خلاف ہے اس لئے کہ قرض محض تبرع اور صلہ رحمی کے طور پر دیا جاتا ہے جبکہ یہاں قرض کے ساتھ بیع کا معاملہ مشروط ہے لہذا یہ صورت بھی ناجائز ہونی چاہئے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مذکورہ بالا تینوں صورتیں جائز نہیں تو کیا پھر ایڈوانس کے طور پر کچھ رقم رکھوانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کسی شرعی قاعدے کے تحت اس کا جواز ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں علم الفقہ کی روایتی کتب خاموش نظر آتی ہیں البتہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی رائے یہ ہے کہ اس رقم کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ یہ رقم ”علی الحساب“ (On Account Basis) ہے اور جو رقم ”علی الحساب“ دی جاتی ہے، اگرچہ فقہی اعتبار سے وہ قرض ہی ہوتی ہے چنانچہ جس شخص کو وہ رقم دی جاتی ہے وہ اسے ذاتی ضروریات میں استعمال کر سکتا ہے لیکن یہ ایک ایسا قرض ہے کہ اس میں آئندہ ہونے والی بیع کی شرط لگانا درست ہے اس لئے کہ یہ ”متعارف شرط“ ہے اور جو رقم ”علی الحساب“ دی جاتی ہے اس کا مقصد بھی قرض دینا نہیں ہوتا بلکہ آئندہ ہونے والی بیع کے وقت عائد ہونے والے ثمن سے خریدار کے ذمہ کو فارغ کرنا مقصود ہوتا ہے تاکہ خریدار کے لئے اپنی ضروریات کا سامان خریدنا آسان ہو جائے اور ہر مرتبہ خریداری کے وقت اسے رقم ادا کرنے کی ضرورت نہ پڑے لہذا یہ ایک ایسا قرض ہوا جس کے اندر بیع کی شرط لگانا متعارف ہے اور ایسی شرط جو متعارف ہو جائے وہ حنفیہ کے نزدیک جائز ہوتی ہے اگرچہ وہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو جیسے اس شرط کے ساتھ جو تا خریدنا کہ بائع اسے تسمہ لگا کر برابر کر کے دے گا۔^(۱)

اس تفصیل کی روشنی میں معلوم ہوا کہ ایڈوانس رقم رکھوانا شرعاً جائز ہے۔

(۱) بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرة ص: ۷۰: والذی یتظهر لی أن هذا المبلغ دفعة تحت الحساب وهی، وإن كانت قرضاً فی الاصطلاح الفقہی، من حیث أنه يجوز للمدفوع له أن یصرفها فی حوائج نفسه، ومن حیث کونها مضمونة علیه ولكنها قرض يجوز فیہ شرط البیع اللاحق لکونه شرطاً متعارفاً، فإن الدفعات تحت الحساب لا یقصد بها الأقراض وإنما یقصد به تفریغ ذمة المشتري عن اداء الثمن عند البیع اللاحق وأن یتسر له شراء الحاجات دون أن ینکلف نقد الثمن فی کل مرة. فهذا قرض تعورف فیہ شرط البیع والشرط کلما کان متعارفاً فإنه يجوز عند الحنفیة إن کان مخالفاً لمقتضى العقد کما فی شراء النعل بشرط أن یحدوه البائع.

تعیین قیمت کا فارمولہ

(Bench mark)

”ثمن میں جہالت کے اعتبار سے پائے جانے والے غرر کی چوتھی مشہور صورت ”تعیین قیمت کا فارمولہ“ ہے۔

بہت سے اسلامی مالیاتی ادارے اور بینک مرابحہ کے اندر نفع کی تعیین کے لئے اور اجارہ کے اندر کرائے کی تعیین کے لئے کوئی نہ کوئی معیار مقرر کرتے ہیں۔ جو چیز بطور معیار مقرر کی جاتی ہے اسے (Bench mark) کہا جاتا ہے۔ عام طور پر بینکوں کے باہمی شرح سود کو بطور Bench mark استعمال کیا جاتا ہے۔

بینکوں کی باہمی شرح سود کا پس منظر یہ ہے کہ عام طور پر مختلف بینک ایک جیسے حالات میں نہیں چل رہے ہوتے۔ بعض بینک ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس ضرورت سے زائد نقد رقم ہوتی ہے اور کچھ بینکوں کے پاس قرضہ دینے کے لئے رقم کم ہوتی ہے۔ اس طرح بینکوں کی باہمی مارکیٹ وجود میں آتی ہے۔ قرض دینے والے بینک کسی دوسرے بینک کو مخصوص مدت کے لئے قرضہ دینے پر جو شرح سود عائد کرتے ہیں اسے (Inter-Bank offered rate) کہا جاتا ہے یعنی بینکوں کے باہمی معاملات میں پیش کیا گیا شرح سود۔ اس کا مخفف (IBOR) ہے۔ مختلف ملکوں اور شہروں کے بینکوں کی باہمی شرح سود کے نام مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً سعودی عرب کے بینکوں کی باہمی شرح سود کا نام سائبور (SIBOR) یعنی (SAUDIA INTER - BANK OFFERED RATE)، لندن کے بینکوں کی باہمی شرح سود لائبور (LIBOR) یعنی (LONDN INTER - BANK OFFERED RATE) کہلاتی ہے۔ اور کراچی کے بینک جس شرح سود پر تبادلہ کرتے ہیں، اسے کابور (KIBOR) یعنی (KARACHI INTER - BANK OFFERED RATE) کہا جاتا ہے۔

مرابحہ کے ذریعے تمویل کرنے والے بہت سے ادارے اپنے نفع کا تعیین کسی

(Bench mark) کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ پاکستان میں عام طور پر اس فیصد کے لئے (Kibor) کو بطور معیار استعمال کیا جاتا ہے مثلاً اگر کابور چھ فیصد ہے تو بینک کا نفع بھی چھ فیصد ہوگا یا اس سے کچھ کم و بیش بھی مقرر کر لیا جاتا ہے جیسے کابور + 3 وغیرہ۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب بینک اور خریدار کے درمیان خرید و فروخت کا معاملہ عملی طور پر وجود میں آئیگا تو اس وقت کابور کی جو شرح ہوگی، اس کے علاوہ مزید تین فیصد کے حساب سے نفع مقرر کیا جائیگا۔ اسی طرح اجارہ کی تمویل میں بھی بہت سے ادارے اجارے پر دی گئی چیز (Leased Asset) کے کرائے کا تعین کسی (Bench mark) کی بنیاد پر کرتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کسی شرح سود کو Benchmark بنانے سے نیچی گئی چیز (Subject Matter) کی قیمت متعین ہو جاتی ہے یا نہیں؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شرح سود کو Benchmark بنانے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ جن میں سے ایک کے اندر قیمت متعین اور معلوم ہوتی ہے جبکہ دوسری صورت میں قیمت مبہم رہتی ہے۔

پہلی صورت یہ ہے کہ جس شرح سود کو بطور معیار (Benchmark) استعمال کیا جا رہا ہے، عقد کے وقت اس کی شرح معلوم کر کے اس کے حساب سے نفع کا مدار رکھا جائے مثلاً دس ستمبر کو بینک اور گاہک دس من کپاس (Cotton) کی خرید و فروخت کا معاملہ کرتے ہیں تو بینک اگر کسی شرح سود مثلاً کابور کی بنیاد پر نفع لینا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اسی روز یعنی دس ستمبر کو کابور کی شرح معلوم کر کے اس کے حساب سے قیمت متعین کرے مثلاً بینک نے یہ کپاس پانچ لاکھ میں خریدی اور دس ستمبر کو جب اس بیع کی تو اس روز کابور کی شرح دس فیصد (10%) تھی تو بینک قیمت خرید پر دس فیصد نفع رکھ کر خریدار کو ساڑھے پانچ لاکھ میں فروخت کر دے۔ اس صورت میں قیمت متعین اور معلوم ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بینک خریدار سے کہے کہ ہم نے یہ سامان جس کی قیمت پانچ لاکھ ہے آپ کو ابھی کابور کی شرح سود پر اس طرح فروخت کیا کہ جب آپ اس کی

قیمت کی ادائیگی کریں گے تو اس وقت کا بئور کی جو شرح ہوگی اتنے فی صد نفع رکھ کر ادائیگی کرنا ہوگی۔ یہ صورت جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں عقد کے وقت سامان کی قیمت فروخت مبہم ہے۔

المعايير الشرعية (Sharia Standard) میں ہے:-

يجب أن يكون ثمن السلعة في بيع المربحة للأمر بالشراء وربحها محددًا معلومًا عند التوقيع على عقد البيع لنفي الجهالة والغرر المفضيين إلى النزاع. ولا يجوز بأية حال أن يترك تحديد الثمن أو الربح لمتغيرات مجهولة أو قابلة للتحديد في المستقبل وذلك أن يجعل الربح على مستوى الليبور (LIBOR) الذي سيقع في المستقبل.^(۱)

ترجمہ:- مرابحہ للامر بالشراء میں بیع کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ سامان کی قیمت اور اس کا نفع متعین اور فریقین کو معلوم ہوتا کہ ایسی جہالت اور غرر کی خرابی لازم نہ آئے جو مفضی الی النزاع ہوتے ہیں۔ لہذا کسی حال میں بھی سامان کی قیمت یا اس کے نفع کی تعین کو مجہول یا مستقبل میں بدلنے والی شرح کے ساتھ منسلک نہ کیا جائے مثلاً اس طرح بیع کی جائے کہ اس میں بیع کا نفع لائبور کی اس شرح پر مبنی ہوگا جو مستقبل میں واقع ہوگی۔

لیکن اگر فوری عقد نہ کیا جائے بلکہ بینک خریدار سے یہ وعدہ کرے کہ وہ جب بینک کے پاس کوئی چیز خریدنے آئیگا تو بینک اس وقت لائبور کی شرح کے حساب سے نفع مقرر کرے کہ وہ چیز فروخت کرے گا اور جب عملی طور پر معاملہ کا وقت آئے تو اس وقت لائبور کی شرح معلوم کر کے لم سم نفع طے کر کے سامان فروخت کیا جائے تو یہ صورت جائز ہے کیونکہ اس میں پہلی صورت کی طرح جہالت باقی نہیں رہتی۔ البتہ اس میں عقد سے پہلے

وعدہ کرنے کا ذکر ہے لیکن چونکہ وعدہ بیع کے حکم میں نہیں اس لئے محض وعدہ کے وقت پائے جانے والی جہالت سے عقد فاسد نہ ہوگا۔

مروجہ شرح سود کو نفع کے لئے معیار مقرر کرنے کی جس صورت میں ثمن میں جہالت باقی رہتی ہے ظاہر ہے کہ وہ صورت ناجائز ہے کیونکہ اس میں ثمن میں جہالت کے اعتبار سے غرر کی خرابی پائی جاتی ہے لیکن جس صورت میں جہالت ختم ہو جاتی ہے اس کے شرعی حکم کے بارے میں علماء معاصرین کے درمیان اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ چونکہ اس میں نفع شرح سود کی بنیاد پر مقرر کیا گیا ہے، اس لئے یہ عقد (Contract) ناجائز ہونا چاہئے۔ لیکن جمہور معاصرین کی رائے یہ ہے کہ چونکہ اب ثمن میں جہالت باقی نہیں رہی اس لئے یہ صورت فی نفسہ جائز ہے تاہم چونکہ اس میں نفع کے تعین کے لئے سود کی شرح کو کسی درجے میں استعمال کیا گیا ہے جس سے یہ معاملہ ظاہری طور پر سودی قرضے کے مشابہ بن جاتا ہے اس لئے اس سے بچنا بہتر ہے۔

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:-

No doubt, the use of the rate of interest for determining a halal profit can not be considered desirable. It certainly makes the transaction resemble an interest-based financing, at least in appearance, and keeping in view the severity of prohibition of interest, even this apparent resemblance should be avoided as far as possible. But one should not ignore the fact that the most important requirement for validity of Murabahah is that it is a genuine sale with all its ingredients and necessary consequences. If a Murabahah transaction fulfils all the conditions enumerated in this chapter, merely using the interest rate as a benchmark for determining the profit of murabahah does not render the transaction as invalid, haram or prohibited, because the deal itself does not contain interest. The rate of interest has been

used only as an indicator or as a benchmark. In order to explain the point. Let me give an example. A and B are two brothers. A trades in liquor which is totally prohibited in Shari'ah. B being practicing Muslim dislike the business of A and start the business of softdrinks, but he wants his business to earn as much profit as A earns through trading in liquor, therefore he resolve that he will charge the same rate of profit from his customers as A charges over the sale of liquor. Thus he has tied up his rate of profit with the rate used by a in his prohibited business. One may question the propriety of his approach in determining the rate of his profit, but obviously no one can say that the profit charged by him in his rate of profit of the business of liquor as a benchmark. Similary, so far as the transaction of murabahah is based on Islamic principles and fulfils all its necessary requirements, the rate of profit determined on the basis of the rate of interest will not render the transaction as haram.⁽¹⁾

ترجمہ:- اس میں کوئی شک نہیں کہ حلال نفع کے تعین کے لئے سود کی شرح کا استعمال پسندیدہ نہیں اور اس سے یہ معاملہ کم از کم ظاہری طور پر سودی قرضے کے مشابہ بن جاتا ہے اور سود کی شدید حرمت کے پیش نظر اس ظاہری مشابہت سے بھی جہاں تک ہو سکے، بچنا چاہئے لیکن اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ مرابحہ کے صحیح ہونے کے لئے سب سے اہم تقاضا یہ ہے کہ وہ ایک حقیقی بیع ہو، جس میں بیع کے تمام لوازمات اور نتائج مکمل طور پر پائے جائیں۔ اگر کسی مرابحہ میں وہ تمام شرائط موجود ہیں جو پہلے ذکر کی گئی ہے تو محض نفع کے تعین

(1) An introduction to Islamic Finance, Usmani, (Muhammad Taqi Usmani), Karachi, Idaratul Ma'arif, Edition May, 2000. Page 118, 119.

کے لئے شرح سود کو بطور حوالہ استعمال کرنے سے یہ عقد فاسد نہیں ہوگا اس لئے کے یہ معاملہ سود پر مشتمل نہیں بلکہ شرح سود کو صرف حوالے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

یہ بات ایک مثال سے یوں سمجھی جاسکتی ہے: ”الف“ اور ”ب“ دو بھائی ہیں، ”الف“ شراب کا کاروبار کرتا ہے جو کہ بالکل حرام ہے اور ”ب“ چونکہ ایک باعمل مسلمان ہے اس لئے وہ اس کاروبار کو ناپسند کرتا ہے چنانچہ وہ غیر نشہ آور مشروبات کا کاروبار شروع کرتا ہے لیکن وہ چاہتا ہے کہ اسے اس کاروبار میں اتنا ہی نفع ہو جتنا کہ اس کا بھائی شراب کے کاروبار سے کماتا ہے اس لئے وہ یہ طے کرتا ہے کہ وہ اپنے گاہکوں سے اس نسبت سے نفع لے گا جس نسبت سے ”الف“ شراب پر لیتا ہے، یہاں پر کوئی شخص اس کے اس عمل کے پسندیدہ یا ناپسندیدہ ہونے کا سوال تو کر سکتا ہے لیکن کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس جائز کاروبار سے حاصل کیا ہوا منافع بھی حرام ہے اس لئے کہ اس نے نفع کو صرف حوالے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اسی طرح اگر مراجعہ اسلامی اصولوں پر مبنی ہے اور اس کی ضروری شرائط کو پورا کر لیا جاتا ہے تو شرح منافع کو مروجہ شرح سود کے حوالے سے طے کرنے سے یہ معاہدہ ناجائز نہیں ہوگا۔

متبادل معیار (Alternative Benchmark)

البتہ یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ کسی بھی مروجہ شرح سود کو بطور معیار استعمال کرنا پسندیدہ نہیں، اس لئے اسلامی بینکوں اور مالیاتی اداروں کو چاہیے کہ وہ اپنے اسلامی معیار کو تشکیل دیں جس کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اپنی انٹر بینک مارکیٹ تشکیل دیں جو اسلامی اصولوں پر مبنی ہو، اس مقصد کے حصول کے لئے ایک مشترکہ شعبہ قائم کیا جاسکتا ہے

جو کہ حقیقی اثاثوں پر مبنی قابل تبادلہ دستاویزات میں سرمایہ کاری کریں جیسے مشارکہ اور اجارہ وغیرہ۔ اگر اس شعبے کے اثاثے حسی اور مادی شکل میں ہوں جیسے کرایہ پردی گئی جائیداد، ساز و سامان اور کاروباری اداروں کے حصص وغیرہ تو اس شعبے کے یونٹس کی خرید و فروخت ان کے اثاثوں کی صافی مالیت (Net Asset Value) کی بنیاد پر ہو سکتی ہے جس کا تعین وقفے وقفے سے کیا جاسکتا ہے۔ یہ یونٹ قابل تبادلہ ہوں گے اور انہیں فوری اور وقتی تحویل کے لئے بھی استعمال کیا جاسکے گا۔ اب جن بینکوں کے پاس ضرورت سے زائد سیال سرمایہ (Liquidity) موجود ہوگا تو وہ ان یونٹس کو خرید سکیں گے اور جب انہیں سیال مادے کی دوبارہ ضرورت ہوگی تو اسے فروخت کر سکیں گے۔ اس طریقہ کار سے ایک انٹر بینک مارکیٹ وجود میں آ جائے گی اور یونٹس کی مروجہ قیمت کو مراحہ میں نفع کے تعین کے لئے استعمال کیا جاسکے گا۔

باب پنجم مبیع کے غیر مقدور التسلیم ہونے کے اعتبار سے غرر

اس فصل میں غرر کی ان صورتوں سے بحث کی جائیگی جو مبیع خریدار کو سپرد کرنے کی حالت میں پائی جاتی ہیں۔ البتہ سب سے پہلے اس بات پر بحث کرنا ضروری ہے کہ کیا شرعاً بیع کے اندر مبیع سپرد کرنے کی قدرت ہونا ضروری ہے یا نہیں تاکہ مختلف مذاہب کی روشنی میں اس باب سے متعلق غرر کی صورتوں پر سیر حاصل بحث کی جاسکے۔

کیا بیع میں مبیع سپرد کرنے کی قدرت ہونا شرط ہے؟

جمہور فقہاء کا مذہب

جمہور فقہاء اور ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیع کے صحیح ہونے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ فروخت کنندہ بیچنے والی چیز سپرد کرنے پر قادر ہو لہذا بائع اگر مبیع خریدار کے حوالے کرنے پر قادر نہیں تو اس کی خرید و فروخت جائز نہیں۔

چنانچہ علامہ مرغینانیؒ فرماتے ہیں:-

(ولا بیع الطیر فی الهواء) لآئنه غیر مملوک قبل الأخذ
وکذا لو أرسله من یدہ لآئنه غیر مقدور التسلیم۔^(۱)

ترجمہ:- (اور ہوا میں موجود پرندے کی بیع جائز نہیں) کیونکہ بیچنے والا پکڑنے سے پہلے اس کا مالک نہیں اور اگر وہ مالک ہے لیکن اسے ہوا میں اڑا دیا تو بھی اسکی بیع جائز نہیں کیونکہ اب بیچنے والا اسے سپرد

(۱) الهدایۃ مع فتح القدیر والعنایۃ، المرغینانی، (برہان الدین ابو الحسن علی بن ابوبکر المرغینانی) کراتشی، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیۃ، الطبعة الأولى ۱۴۱۷ھ (۵۰/۶)۔

کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

علامہ باجی رحمہ اللہ علیہ مضامین^(۱) اور ملاحظہ^(۲) کی بیع کے ناجائز ہونے کو ذکر کرنے کے بعد اس کی عقلی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ووجه من جهة المعنى ما احتج به من أنه مجهول الصفة
متعذر التسليم وأحد من هذه الأمور من يفسد به العقد.^(۳)
ترجمہ:- اور اس کے ناجائز ہونے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اس بیع کی
صفت معلوم نہیں نیز اسے خریدار کے سپرد کرنا متعذر ہے اور ان دونوں
وجوہات میں سے ہر ایک وجہ ایسی ہے کہ اس سے عقد فاسد ہو جاتا ہے۔
علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:

وشروط المبيع خمسة أن يكون طاهرًا منتفعًا به معلومًا
مقدورًا على تسليمه مملوكًا لمن يقع العقد له.^(۴)
ترجمہ:- بیع کے اندر پانچ شرطوں کا ہونا ضروری ہے، وہ چیز پاک ہو،
اس سے نفع حاصل کیا جاسکتا ہو، معلوم ہو، بیچنے والے شخص کی ملکیت
میں ہو اور وہ اسے سپرد کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔
علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:-

إن بيع العبد الأبق لا يصح سواء علم مكانه أو جهله،
وكذلك ما في معناه من الجمل الشارد والفرس العائر
وشبههما. وبهذا قال مالك والشافعي وأبو ثور وابن
المنذر وأصحاب الرأي..... ولنا ما روى أبو هريرة قال:

(۱) نرجانور کا مادہ منویہ۔

(۲) مادہ جانور کا مادہ منویہ۔

(۳) المنتقى شرح الموطأ، الباجی (القاضی أبو الولید سلیمان بن خلف بن سعد بن ایوب بن وارث الباجی ۳۰۳ھ - ۳۹۳ھ) مصر، مطبعة السعادة (۳۲/۵)۔

(۴) المجموع شرح المذهب (۱۳۹/۹)۔

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الحصة وعن
بیع الغرر، رواہ مسلم۔ وهذا بیع غرر ولأنه غیر مقدور علی
تسلیمہ فلم یجز بیعہ کالطیر فی الهواء فإن حصل فی ید
إنسان جاز بیعہ لإمكان تسلیمہ۔^(۱)

ترجمہ:- بھگوڑے غلام کی بیع کرنا صحیح نہیں خواہ اس کی جگہ معلوم ہو یا
نہ ہو، اور اس جیسی دیگر صورتوں میں خرید و فروخت جائز نہیں جیسے
سرکش بھاگے ہوئے اونٹ کی بیع، غائب شدہ گھوڑے کی بیع وغیرہ۔
یہی مذہب امام مالک، امام شافعی، ابو ثور، ابن منذر اور اصحاب
الرأے (حنفیہ) کا ہے..... ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے بیع الحصة اور بیع الغرر سے منع فرمایا اور اس بیع میں غرر
پایا جاتا ہے کیونکہ فروخت کنندہ اس چیز کو سپرد کرنے پر قادر نہیں لہذا یہ
بیع جائز نہیں جیسے ہوا میں موجود پرندے کی بیع جائز نہیں۔ ہاں اگر وہ
انسان کے قبضے میں آجائے تو اس کی بیع جائز ہے کیونکہ اب اسے سپرد
کیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی لکھتے ہیں:-

إن المذاهب الأربعة متفقة على بطلان بيع ما لا يقدر على
تسلیمہ۔^(۲)

ترجمہ:- چاروں مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ غیر مقدور لتسلیم کی
بیع جائز نہیں۔

(۱) المغنی لابن قدامة (۲/۲۸۹)۔

(۲) الفقہ الاسلامی وأدلته، الزحیلی (الدكتور وهبة الزحيلي) بیروت، دار الفکر، الطبعة الأولى

۱۴۰۴ھ-۱۹۸۴م (۳/۳۳۱)۔

علامہ ابن حزم کا مذہب

ائمہ اربعہ کے بیان کردہ مذہب کے بعد اگرچہ کسی اور رائے کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں نیز انکی متفقہ رائے کے بعد کسی کا تفرد معتبر بھی نہیں تاہم مسئلے کے ہر پہلو کی وضاحت کے پیش نظر ان کے برعکس رائے کو بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ بیع کے صحیح ہونے کے لئے بیع سپرد کرنے کی قدرت ہونا شرط نہیں، بلکہ صرف اس چیز کا مالک ہونا کافی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

وبیع العبد الآبق عرف مكانه أو لم يعرف جائز وكذلك
بيع الجمل الشارد عرف مكانه أو لم يعرف وكذلك
الشارد من سائر الحيوان ومن الطير المتفلت وإلا فلا
يحل بيعه. (۱)

ترجمہ:- بھگوڑے غلام کی بیع جائز ہے خواہ اس کی جگہ معلوم ہو یا نہ ہو، اسی طرح سرکش بھاگے ہوئے اونٹ کی بیع جائز ہے خواہ اس کی جگہ معلوم ہو یا نہ ہو اور یہی حکم بھاگے ہوئے دوسرے جانوروں اور اڑتے ہوئے پرندوں وغیرہ کا ہے بشرطیکہ ان چیزوں کو بیچنے سے پہلے وہ ان کا مالک بن چکا ہو اور اگر وہ ان کا مالک ہی نہیں تو پھر ان کا فروخت کرنا جائز نہیں۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کے دلائل

امام ابن حزم کے دلائل درج ذیل ہیں۔

۱۔ قرآن و سنت اور دوسری کسی شرعی دلیل سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بیع کے صحیح ہونے کے لئے بیع کو سپرد کرنے کی قدرت ہونا شرط ہے بلکہ صرف اتنی بات ضروری ہے کہ

(۱) المحلی، ابن حزم (أبو محمد علی بن أحمد بن سعید بن حزم المتوفی ۴۰۶ھ) مصر، إدارة الطباعة المنيرية (۳۸۸/۸)۔

بائع خریدار اور بیچی جانے والی چیز کے درمیان حائل نہ ہو، لہذا اگر بائع درمیان میں حائل نہیں ہوتا تو پھر اس بیع کو ناجائز کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

إِنَّ التَّسْلِيمَ لَا يُلْزِمُهُ وَلَا يُوْجِبُهُ قُرْآنٌ وَلَا سُنَّةٌ وَلَا دَلِيلٌ أَصْلًا
وَأَمَّا لِأَزْمِ أَنْ لَا يَحُولَ الْبَائِعُ بَيْنَ الْمُشْتَرِي وَبَيْنَ مَا اشْتَرَى
مِنْهُ فَقَطْ فَيَكُونُ إِنْ فَعَلَ ذَلِكَ عَاصِيًا ظَالِمًا^(۱)

ترجمہ:- بیع کو سپرد کرنے کا لزوم اور وجوب قرآن سے ثابت ہوتا ہے، نہ سنت سے اور نہ کسی اور دلیل سے بلکہ صرف اتنی بات لازم ہے کہ بائع خریدار اور بیع کے درمیان حائل نہ ہو، اگر وہ حائل ہوگا تو گنہگار اور ظالم ہوگا۔

۲- اس بیع کو جائز قرار دینے میں غرر کی خرابی بھی لازم نہیں آتی اس لئے کہ بائع اپنی مملوکہ چیز فروخت کر رہا ہے اور اس کی صفت اور مقدار اسے معلوم ہے اور خریدار اس کے خریدنے کی وجہ سے اس کا مالک بن رہا ہے تو اس میں عدم جواز کی کیا بات ہے، ہاں اگر خریدار کو وہ چیز مل گئی اور اس نے اسے پالیا تو اسی کی ہوگی لیکن اگر اسے نہ مل سکی تو اس کے بدلے میں اسے اجر و ثواب ملے گا۔ گویا پھر بھی وہ نفع میں رہا۔ اگر اسے غرر قرار دیا جائے تو پھر ہر قسم کے جانور کی بیع ناجائز ہونی چاہئے کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ یہ جانور خریدنے کے تھوڑی دیر بعد زندہ رہے گا یا مر جائے گا، صحیح سالم رہے گا یا بیمار ہو جائے گا اور اگر بیمار ہوگا تو تھوڑا سا بیمار ہوگا یا اتنا زیادہ بیمار ہوگا کہ وہ مکمل طور پر یا اس کا غالب حصہ ناقابل انتفاع ہوگا۔^(۲)

(۱) المحلی (۸/۳۸۹)۔

(۲) المحلی بحوالہ بالا: لیس هذا غررًا لأنّه بيع شيء قد صح ملك بانه عليه وهو معلوم الصفة والقدر فعلى ذلك يباع ويملكه المشتري ملكًا صحيحًا فإن وجدته فذلك وإن لم يجده فقد استعاض الأجر الذي هو خير من الدنيا وما فيها وربحت صفقته... ولو كان هذا غررًا لكان بيع الحيوان كله حاضره وغانبه غررًا لا يحل ولا يجوز لأنّه لا يدري مشتريه أيعيش ساعة بعد ابتاعه أم يموت ولا يدري أيسلم أم يسقم سقمًا قليلًا يحيله أو سقمًا كثيرًا يفسده أو أكثره؟

جمہور فقہائے کرام کے دلائل

اس مسئلے میں ائمہ اربعہ اور جمہور فقہائے کرام کے دلائل درج ذیل ہیں:-

۱- وہ احادیث جن میں بھگوڑے غلام کی بیع اور پانی میں موجود مچھلی کی بیع وغیرہ سے منع کیا گیا ہے، ان کی ممانعت کی علت یہی ہے کہ ان صورتوں میں بائع بیع کو خریدار کے سپرد کرنے پر قدرت نہیں رکھتا اس لئے کہ یہ بات تو واضح ہے کہ بائع ان چیزوں کا مالک ہے لیکن پھر بھی ان کی بیع کو ناجائز کہنے کی اس کے علاوہ اور کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ یہ اشیاء ”غیر مقدور التسلیم“ ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر صدیق الضریح لکھتے ہیں:-

الأحادیث التي تنهى عن بيع الآبق، وبيع السمك في الماء

(۱)

فإن بيعها إنما منع لعدم القدرة على التسليم.

وہ احادیث جن میں بھگوڑے غلام اور پانی کے اندر مچھلی کی بیع سے منع کیا گیا ہے، ان میں ممانعت کی وجہ بیع کو سپرد کرنے کی قدرت کا نہ ہونا ہے۔

۲- وہ احادیث جن میں غرر کی ممانعت مذکور ہے، وہ ان صورتوں کو بھی شامل ہیں جن میں بیع غیر مقدور التسلیم ہو اس لئے کہ جب بائع کو بیچ جانے والی چیز کے سپرد کرنے پر قدرت نہیں تو اس عقد کا انجام نامعلوم اور غیر یقینی ہو گیا۔ اب کچھ معلوم نہیں کہ خریدار اس کو حاصل کر سکے گا یا نہیں۔ اور اسی غیر یقینی کیفیت کا نام غرر ہے۔

۳- کسی چیز کو خریدنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خریدار اسے اپنی ضرورت کے لئے استعمال کرے۔ جب بائع مطلوبہ چیز اسے سپرد کرنے پر قادر نہیں تو خریدار کے پاس اس کا آنا کیسے ممکن ہوگا۔ اور جب خریدار کو مطلوبہ چیز نہیں ملے گی تو اس کا مطلوبہ چیز خرید کرنے کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

(۱) الغرر وأثره في العقود ص: ۳۱۷.

(۲) المجموع شرح المہذب (۲۸۳/۹) ولا يجوز بيع ما لا يقدر على تسليمه كالطير في الهواء أو السمك في الماء والجمل الشارد والفرس العائر والعبد الآبق والمال المغصوب في يد الغاصب لحديث أبي هريرة أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى بيع الغرر وهذا غرر ولهذا قال ابن مسعود لا تشتروا السمك في الماء فإنه غرر.

(۳) بحوالہ بالا: ولأن القصد بالبيع هو التصرف وذلك لا يمكن فيما لا يقدر على تسليمه.

غیر مقدور التسليم بیع کی چند مثالیں

اگرچہ غیر مقدور التسليم اشیاء کی خرید و فروخت کی متعدد صورتیں ہیں جیسے بھگوڑے غلام کی بیع، ہوا میں موجود پرندے کی بیع، پانی میں موجود مچھلی کی بیع وغیرہ لیکن ذیل میں ہم چند معروف اور مروجہ صورتوں پر قدرے تفصیلی بحث کریں گے۔ چنانچہ ذیل میں چند صورتیں اور مختلف مذاہب کی روشنی میں ان کا حکم ذکر کیا جاتا ہے۔ چونکہ ائمہ اربعہ کے نزدیک غیر مقدور التسليم اشیاء کی خرید و فروخت ناجائز ہے، اس لئے آئندہ آنے والی صورتوں کا اصل حکم ائمہ اربعہ کے نزدیک عدم جواز کا ہے البتہ انہیں میں سے بعض وہ صورتیں جائز ہیں جن کے اندر مذکورہ علت موجود نہیں۔ لہذا ذیل میں جائز اور ناجائز دونوں صورتوں کو بیان کیا جائے گا۔

پانی میں موجود مچھلی بیچنے کی صورتیں اور ان کا حکم

قرآن حکیم میں پانی کے اندر موجود مچھلی کی خرید و فروخت کے متعلق کوئی صریح حکم موجود نہیں البتہ احادیث کے اندر اس کی ممانعت وارد ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:-

(۱) لَا تَشْتَرُوا السَّمَكَ فِي الْمَاءِ فَإِنَّهُ غَرَرٌ.

ترجمہ:- پانی میں موجود مچھلی کو نہ خریدو کیونکہ یہ غرر ہے۔

صحابہ کرام میں سے عمر بن الخطابؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے یہی ہے کہ پانی میں موجود مچھلی کی بیع جائز نہیں^(۲)۔ البتہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اس کے جواز کے قائل

(۱) فی نیل الأوطار للشوکانی (۵/۱۲۶): حدیث ابن مسعود فی إسناد بزید بن أبی زیاد عن المسیب بن رافع عن ابن مسعود. قال البیهقی فیہ إرسال بین المسیب وعبد اللہ والصحیح وقفہ وقال الدارقطنی فی العلل اختلف فیہ والموقوف أصح وكذلك قال الخطیب وابن الجوزی وقد روی أبو بکر بن أبی عاصم عن عمران بن حصین حدیثا مرفوعا وفیہ النهی عن بیع السمک فی الماء فهو شاهد هذا.

..... أيضا السنن الكبرى مع الجوهر النقی، البیهقی (أبو بکر أحمد بن الحسن بن علی البیهقی المتوفی ۳۵۸ھ) ملتان، نشر السنة (۵/۳۳۰).

(۲) بحوالہ بالا.

تھے۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:-

عبد الحمید بن عبد الرحمن کتب الی عمر بن عبد العزیز
 لیسأله عن بيع صيد الآجام فكتب اليه عمر: أن لا بأس به.^(۱)
 ترجمہ:- عبد الحمید بن عبد الرحمن نے عمر بن عبد العزیز کی طرف خط لکھ
 کر دریافت کیا کہ کیا پانی میں موجود شکار (مچھلی) کی بیع جائز ہے۔ عمر
 بن عبد العزیز نے جواب میں لکھا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

ائمہ اربعہ اور جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اس کی بیع ناجائز ہے البتہ اگر دو
 شرطیں پائی جائیں تو اس کی خرید و فروخت کی اجازت ہے۔

۱- مچھلیاں بائع کی ملکیت میں ہوں۔

۲- بائع انہیں خریدار کے حوالے کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔

البتہ ان شرائط کی روشنی میں بیان کردہ صورتوں میں کچھ نہ کچھ فرق ہے۔ اس کی

تفصیل درج ذیل ہے۔

حنفیہ

حنفیہ کے ہاں سمندر اور نہر میں موجود مچھلیوں کی خرید و فروخت جائز نہیں البتہ
 مملوکہ تالاب میں موجود مچھلیوں کی خرید و فروخت میں حنفیہ کے ہاں پہلی شرط کے اعتبار سے
 کل تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ مچھلیاں پکڑ کر یا خرید کر تالاب میں چھوڑی جائیں، اس
 صورت میں وہ مچھلی اور اسکی نسل چھوڑنے والے کی ملکیت ہو جاتی ہے کسی دوسرے کے لئے
 اس کی اجازت کے بغیر پکڑنا جائز نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مچھلیاں پکڑ کر یا خرید کر نہیں چھوڑیں لیکن انہیں تالاب

(۱) کتاب الخراج، ابو یوسف (قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم المتوفی ۱۸۲ھ) بیروت،

دار المعرفة ص: ۸۷۔

انظر أيضا كتاب الأصل المعروف بالمسوط (۵/۹۳)۔

میں لانے کے لئے کوئی خاص تدبیر کی مثلاً تالاب کے قریب نہر گزر رہی تھی وہاں سے چھوٹا سا راستہ تالاب کی طرف بنا دیا جس سے نہر کی مچھلیاں تالاب کی طرف آگئیں یا خود بخود تالاب میں آ جانے کے بعد ان کے روک لینے کی کوئی تدبیر کی مثلاً جس راستے سے مچھلیاں تالاب میں داخل ہوئی تھیں، اسے بند کر دیا تو اس صورت میں بھی وہ ان مچھلیوں کا مالک بن گیا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ مچھلیاں قدرتی طور پیدا ہو گئیں یا خود بخود آگئیں اس نے انہیں جمع کرنے کا کوئی اہتمام کیا، نہ روکنے کا کوئی انتظام کیا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک وہ ان مچھلیوں کو پکڑ نہیں لیگا، اس وقت وہ ان کا مالک نہیں ہوگا۔

دوسری شرط کے اعتبار سے درج ذیل صورتیں ہیں:-

جن صورتوں میں مچھلی ملکیت میں نہیں آئیں، ان صورتوں میں ان کو عملی طور پر پکڑنے کے بغیر ان کی خرید و فروخت جائز نہیں اور جن صورتوں میں ملکیت میں داخل ہو گئیں، اس کی دو صورتیں ہیں:-

- ۱- اگر ان کے پکڑنے کے لئے کچھ حیلہ و تدبیر کی ضرورت ہے مثلاً جال لگا کر پکڑنا پڑتی ہیں تو ان کی بیع جائز نہیں کیونکہ بائع انہیں خریدار کے سپرد کرنے پر قادر نہیں۔
- ۲- اگر کچھ حیلہ و تدبیر کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ کسی تدبیر کے بغیر انہیں پکڑنا آسان ہے مثلاً کسی چھوٹے گڑھے یا برتن میں ہوں کہ ہاتھ ڈال کر انہیں پکڑا جاسکے تو پھر ان کی بیع جائز ہے۔

یہ تمام صورتیں علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں ذکر فرمائی ہیں۔ ذیل میں متعلقہ عبارت اور اس کا ترجمہ ذکر کیا جاتا ہے:-

بیع السمک فی البحر أو النهر لا يجوز، فإن كانت له حظيرة فدخلها السمک فأما أن یکون أعدها لذلك أو لا فإن کان أعدها لذلك فما دخلها ملکہ وليس لأحد أن يأخذه ثم إن کان يؤخذ بغیر حيلة اصطیاد جاز بیعه لأنه

مملوک مقدور التسليم مثل السمكة في جب وإن لم يؤخذ
إلا بحيلة لا يجوز لعدم القدرة على التسليم عقيب البيع وإن
لم يكن أعدها لذلك لا يملك ما يدخل فيها فلا يجوز
بيعه لعدم الملك إلا أن يسد الخطيرة إذا دخل فحينئذ
يملكه ثم ينظر إن كان يؤخذ جاز بيعه لأنه مملوك مقدور
التسليم أو بحيلة لم يجر لأنه وإن كان مملوكا فليس
مقدور التسليم.^(۱)

شافعیہ

شافعیہ کے ہاں حکم یہ ہے کہ اگر مچھلیاں کسی ایسے حوض میں ہیں کہ وہاں سے نکل
نہیں سکتیں اور ان کو کسی محنت اور تدبیر کے بغیر نکالا جاسکتا ہے جیسے مثلاً چھوٹے سے حوض
میں ہوں تو ان کی بیع جائز ہے بشرطیکہ وہ حوض بائع کی ملکیت ہو۔ اور اگر انہیں نکالنے میں
مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے تو پھر حوض میں ہوتے ہوئے ان کی بیع جائز نہیں۔ چنانچہ
علامہ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

ولا يجوز بيع الطير في الهواء ولا السمك في الماء
المملوكين فلو باع السمك المملوك له وهو في
بركة لا يمكنه الخروج منها أو طير في برج مغلق فإن أمكن
أخذه بلا تعب بركة صغيرة وبرج صغير جاز بيعه بلا
خلاف وإن لم يمكن أخذه إلا بتعب فوجهان مشهوران في
كتب الخراسانيين أصحابهما وبه قطع المصنف وآخرون.^(۲)
ترجمہ:- ہوا میں موجود مملوک پرندے اور پانی میں موجود مملوک مچھلی کو
فروخت کیا جبکہ وہ ایسے حوض میں تھی کہ اسکا نکلنا ممکن نہ تھا یا پرندے

(۱) فتح القدیر مع الہدایۃ والعایۃ (۶/۴۹)۔

(۲) المجموع شرح المہذب (۹/۲۸۳)۔

کو فروخت کیا جبکہ وہ بند برج میں تھا تو اگر اسے مشقت کے بغیر پکڑنا ممکن ہو جیسے چھوٹا سا حوض ہو یا چھوٹا سا برج ہو تو بالا اتفاق اسکی بیع جائز ہے اور اگر مشقت کے بغیر اسکا پکڑنا ممکن نہ ہو تو اس میں دو قول ہیں، رائج قول یہ ہے کہ اس کی بیع جائز نہیں، اسی کو مہذب کے مصنف اور دیگر فقہاء نے اختیار کیا ہے۔

حنابلہ

حنابلہ کے ہاں پانی میں موجود مچھلی کی بیع کے جواز کے لئے تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ مچھلی مملوک ہو۔

۲۔ پانی رقیق اور صاف ہو کہ جس کی وجہ سے مچھلیوں کا مشاہدہ آسانی ہو سکے۔

۳۔ اس کا شکار کرنا اور اسے پکڑنا ممکن ہو۔

اگر یہ تینوں شرائط پائی جائیں تو پھر مچھلی کی خرید و فروخت جائز ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو پھر انکی بیع جائز نہیں۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

لا يجوز بيعه في الماء إلا أن يجتمع ثلاثة شروط. أحدها، أن يكون مملوكًا. الثاني أن يكون الماء رقيقًا لا يمنع مشاهدته ومعرفته. الثالث، أن يمكن اصطياده وإمساكه. فإن اجتمعت هذه الشروط جاز بيعه لأنه مملوك معلوم مقدور على تسليمه فجاز بيعه كالموضوع في الطست وإن احتل شرط مما ذكر لم يجز بيعه.^(۱)

ترجمہ:- پانی کے اندر موجود مچھلی کی بیع تین شرطوں کے ساتھ جائز

ہے۔ مملوک ہو، پانی اتنا رقیق ہو کہ مچھلی کے مشاہدے اور پہنچانے سے مانع نہ ہو، اس کا شکار کرنا اور پکڑنا ممکن ہو۔ اگر یہ تینوں شرطیں پائی جائیں تو پھر مچھلیوں کی خرید و فروخت جائز ہے کیونکہ اس صورت میں وہ مملوک، معلوم اور مقدور^(۱) لتسلیم ہیں تو ان کی بیع جائز ہے جیسے طشت میں رکھی مچھلی کی بیع جائز ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو پھر یہ بیع جائز نہیں۔

ہوا میں موجود پرندے کی خرید و فروخت

ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کی بیع کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:-

- ۱- ہوا میں اڑنے والا پرندہ بیچنے والے کی ملکیت میں نہ ہو یعنی اس نے شکار کے ذریعے اسے پکڑا نہ ہو تو ایسے پرندے کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ یہ غیر مملوک کی بیع ہے۔
- ۲- ہوا میں اڑنے والا پرندہ بیچنے والے کی ملکیت میں ہو، اس کے حکم میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حنفیہ

حنفیہ کے ہاں بیع کی دوسری صورت بھی جائز نہیں کیونکہ یہ غیر مقدور لتسلیم کی بیع ہے۔ علامہ مرغینانی^(۲) فرماتے ہیں:-

ولا (يجوز) بيع الطير في الهواء لأنه غير مملوك قبل
الآخذ وكذا لو أرسله من يده لأنه غير مقدور التسليم.^(۱)

ترجمہ:- ہوا میں موجود پرندے کی بیع جائز نہیں کیونکہ پکڑنے سے پہلے تو وہ ملکیت میں نہیں آیا اور پکڑ کر ہوا میں چھوڑ دیا تو بھی اسکی بیع جائز نہیں کیونکہ یہ غیر مقدور لتسلیم ہے۔

البتہ علامہ قاضی خان، علامہ عبدالحی لکھنوی اور دیگر بہت سے فقہائے کرام

فرماتے ہیں کہ اگر پرندے کی عادت یہی ہے کہ اسے اڑایا جائے تو گھر آ جاتا ہے اور اسے بلا تکلف پکڑنا ممکن ہے تو اس کی بیع جائز ہے۔ چنانچہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے:-

وإن باع طيراً له يطير في الهواء إن كان ذا جناح يعود

إلى بيته ويقدر على أخذه من غير تكلف جاز بيعه وإلا فلا۔^(۱)

علامہ فتح محمد لکھنویؒ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:-

پالتو کبوتر جبکہ معمولی طور پر اڑا دیئے جائیں تو مثل مقبوض کے ہیں اس

لئے کہ ثابت بالعادة متیقن ہے۔^(۲)

علامہ ابن عابدینؒ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔^(۳)

شافعیہ

شافعیہ کے ہاں شہد کی مکھی کے علاوہ دیگر پرندوں کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ہوا میں ہوتے ہوئے ان کی خرید و فروخت جائز نہیں، اگرچہ پرندے کی عادت واپس گھر آنے کی ہو۔ ان کا کہنا ہے کہ پرندہ عقل نہیں رکھتا اس لئے ہو سکتا ہے کہ گھر واپس آنے کی عادت کے باوجود واپس نہ آئے، اس لئے اس میں غرر کا پہلو موجود ہے البتہ شہد کی مکھی کے بارے میں ان کا مذہب یہ ہے کہ اگر مکھی کی ملکہ خلیہ کے اندر ہو تو پھر اس کی بیع جائز ہے اور اگر خلیہ سے باہر ہو تو بیع جائز نہیں کیونکہ جب ماں خلیہ کے اندر ہوتی ہے تو مکھی کا واپس آنا یقینی ہوتا ہے لہذا یہ غیر مقدور التسلیم کی بیع نہ رہی۔

(۱) فتاویٰ قاضیخان بہامش الفتاویٰ الہندیۃ، القرغانی (فخر الدین حسن بن منصور الأوزجندی القرغانی المتوفی ۲۹۵ھ) کوئٹہ، المكتبة الرشیدیة (۱۵۲/۲)۔

..... حاشیۃ الہدایۃ، لکھنوی (العلامة عبدالحی اللکھنوی المتوفی ۱۳۰۳ھ) کراتشی، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیۃ، الطبعة الأولى ۱۳۱ھ (۹۶/۵)، ولو كان له وكر عنده يطير منه في الهواء ثم يعود إليه جاز لأنه يمكن أخذه من غير حيلة۔

..... انظر أيضاً تنویر الأبصار مع شرح الدر المختار (۶۱/۵)۔

(۲) عطر ہدایۃ، لکھنوی (علامہ فتح محمد لکھنوی)، دیوبند، مکتبۃ نشر القرآن ص: ۳۱۔

(۳) رد المحتار مع الدر المختار بحوالہ بالا۔

علامہ رملی فرماتے ہیں:-

(فلا يصح بيع الضال) كعبير ند و طير في الهواء وإن اعتاد
العود إلى محلّه لما فيه من الغرر ولأنّه لا يوثق به لعدم عقله
..... وهذا إن لم يكن نحلاً أو كان وأمه خارج الخلية فإن
كانت فيها صح كما بحثه بعض المتأخرين للوثوق
(۱)
بعوده.

حنابلہ:

حنابلہ کے ہاں ہوا میں موجود پرندے کی بیع کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے۔
علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:-

إذا باع طائراً لم يصح مملوكاً أو غير مملوك أما
المملوك فلأنّه غير مقدور عليه وغير المملوك لا يجوز
لعلتين: أنّه غير مملوك والأصل في هذا نهى النبي صلى
الله عليه وسلم عن بيع الغرر ولا فرق بين كون الطائر
يألف الرجوع أو لا يألفه لأنّه لا يقدر على تسليمه الآن وإنما
يقدر عليه إذا عاد. (۲)

ترجمہ:- اگر کسی شخص نے ہوا میں موجود پرندے کی بیع کی تو یہ بیع صحیح
نہیں خواہ وہ پرندہ اسکی ملکیت میں ہو یا نہ ہو، اگر ملکیت میں ہو تو اس
لئے ناجائز ہے کہ مقدور التسليم نہیں اور اگر ملکیت میں نہیں تو دو وجہ
سے ناجائز ہے، ایک یہ کہ غیر مقدور التسليم ہے، دوسرے یہ کہ وہ اس
کی ملکیت میں نہیں اور ممانعت کی اصل وجہ وہ حدیث ہے جس میں

(۱) نہایة المحتاج إلى شرح المنهاج للرملي (۳/۳۸۶). نیز ملاحظہ فرمائیے: المجموع شرح

المهذب للنووي (۹/۲۸۳).

(۲) المغنی لابن قدامة (۶/۲۹۰).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ”بیع الغرر“ سے منع فرمایا..... پرندہ خواہ واپس آنے کا عادی ہو یا نہ ہو، حکم کے اعتبار سے اس میں کوئی فرق نہیں کیونکہ بائع فی الحال اسے سپرد کرنے پر قادر نہیں، وہ اس وقت قادر ہوگا جب پرندہ لوٹ آئے گا۔

دین (قرض) کی بیع

غیر مقدور التسلیم اشیاء کی خرید و فروخت کی ایک صورت قرض کی بیع ہے جیسے عربی میں ”بیع الدین“ کہتے ہیں۔ اردو زبان میں ہر قسم کے قرضوں کے لئے ”قرض“ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جبکہ فقہی اعتبار سے ”قرض“ اور دین (بفتح الدال) میں فرق ہے۔ جب کوئی شخص ابتداء کسی پر احسان اور تبرع کرتے ہوئے اسے کوئی مثلی چیز دیتا ہے تو اسے قرض کہتے ہیں۔ مثلاً زید نے عمرو سے ہزار روپے مانگے تو عمرو نے اس کے مانگنے پر اسے مطلوبہ رقم دے دی، یہ قرض ہے، اور جو چیز کسی معاملے کے نتیجے میں یا کسی کی چیز کو نقصان پہنچانے یا ہلاک کرنے وغیرہ کے نتیجے میں لازم ہوتی ہے، اسے ”دین“ کہتے ہیں مثلاً زید نے عمرو سے ہزار روپے کے بدلے ایک من چاول خریدے اور قیمت فوراً ادا نہ کی تو زید ہزار روپے کا مقروض ہو گیا۔ یہ قرض ”دین“ ہے۔ اسی طرح پہلی مثال میں عمرو نے زید کو جو رقم دی، وہ تو قرض ہے لیکن اسی معاملے کے بدلے میں وہ جو چیز واپس کرے گا وہ ”دین“ ہوگی کیونکہ اس کی ادائیگی عقد قرض کی وجہ سے اس کے ذمے لازم ہوئی۔ علامہ حصکفی رحمہ اللہ دونوں کے درمیان بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

القرض: هو عقد مخصوص يرد على دفع مال مثلي لآخر
ليرد مثله..... الدين ما وجب في الذمة بعقد أو
استهلاك.^(۱)

ترجمہ:- قرض وہ معاملہ ہے جس میں ابتداء کسی پر احسان اور تبرع

کرتے ہوئے اسے کوئی مثلی چیز دی جاتی ہے تاکہ وہ اس کی مثل لوٹائے اور جو چیز کسی معاملے کے نتیجے میں یا کسی کی چیز کو نقصان پہنچانے یا ہلاک کرنے وغیرہ کے نتیجے میں لازم ہوتی ہے، اسے ”دین“ کہتے ہیں۔

ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی دین کی مثالیں دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

الدین: كسمن مبيع وبدل قرض ومهر بعد دخول بالمرأة أو قبل الدخول بها وأجرة مقابل منفعة وأرش جنابة وغرامة متلف وعوض خلع ومسلم فيه.^(۱)

البتہ اُردو میں دین کے لئے بھی قرض کا استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے اس باب میں دین کا ترجمہ ”قرض“ سے کیا جائے گا لیکن قرض بمعنی دین ہی کے احکام بیان ہوں گے۔

قرض بیچنے کی صورتیں

قرض بیچنے کی ابتداء دو صورتیں ہیں:-

۱- ادھار پر بیچا جائے۔

۲- نقداً بیچا جائے۔

پھر ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں:-

۱- جس پر قرض ہے اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے اسے فقہی اصطلاح میں ”بیع

الدین لمن علیہ الدین“ کہتے ہیں۔

۲- ایسے شخص کے ساتھ معاملہ کیا جائے جس پر اس کا قرض نہیں اسے اصطلاح

میں ”بیع الدین لغير من علیہ الدین“ کہا جاتا ہے۔

بیع الکالی بالکالی

جہاں تک ادھار پر قرض بیچنے کا تعلق ہے خواہ یہ معاملہ مقروض سے کیا جائے یا

غیر مقروض سے، ہر حال میں ناجائز ہے۔

مقروض سے معاملہ کرنے کی مثال جیسے زید بکر سے کہے کہ مجھے ہزار روپے قرض کے بدلے میں ایک من چاول فروخت کرو اور وہ قبول کر لے لیکن مجلس عقد میں کسی پر قبضہ نہ ہو، یہ ”بیع الدین لمن علیہ الدین“ کی ابتدائی صورت ہے۔ اس لئے اسے ”ابتداء بیع الدین بالدين“^(۱) بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی ایک اور صورت یہ ہے کہ مثلاً زید نے بکر سے ایک من چاول خریدنے کے لئے بیع سلم کی یعنی قیمت تو ابھی ادا کر دی جبکہ چاول چھ ماہ کے بعد لینے کا وعدہ تھا۔ جب چاول حوالے کرنے کی مدت آئی تو بکر نے کہا کہ میرے پاس چاول نہیں البتہ تم مجھے یہ چاول گیارہ سو روپے میں فروخت کر دو اور میں یہ رقم ایک ماہ بعد ادا کروں گا، یہ بھی ”بیع الدین لمن علیہ بالدين“^(۲) کی صورت ہے۔ اسے ”فسخ الدین بالدين“ کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں مدیون نے اپنے واجب الاداء قرض کو ایک دوسرے قرض کے ذریعے منسوخ کیا ہے۔

غیر مقروض سے معاملہ کرنے کی مثال جیسے زید نے بکر سے ایک من چاول ایک ماہ بعد لینے ہیں۔ زید آج عمرو سے کہتا ہے کہ میں نے بکر سے جو چاول ایک ماہ بعد لینے ہیں، وہ تمہیں ایک ہزار روپے کے بدلے فروخت کرتا ہوں اور تم یہ رقم مجھے دو ماہ بعد دے دینا۔ اسے ”بیع الدین لغير من علیہ الدین“ کہا جاتا ہے۔ ان دونوں قسموں کو ”بیع الکالی بالکالی“ کہا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع کے کرنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ:-

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْكَالِيِّ بِالْكَالِيِّ.^(۳)

(۱) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، الدسوقی (الشیخ محمد عرفہ الدسوقی) بیروت، دار الفکر (۶۱/۳)۔

(۲) بحوالہ بالا۔

(۳) سنن الدارقطنی، الدارقطنی (علی بن عمر الدارقطنی ۳۰۶ھ-۳۸۵ھ) القاہرہ، مصر، دار المحاسن الطباعة (۷۲، ۷۱/۳)۔

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الکالی بالکالی سے منع فرمایا۔

اسی طرح حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:-

إن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیع الکالی بالکالی،
(۱) دین بدین۔

ترجمہ:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الکالی بالکالی یعنی دین کو

دین کے بدلے فروخت کرنے سے منع فرمایا۔

ائمہ اربعہ اور جمہور فقہائے کرام کا مذہب بھی یہی ہے کہ یہ بیع ناجائز ہے۔

چنانچہ علامہ ابن شاش لکھتے ہیں:-

ومنها: بیع الکالی بالکالی وهو الدین بالدین وهذا لا خلاف
(۲) فی فسادہ۔

ترجمہ:- اور ناجائز معاملات میں سے ایک بیع الکالی بالکالی یعنی بیع

الدین بالدین ہے۔ اس کے ناجائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

علامہ وہبہ الزحیلی اپنی کتاب ”الفقه الاسلامی وأدلته“ میں فرماتے ہیں:-

أجمع الناس علی أنه لا يجوز بیع دین بدین ، ذلك سواء
(۳) أكان البیع للمدین أم لغير المدین۔

ترجمہ:- اس بات پر فقہائے کرام کا اجماع ہے کہ بیع الدین بالدین

جائز نہیں خواہ یہ بیع مقروض سے کی جائے یا غیر مقروض کے ساتھ۔

(۱) المعجم الكبير، الطبرانی (أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبرانی ۲۶۰ھ-۳۶۰ھ) بغداد،
الدار العربية للطباعة (۳/۳۱۷)۔

(۲) عقد الجواهر الثمينة، ابن شاش (جلال الدين عبد الله بن نجم بن شاش المتوفى ۲۱۶ھ)
بيروت، دار الغرب الإسلامي، الطبعة الأولى ۱۴۱۰ھ-۱۹۹۵م (۲/۴۱۹)۔

(۳) الفقه الإسلامي وأدلته (۳/۴۳۲)۔

قرض بیچنے کی دوسری صورت

قرض بیچنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ اسے نقداً فروخت کیا جائے یعنی ایک طرف سے تو قرض ہو اور دوسری طرف سے نقد رقم لی جائے۔ اس کی پھر دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ یہ معاملہ مقروض کے ساتھ کیا جائے، دوسرے یہ کہ غیر مقروض کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے۔

پہلی صورت کی مثال اور اس کا حکم

پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ مثلاً زید نے بکر کی گھڑی غصب کی۔ کچھ دنوں بعد آکر اسے بتلا دیا کہ تمہاری گھڑی میرے پاس ہے لیکن میں وہ تمہیں واپس نہیں کرنا چاہتا، آپ ایک ہزار کے بدلے میں مجھے فروخت کر دیں۔ بکر راضی ہو گیا۔ زید نے قیمت ادا کر دی اور بیع مکمل ہو گئی۔

بیع کی اس صورت کے بارے میں ائمہ اربعہ اور جمہور فقہائے کرام کا کہنا ہے کہ یہ بیع جائز ہے کیونکہ اس میں بیع سے پہلے سے ہی خریدار کے پاس وہ چیز موجود ہوتی ہے لہذا ”غیر مقدور للتسلیم“ ہونے کی خرابی لازم آنے کا شبہ ہی نہیں۔ علامہ کا سانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

وَيَجُوزُ بَيْعُهُ مِمَّنْ عَلَيْهِ الدِّينُ لِأَنَّ الْمَانِعَ هُوَ الْعَجْزُ عَنِ التَّسْلِيمِ وَلَا حَاجَةَ إِلَى التَّسْلِيمِ هُنَا وَنَظِيرُهُ بَيْعُ الْمَغْصُوبِ أَنَّهُ يَصَحُّ مِنَ الْغَاصِبِ.^(۱)

ترجمہ:- اور مقروض کے ساتھ یہ بیع کرنا جائز ہے کیونکہ ناجائز ہونے کی وجہ ”غیر مقدور للتسلیم“ ہونا تھی جبکہ یہاں سپرد کرنے کی ضرورت ہی نہیں جیسے مغضوب منہ اپنی غصب شدہ چیز کی بیع غاصب کے ساتھ کرے۔

وَأَكْثَرُ وَهْبَةِ الزَّحِيلِيِّ لَكَهْتِهِ هِيَ:-

وبيع الدين نقداً في الحال: اختلاف الفقهاء في شأنه على التفصيل الآتي. أولاً بيع الدين لمدين: أجاز الفقهاء أئمة المذاهب الأربعة بيع الدين لمن عليه الدين أو هبته، لأن المانع من صحة بيع الدين بالدين هو العجز عن التسليم ولا حاجة إلى التسليم ههنا.^(۱)

ترجمہ:- بیع الدین نقداً کی صورت میں فقہاء کرام کا درج ذیل اختلاف ہے۔ پہلی صورت یعنی مدیون سے قرض کی بیع کرنا: مذاہب اربعہ کے جمہور فقہاء نے اس بیع کو جائز قرار دیا، جب کہ کیونکہ بیع الدین بالدين کے ناجائز ہونے کی وجہ ”غیر مقدوراً للتسليم“ ہونا ہے جبکہ یہاں سپرد کرنے کی حاجت ہی نہیں۔

دوسری صورت کا حکم

دوسری صورت یہ ہے کہ غیر مقروض سے بیع الدین کی جائے جیسے زید نے بکر کی گھڑی غصب کی۔ اب زید عمرو سے کہتا ہے کہ میری گھڑی جو بکر کے پاس ہے، میں اسے ایک ہزار کے بدلے میں فروخت کرتا ہوں۔ اس کے حکم میں قدرے اختلاف ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ

حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں یہ بیع ناجائز ہے اس لئے کہ اس میں فروخت کنندہ بیچنے والی چیز کو خریدار کے سپرد کرنے کی قدرت نہیں رکھتا لہذا ”غیر مقدوراً للتسليم“ ہونے کی خرابی لازم آرہی ہے جو کہ مفسد عقد ہے۔ اور اگر یوں کہا جائے کہ زید اس شرط پر یہ چیز بیچے کہ بیع کی سپردگی مدیون (مذکورہ بالا مثال میں غاصب) کے ذمہ ہو تو یہ بھی جائز نہیں، اس لئے کہ بیع کو حوالے کرنا بائع کی ذمہ داری ہے، یہ ذمہ داری کسی اور کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں :-

ولا ينعقد بيع الدين من غير من عليه الدين لأن الدين إما أن يكون عبارة عن فعل تمليك المال وتسليمه وكل ذلك غير مقدور التسليم في حق البائع ولو شرط التسليم على المديون لا يصح أيضاً لأنه شرط التسليم على غير البائع فيكون شرطاً فاسداً.^(۱)

ترجمہ :- اور غیر مقروض سے بیع الدین کرنا جائز نہیں اس لئے کہ قرض یا تو ذمہ میں موجود حکمی مال کا نام ہے یا مال کی تملیک اور سپردگی کے فعل کا نام ہے اور دونوں چیزیں بائع کے حق میں غیر مقدور التسليم ہیں اور اگر یہ شرط لگائی جائے کہ اس کی سپردگی مديون کے ذمہ ہے تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ بائع کے علاوہ کسی اور پر سپردگی کی شرط لگانا ہے جو کہ شرط فاسد ہے۔

ابن مفلح حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

(ولا يجوز لغيره) أي لغير من هو في الذمه لأنه غير قادر على تسليمه فأشبهه ببيع الآبق.^(۲)

ترجمہ :- اور غیر مديون کے ساتھ قرض کی بیع کرنا جائز نہیں کیونکہ بائع اسے خریدار کے حوالے کرنے پر قادر نہیں تو یہ صورت بھگوڑے غلام کی مانند ہوگی۔

مالکیہ

مالکیہ کے ہاں درج ذیل آٹھ شرائط کے ساتھ یہ بیع جائز ہے۔ ان میں سے چار

(۱) بدائع الصنائع للکاسانی (۵/۱۳۸)۔

(۲) المدع فی شرح المقنع ابن مفلح (أبو اسحاق برهان الدین إبراهيم بن محمد بن عبد الله بن مفلح المورخ ۸۱۶ھ-۸۸۴ھ) بیروت، المكتبة الإسلامية، الطبعة الأولى (۴/۱۹۸)۔

شرائط کا تعلق مدیون سے ہے اور بقیہ چار شرائط کا تعلق مبیع سے ہے۔ مدیون کے اعتبار سے چار شرائط درج ذیل ہیں:-

۱- مدیون قرض کا اقرار کرتا ہو۔

۲- غالب گمان یہ ہو کہ مدیون سے قرض لے لیا جائے گا مثلاً یہ کہ مدیون شہر میں موجود ہوتا کہ اس کی مالی حالت معلوم ہو کہ وہ تنگ دست ہے یا مالدار ہے۔

۳- وہ قرض کو ادا کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہو، قرض ادا کرنے سے عاجز نہ ہو۔

۴- مقروض اور خریدار کے درمیان کوئی عداوت اور دشمنی نہ ہو کہ خریدار کے حوالے کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔

مبیع کے اعتبار سے بنیادی شرط یہ ہے کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے ربا یا غرر کی خرابی لازم آئے۔ چنانچہ اس خرابی سے بچنے کے لئے چار شرائط مقرر کی گئی ہیں:-

۱- بیچی جانے والی چیز قرض کی جنس سے نہ ہو اور اگر اسی کی جنس سے ہو تو اس کے برابر ہو، کم و بیش نہ ہوتا کہ ربا کی خرابی لازم نہ آئے۔

۲- اگر قرض سونا یا چاندی ہے تو اس کی بیع سونے یا چاندی کے بدلے میں نہ کی جائے کیونکہ اس صورت میں ایک عوض پر مجلس میں قبضہ نہیں ہوتا جبکہ سونے یا چاندی کی بیع میں عوضین پر مجلس ہی میں قبضہ ضروری ہے۔

۳- قرض ایسی چیز کا ہو جس کی بیع قبل القبض جائز ہو، جیسے ان کے نزدیک طعام کے علاوہ اشیاء کی بیع قبل القبض جائز ہے۔

۴- جس چیز کے بدلے میں قرض فروخت کیا جائے اور اس پر اسی مجلس میں قبضہ ہوتا کہ بیع الکالی بالکالی کی خرابی لازم نہ آئے۔

اگر مذکورہ بالا چار شرطیں موجود ہوں تو پھر مالکیہ کے ہاں غیر مدیون سے قرض کی بیع کرنا جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔^(۱)

(۱) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر (۶۲، ۶۱/۳)۔

..... المنتقى شرح المؤطا (۷۶/۳) الفقہ الإسلامی وأدلته (۴۳۴/۴)۔

شافعیہ:

شوافع کے ہاں اس بیع کی تین صورتیں ہیں۔ ذیل میں تینوں صورتیں اور ان کا حکم ذکر کیا جاتا ہے۔

پہلی صورت یہ کہ قرض مستقر ہو یعنی قرض خواہ کی اس پر ملکیت اور وصولیابی کا حق ثابت ہو چکا ہو تو رائج قول کے مطابق غیر مدیون کے ساتھ اس کی بیع جائز ہے کیونکہ اس صورت میں مقروض کسی انکار کے بغیر قرض خریدار کے حوالے کر دے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ قرض مستقر نہیں اور وہ قرض بیع سلم کے اندر مسلم فیہ^(۱) کی صورت میں ہے تو اس کی بیع جائز نہیں اس لئے کہ کبھی کبھی بیع سلم کو فسخ کرنے کی نوبت آتی ہے جس کی وجہ سے خود وہ شخص اس مسلم فیہ پر قبضہ کرنے سے محروم رہ جاتا ہے جس کی بیع آگے کر رہا ہے اس لئے اس کی آگے بیع کرنا گویا غیر مقدور التسلیم کی بیع کرنا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ قرض مستقر نہیں اور بیع کا ثمن ہے تو رائج قول کے مطابق اس کی بیع جائز ہے۔ علامہ شیرازی لکھتے ہیں:-

أما الديون فينظر فيها فإن كان الملك عليها مستقراً
كغرامة المتلف و بدل القرض جاز بيعه ممن عليه قبل
القبض لأن ملكه مستقر عليه فجاز بيعه كالمبيع بعد القبض
وهل يجوز من غيره ففيه وجهان: أحدهما يجوز لأن ما جاز
بيعه ممن عليه جاز بيعه من غيره كالوديعة. والثاني لا يجوز
لعدم القدرة على التسليم، لأن المدين ربما منع الدين أو
جحده وذلك غرر لا حاجة به إليه. والأول أظهر لأن
الظاهر القدرة على التسليم من غير منع ولا جحود وإن
كانت الدين نظرت فإن كان مسلماً فيه لم يحز بيعه لما

(۱) عام بیوع کے اندر جو چیز بیع ہوتی ہے، بیع سلم کے اندر وہ ”مسلم فیہ“ کہلاتی ہے۔

روی أن ابن عباس سئل عن رجل أسلف في حلل دقاق فلم يجد تلك الحلل فقال آخذ منك مقام كل حلة من الرقاق دلتين من الحل فكرهه ابن عباس وقال خذ برأس المال علفاً أو غنماً ولأن الملك في المسلم فيه غير مستقر لأنه ربما تعذر فأنفسخ البيع فلم يجز بيعه كالبيع قبل القبض وإن كان ثمناً في البيع ففيه قولان قال في الصرف يجوز بيعه قبل القبض لما روى عن ابن عمر قال كنت أبيع الإبل بالبيع بالدنانير فأخذ الدراهم وأبيع الدراهم وأخذ الدنانير فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا بأس ما لم تتفرقا وبينكما شيء ولأنه لا يخشى انفساخ العقد بالهلاك فصار كالمبيع بعد القبض.^(۱)

ترجمہ:- دیون کے اندر دیکھا جائے گا کہ اگر ملکیت مستقر ہو (یعنی قرض خواہ کی اس پر ملکیت اور وصولیابی کا حق ثابت ہو چکا ہو) جیسے تلف کرنے والے پر ضمان اور قرض کا بدلہ تو دیون کے ساتھ اس کی بیع جائز ہے کیونکہ اس اس کی ملکیت مستقر ہو چکی ہے۔ اور غیر دیون کے بیع کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ان میں سے ایک جائز ہے اور جس صورت میں دیون کے ساتھ اس کی بیع جائز ہے اسی صورت میں غیر دیون کے ساتھ بھی اس کی بیع جائز ہے جیسے ودیعت کی بیع۔ اور دوسری صورت بیع کے غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے کیونکہ مقرض کبھی کبھی قرض نہیں دیتا یا انکار کر دیتا ہے اور یہ بلا وجہ کا غرر ہے۔ لیکن پہلا قول رائج ہے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ قدرت علی

(۱) المہذب، الشیرازی (أبو إسحاق شیرازی) مصر، عیسیٰ البابی الحلبي وشرکاء (۲۶۳/۱)۔

..... الفقہ الاسلامی وأدلته (۴۳۴/۴)۔

التسلیم کسی ممانعت یا انکار کے بغیر پائی جاتی ہے۔ اور اگر وہ قرض بیع مسلم کے اندر مسلم فیہ کی صورت میں ہے تو اس کی بیع جائز نہیں جیسا کہ ابن عباس سے مروی ہے کہ ان سے کسی نے حلل (ریشمی لباس) کی مسلم کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اسے ناپسندیدہ قرار دیا اور فرمایا کہ اپنا راس مال واپس لے لو اور دوسری بات یہ ہے کہ کبھی کبھی بیع مسلم کو فسخ کرنے کی نوبت آتی ہے جس کی وجہ سے خود وہ شخص مسلم فیہ پر قبضہ کرنے سے محروم رہ جاتا ہے جو اس کی بیع آگے کر رہا ہے اس لئے اس کی آگے بیع کرنا گویا غیر مقدور التسلیم کی بیع کرنا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ قرض بیع کا ثمن ہے تو اس میں دو قول ہیں (البتہ راجح قول کے مطابق اسکی بیع صرف میں قبل القبض جائز ہے جیسا کہ ابن عمر سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں بقیع کے مقام پر دنائیر کے بدلے اُونٹ بیچتا اور اس بدلے دراہم لیتا یا دراہم کے عوض بیچتا اور اس کے بدلے دینار لیتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ جدائی کے وقت کچھ لازم نہ ہو نیز اس میں عقد کے فسخ ہونے کا بھی کوئی خوف نہیں اس لئے گویا یہ بیع بعد القبض کی طرح ہوگئی۔

ابن القیم کی رائے

ابن القیم رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ بیع کی مذکورہ دونوں صورتیں جائز ہیں یعنی خواہ قرض بیچنے کا معاملہ مدیون سے کیا جائے یا غیر مدیون سے، دونوں صورتوں میں جائز ہے البتہ بیع الکالی بالکالی کی دونوں صورتوں کو وہ بھی ناجائز کہتے ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ ”بیع الکالی بالکالی کے عدم جواز کے متعلق تو حدیث وارد ہوئی ہے اور اسکے ناجائز ہونے پر اجماع بھی ہو چکا ہے البتہ ان صورتوں خصوصاً غیر مقرض کے

نقد معاملے کے عدم جواز پر کوئی نص وارد نہیں ہوئی اور ہمارے شیخ امام ابن تیمیہ کا رجحان بھی جواز کی طرف ہے اور ہم بھی اسے جائز سمجھتے ہیں اور اس کے جواز میں کوئی خرابی بھی نظر نہیں آتی اس لئے کہ نہ تو یہ ”بیع الکالی بالکالی“ ہے اور نہ اس جیسی صورت ہے اس لئے اسے ممنوع قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔^(۱)

ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی کی رائے

عصر حاضر کے مشہور محقق عالم دین ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی کا خیال یہ ہے کہ مالکیہ کا مذہب دیگر مذاہب کے مقابلے میں رائج ہے چنانچہ آپ اس مسئلے پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

ویظهر لنا أن مذهب المالكية هو الراجح بين المذاهب.^(۲)

پروفیسر ڈاکٹر الصدیق الضریر کی رائے

عصر حاضر کے ایک اور محقق پروفیسر ڈاکٹر الصدیق محمد امین الضریر کی رائے یہ ہے کہ قرض بیچنے کی تمام صورتیں جائز ہیں حتیٰ کہ بیع الکالی بالکالی کی دونوں صورتیں بھی جائز ہیں بشرطیکہ ربا کی خرابی لازم نہ آئے۔ انکا کہنا ہے کہ بیع الکالی بالکالی کے متعلق جو روایات وارد ہوئی ہیں۔ یہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں لہذا ان کی بنیاد پر حرمت کا حکم لگانا مشکل ہے اور بیان کردہ ناجائز صورتوں میں ”غیر مقدور التسليم“ ہونے کی جو خرابی ذکر کی گئی ہے، یہ بھی معتبر نہیں اس لئے کہ ہماری گفتگو اس قرض کے متعلق ہے جس کا مقروض اقرار کرتا ہے تو جب مقروض اسے تسلیم کرتا ہے تو اب بائع اس سے وہ قرض لے کر خریدار کے سپرد کرنے پر قادر ہے اور عصر حاضر میں ان معاملات سے بکثرت واسطہ بھی پڑتا ہے۔ اگر انہیں ناجائز قرار دیا جائے تو عوام کے لئے تنگی اور پریشانی کا باعث بنے گی اور یہ رائے اختیار کرنے میں فقہاء کے مذہب سے بالکیہ اختلاف لازم نہیں آتا کیونکہ نقداً قرض کی

(۱) اعلام الموقعین (۱/۳۴۰)۔

(۲) الفقہ الاسلامی وأدلته (۳/۴۳۵)۔

صورت میں تو اختلاف واضح ہے۔ اور یہ بات بھی صحیح نہیں کہ ادھار پر بیع الدین کرنے کے ناجائز ہونے پر اجماع ہے اس لئے کہ مالکیہ نے بعض صورتوں کو چند شرائط کے ساتھ جائز کہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اجماع اس صورت میں ہو کہ جب یہ بیع اموال ربویہ میں ہو رہی ہو۔^(۱)

ترجیح

مذکورہ مسئلے کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس سلسلے میں حنفیہ کا مذہب رائج ہے۔ جہاں تک بیع الکالی بالکالی کی روایت کا تعلق ہے تو اگرچہ اس پر بعض محدثین جیسے دارقطنی اور ابن عدی وغیرہ نے کلام کیا ہے لیکن رائج بات یہ ہے کہ اس حدیث کو ناقابل استدلال کہنا درست نہیں اس لئے کہ حاکم نیشاپوری نے اسے اپنی کتاب ”المستدرک“ میں نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ یہ روایت امام مسلم کی شرائط پر اترتی ہے اور پھر علامہ ذہبی نے بھی اس کی تصدیق کی ہے جس سے اس کے معتبر ہونے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ امام طحاوی نے اپنی کتاب شرح معانی الآثار میں اس کو ذکر کر کے اسے دلیل کے طور پر بیان فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ان کے نزدیک بھی قابل استدلال ہے اور اگر یہ روایت متکلم فیہ بھی ہو تو عقلی قیاسات کے بجائے اس سے استدلال کرنا بہر حال بہتر ہے۔

عقلی اعتبار سے بھی یہی بات رائج معلوم ہوتی ہے کہ ”بیع الکالی بالکالی“ کو ناجائز کہا جائے اس لئے کہ بیع کی حقیقت یہ ہے کہ متعاقدین رضامندی سے باہمی طور پر

(۱) الغرر وأثره فی العقود ص: ۳۳۳؛ وأری جواز بیع الدین مطلقاً أعنی سواء بیع الدین للمدین أو لغيره بنقد أو بدین ما دام خالیاً عن الربا لأنه لم یرد نص یعتمد علیه فی منع أى صورة من هذه الصور ودعوى عدم القدرة على التسليم غیر مسلمة لأن کلامنا فی دین معرف به لا فیما فیہ خصومة، ثم إن بیع الدین قد تدعوا الحاجة إلیه، وفيه مصلحة ظاهرة للمتعاقدین فلا یصح التضييق علیهم بمنعه وليس فیما ذهب إلیه خروج على رأى الفقهاء فقد رأینا اختلافهم فی بیع الدین بالنقد وأما دعوى الإجماع على منع بیع الدین فغیر مسلمة فقد حوزہ المالکیة بعض صورہ کما ذکرنا ولعل الصورة المجمع على منعها فی بیع الدین بالمدین هی ما کان فیہ الدین من الأموال الربویة۔

(۲) شرح معانی الآثار، الطحاوی (أبو جعفر أحمد بن محمد الأزدي المصری الطحاوی

مال کا تبادلہ کریں اور جس بیع کے اندر مال کا تبادلہ بالکل نہ ہو، نہ دونوں جانب سے اور نہ ایک جانب سے بلکہ محض زبانی جمع خرچ ہو تو اس بیع کو جائز کہنا درست نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ اربعہ نے اس بیع کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اسی طرح بیع الدین نقداً کی صورت میں بھی غیر مقروض کے ساتھ معاملے کرنے کو جائز کہنا بھی مشکل ہے۔

موجودہ دور میں قرض بیچنے کی مختلف صورتیں

عصر حاضر میں قرض بیچنے کی متعدد صورتیں رائج ہیں۔ ان میں چند صورتیں اور ان کا حکم قدرے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

ثمن بیچنے کی ایک صورت

قرض بیچنے کی ایک صورت ثمن بیچنے کی ہے۔ جس کو بذریعہ مثال یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ مثلاً زید نقد پر کھاد فروخت کرنے کی صورت میں پانچ سو روپے فی بوری کے حساب سے بیچتا ہے اور ادھار کی صورت ساڑھے پانچ سو روپے پر۔ بکر اس کے پاس آیا اور کہا: میرے پاس نقد رقم موجود ہے، میں اس سے نفع حاصل کرنا چاہتا ہوں لیکن میں خود کاروبار کرنا نہیں جانتا، میرے لئے نفع کمانے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ زید اُسے کہتا ہے کہ میں فلاں شخص کو ادھار پر کھاد کی بوری ساڑھے پانچ سو روپے میں فروخت کرتا ہوں۔ آپ ایسا کریں کہ جب کوئی شخص مجھ سے ادھار پر خریدنے آئے تو آپ مجھے پانچ سو روپے فی بوری کے حساب دے دیا کریں اور بعد میں اس سے ساڑھے پانچ سو وصول کر لیا کریں۔

فقہی اعتبار سے یہ صورت قرض کی بیع میں داخل ہے کہ زید کی جو رقم اس کے خریدار پر دو ماہ بعد ساڑھے پانچ سو روپے واجب تھی، اُسے زید نے پانچ سو روپے کے بدلے میں فروخت کر دیا۔ اور چونکہ یہ بیع غیر مقروض سے ہے اس لئے بیع الدین بنقد لغیر من علیہ الدین میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

جائز صورت

اس معاملے کی جائز صورت یہ ہو سکتی ہے کہ بکر پہلے یہ سامان زید سے خریدے

اور خود یا اپنے کسی وکیل کے ذریعے اس پر قبضہ کرے اور پھر گاہک کو ادھار پر زائد قیمت میں فروخت کر دے۔

ملنے والی تنخواہ یا انعام کی من

قرض بیچنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسان اپنے متعلقہ ادارے سے ملنے والی تنخواہ یا حکومت وغیرہ کی طرف سے ملنے والے انعام کو وصولی سے قبل فروخت کر دیکر مثلاً زید کسی ادارے میں دس ہزار روپے پر ملازمت کرتا ہے۔ مہینہ پورا ہونے کے بعد کسی وجہ سے ادارہ تنخواہ کی فوری ادائیگی سے معذرت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم آپ کو پندرہ روز بعد تنخواہ دے دیں گے۔ اُسے رقم کی فوری ضرورت ہے تو وہ بکر سے کہتا ہے کہ آپ مجھے میری ملنے والی تنخواہ کے بدلے میں ساڑھے نو ہزار روپے ابھی دے دیں اور میں اپنی تنخواہ کی رسید (Pay Check) پر دستخط کر دیتا ہوں، پندرہ روز بعد آپ بینک جا کر پورے دس ہزار روپے وصول کر لیجئے گا۔ بکر اُسے قبول کر کے ساڑھے نو ہزار دے دیتا ہے اور پھر پندرہ روز بعد بینک سے پورے دس ہزار وصول کرتا ہے۔

یہ صورت ”بیع الدین بنقذ لغير من عليه الدين“ میں داخل ہونے کی سے ناجائز ہے۔ اس جیسی صورت کی ممانعت حدیث میں بھی مذکور ہے۔ مروان بن حکم کے دور میں ایک مرتبہ بعض لوگ سالانہ ملنے والے عطیات کی رسید فروخت کر رہے تھے تو حضرت ابو ہریرہؓ نے اسے ناجائز قرار دیا جس کی وجہ سے مروان بن حکم نے ان رسیدوں کی خرید و فروخت پر پابندی لگا دی۔^(۱)

اس کے علاوہ اس کی نظیر بیع الجامیہ ہے جسے احناف نے ناجائز قرار دیا ہے۔ جا ملیہ اس رقم کو کہا جاتا ہے جو سرکاری ملازمین کو بیت المال سے ملتی تھی۔^(۲)

(۱) الصحيح لمسلم، النیشابوری (ابوالحسن محمد بن حجاج بن مسلم القشیری النیشابوری) کراچی، قدیمی کتب خانہ، الطبعۃ الثانیۃ ۱۳۷۵ھ-۱۹۵۶م (۵/۲)؛ عن ابی ہریرۃؓ أنه قال لمروان: أحللت بیع الصکاک وقد نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الطعام حتی یستوفی، قال: فخطب مروان الناس فنهی عن بیعہا، قال سلیمان: فنظرت الی حرس یاخذونها من أیدی الناس۔

(۲) المنجد عربی اردو، کراچی، دارالاشاعت ص ۱۶۷۔

بیع الجامیہ کی حقیقت اور اس کا حکم بیان کرتے ہوئے علامہ شامی لکھتے ہیں:-

بیع الجامیہ: هو أن يكون لرجل جامیة فی بیت المال
ویحتاج إلى دراهم معجلة قبل أن تخرج الجامیة فيقول له
رجل بعني جاميتك التي قدرها كذا وكذا أنقص من
حقه فی الجامیة فيقول له: بعتك فهل البيع
المذكور صحيح أم لا لكونه بيع الدين بنقد، أجاب: إذا باع
من غير من هو عليه كما ذكر لا يصح. ^(۱)

ترجمہ:- بیع الجامیہ یہ ہے کہ ایک شخص کی تنخواہ بیت المال کے ذمہ
ہے لیکن اُسے تنخواہ ملنے سے پہلے اس کی ضرورت ہے تو کوئی اس سے
کہتا ہے کہ آپ اپنی تنخواہ کی رقم اتنے روپے (جو تنخواہ سے کم ہوتے
تھے) کے بدلے فروخت کرتے ہیں۔ وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں
نے فروخت کی۔ کیا یہ بیع صحیح ہے یا نہیں؟ حالانکہ یہاں قرض کی بیع
نقد کی صورت میں ہو رہی ہے۔ جواب دیا کہ جب قرض کی بیع
غیر مدیون سے کی جائے جیسا کہ مذکورہ صورت میں تو یہ صحیح نہیں۔

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اس کا اور ان جیسی دوسری صورتوں کا حکم بیان
کرتے لکھتے ہیں:-

الحقوق التي تثبت لصاحبها بعقود يعقدها هو أو غيره مثل
رجل باع شيئاً فثبت له حق استيفاء الثمن أو أقرض أحداً،
فثبت له حق استيفاء الدين أو أعلنت الحكومة له بجائزة
فثبت له حق استيفاءها فبيع مثل هذه الحقوق ليس بيعاً
للحقوق في الحقيقة، وإنما هو بيع لمال يتعلق به ذلك
الحق وإنه لا يجوز عند الحنفية رحم الله تعالى لكونه بيع ما

لیس عند الإنسان ويدخل في هذا القسم بيع العطايا والارزاق والبرآآت وبيع حظوظ الأئمة وبيع الجامكية^(۱) ترجمہ:- وہ حقوق جو کسی آدمی کے لیے کسی عقد وغیرہ کی وجہ سے ثابت ہوتے ہیں مثلاً کسی آدمی نے کوئی چیز بیچی جس کی قیمت وصول کرنے کا اُسے حق ہے یا کسی کو قرض دیا جس کے واپس لینے کا اُسے حق ہے یا حکومت نے اس کے لیے کسی انعام کا اعلان کیا جس کے وصول کرنے کا اُسے حق ہے تو ان جیسے حقوق کی بیع دراصل حقوق کی بیع نہیں بلکہ اس مال کی بیع ہے جو ان حقوق کے ساتھ متعلق ہے اور حنفیہ کے نزدیک ان کی بیع جائز نہیں اس لئے کہ یہ ”بیع الدین من غیر من علیہ الدین“ یا ”بیع مالیس عند الانسان“ (ایسی چیز کی بیع جو انسان کے پاس نہیں ہے، کی بیع) ہے۔ اور اسی قسم میں عطایا، تنخواہیں، برآآت اور آئمہ کرام کے وظیفے اور جامکیہ کی بیع شامل ہے۔

سندات (Documents) کی خرید و فروخت

دین کی خرید و فروخت کی ایک صورت دین کی مختلف سندات (Documents) کی خرید و فروخت ہے۔ پہلے زمانے میں بھی ان کی خرید و فروخت کا رواج تھا۔ البتہ اس کا رواج کاروباری سطح پر نہ تھا بلکہ عام طور پر مختلف عاملین اپنے عطایا کی رسیدیں اور سندات دوسروں کو فروخت کر کے ان سے فوری رقم لے لیتے اور پھر ان سے خریدنے والا شخص وقت آنے پر بیت المال سے رسید پر درج عطیہ کی مقدار وصول کر لیتا۔ اس رسید یا سند کو عربی میں ”صک“ یا ”براءة“ کہتے ہیں۔

علامہ شامی اس کی تعریف یوں بیان فرماتے ہیں:-

برآآت جمع براءة، وہی الأوراق التي يكتبها كتاب الديوان

على العالمين على البلاد بحظ كعطاء أو على الأكارين بقدر
ما عليهم وسميت براءة لأنه يبرأ بدفع ما فيها^(۱)

ترجمہ:- برآآت براءة کی جمع ہے۔ اس سے مراد رہ رسیدیں ہیں جو
اصحاب الدیوان عالمین کے لیے کسی رقم مثلاً عطا لکھ کر بھیجتے یا کاشت
کاروں کی طرف ان کے واجبات لکھ کر بھیجتے اور اسے براءة اسی لئے
کہا جاتا ہے کہ اس پر درج رقم کو ادا کر کے آدمی بری ہو جاتا ہے۔

صک یا براءة کی خرید و فروخت بھی شرعاً ناجائز ہے اس لئے کہ یہ ”بیع الدین
من غیر من علیہ الدین“ میں داخل ہے۔ علامہ حنفی رحمہ اللہ اس کا حکم بیان کرتے ہوئے
لکھتے ہیں:-

بیع البرآآت التی یکتبھا الدیوان علی العمال لا یصح^(۲)
ترجمہ:- برآآت کہ جنہیں اصحاب الدیون عالمین کے لئے لکھتے ہیں
ان کی خرید و فروخت صحیح نہیں۔

بل آف ایکسچینج (Bill of Exchange) کی بیع

قرض کی خرید و فروخت کی ایک اہم مروجہ صورت بل آف ایکسچینج (Bill of
Exchange) کی بیع ہے۔ بل آف ایکسچینج کو اردو میں ”ہنڈی“ اور عربی میں ”کمیالہ“
کہتے ہیں۔

بل آف ایکسچینج ایک خاص قسم کی دستاویز ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی
تاجر اپنا مال فروخت کرتا ہے تو خریدار کے نام بل بناتا ہے۔ بعض اوقات اس بل کی
ادائیگی کسی آئندہ تاریخ میں واجب ہوتی ہے۔ اس بل کو دستاویزی شکل دینے کے لئے
مدیون اس کو منظور کر کے اس پر دستخط کر دیتا ہے کہ میرے ذمے فلاں تاریخ کو اس بل کی

(۱) رد المحتار (۵۱۶/۴)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار (۵۱۶/۴)

ادائیگی واجب ہے۔ اس بل پر ادائیگی کی جو تاریخ لکھی ہوتی ہے، اس تاریخ کے آنے کو انگریزی میں (Maturity) اور عربی میں "نضج الكمیالہ" کہتے ہیں اور اس تاریخ ادائیگی کو (Maturity Date) کہا جاتا ہے۔

بل آف ایکسچینج پر ادائیگی کی جو تاریخ لکھی ہوتی ہے۔ بائع اسی تاریخ پر مدیون سے اپنا قرضہ وصول کر سکتا ہے لیکن اگر بائع کو رقم کی فوری ضرورت ہو تو وہ یہ بل کسی تیسرے شخص یا بینک کے پاس لے جاتا ہے۔ بینک اس پر لکھی ہوئی رقم میں کٹوتی کرتا ہے گو یا بائع اس بل پر لکھی ہوئی رقم سے کم میں بینک کو فروخت کرتا ہے مثلاً اگر یہ بل سو روپے کا ہے اور ادائیگی کی تاریخ تین ماہ بعد ہے تو بینک اُسے پچانوے روپے میں خرید لیتا ہے۔ اس عمل کو اردو میں "بٹہ لگانا" اور عربی میں "قطع الكمیالہ" اور انگریزی میں (Discounting of the Bill of Exchange) کہتے ہیں۔

پھر جب ادائیگی کی مدت کچھ قریب آتی ہے تو یہ بینک اسی بل کو کسی اور شخص یا بینک کے ہاں فروخت کر دیتا ہے۔ ادائیگی کی مدت قریب ہونے کی وجہ سے دوسرا شخص یا بینک اُسے کچھ زیادہ قیمت دیتا ہے مثلاً مذکورہ مثال میں اُسے چھیانوے روپے میں خرید لیتا ہے۔ اس طرح ادائیگی کی تاریخ آنے سے قبل اس بل کی کئی مرتبہ بیع ہوتی ہے اور تاریخ ادائیگی جتنی قریب ہوتی ہے اتنی ہی اسکی قیمت بڑھتی چلی جاتی ہے البتہ اس پر لکھی ہوئی قیمت سے بہر حال کم رہتی ہے۔

عام طور پر بینک بل آف ایکسچینج کی ڈسکاؤنٹنگ کرتے ہیں اور یہ بینکوں کے قصیر المعیاد قرضوں میں داخل ہوتا ہے اسلئے کہ اس بل کی ادائیگی کی تاریخ تقریباً تین ماہ سے چھ ماہ تک ہوتی ہے۔

یہ معاملہ بھی "بیع الدین لغیر من علیہ الدین" میں داخل ہو کر ناجائز ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ فروخت کنندہ کچھ عرصہ بعد ملنے والی رقم کو کسی تیسرے کے ہاتھ کم قیمت پر نقد فروخت کر دیتا ہے۔

جائز صورت:

بل آف آپکچنج کی خرید و فروخت کے مذکورہ طریقہ کار پر عمل کرنے کے بجائے ضرورت کے مواقع پر اسکی متبادل جائز صورت پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

متبادل جائز صورت یہ ہے کہ تاجر خریدار سے اپنا دین (قرض) وصول کرنے کے لئے بینک کو وکیل بنائے اور اسے وکالت کی مقررہ اجرت دے پھر اس بینک سے بل پر لکھی ہوئی رقم کے بعد قرض لے لے اور بینک وکیل ہونے کی حیثیت سے قرض وصول کرنے کے بعد تاجر کو دیئے ہوئے قرض کے بدلے میں وصول کر لے۔

بیان کردہ اس صورت میں دو معاملات الگ الگ ہوں گے۔ پہلا معاملہ متعین اجرت کے بدلے میں بینک کو وکیل بنانے کا ہوگا اور دوسرا معاملہ بینک سے قرض لینے اور بینک کو خریدار سے ملنے والی رقم پر اپنے قرض کے بدلے میں قبضہ دینے کا اختیار ہوگا۔ البتہ یہاں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ان میں سے کوئی معاملہ دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہو کیونکہ اس صورت میں ”صفقتان فی صفقة“ (یعنی ایک عقد میں دو معاملے کرنے) کی خرابی لازم آتی ہے جو کہ شرعاً ناجائز ہے۔ لہذا اس طرح دو جائز معاملے الگ الگ ہوں گے کیونکہ متعین اجرت پر کسی کو وکیل بنانا بھی جائز ہے اور بلا سود قرض لینا بھی جائز ہے^(۱)۔ تنخواہ، قرض اور انعامات وغیرہ کی بیع میں اسی جائز صورت کو اپنایا جاسکتا ہے۔

(۱) تکملة فتح الملهم (۱/۳۶۳): هذه المعاملة يمكن تصحيحها بتغير طريقها وذلك أن يؤكل الشاجر البنك باستيفاء دينه من المشتري ويدفع إليه أجرة على ذلك، ثم يستقرض منه مبلغ الكمبالة ويأذن له أن يستوفي هذا القرض مما يقبض من المشتري بعد نضح الكمبالة، فيكون هناك معاملتان مستقلتان: الأولى معاملة التوكيل باستيفاء الدين بالأجرة المعينة، والثانية: معاملة الاستقراض من البنك والإذن باستيفاء القرض من الدين المرجو وصوله بعد نضح الكمبالة، ولا يجوز أن تكون إحدى المعاملة شرطاً للأخرى لأنها تكون صفقة في صفقة، فنصح كلتا المعاملتين على أسس شرعية، أما الأولى فلكونها توكيلاً بالأجرة وذلك جائز وأما الثانية فلكونها استقراضاً من غير شرط زياده وهو جائز أيضاً.

ضروری وضاحت:

یہاں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ ”بیع الدین“ کی جتنی مروجہ صورتیں ذکر کی گئی ہیں، ان کے ناجائز ہونے کی وجہ صرف یہ نہیں کہ وہ ”بیع الدین لغیر من علیہ الدین“ میں شامل ہیں بلکہ اس کے ساتھ ان تمام صورتوں میں نقد کو نقد کے بدلے میں کمی بیشی کے ساتھ بیچنے کی خرابی بھی پائی جاتی ہے جو کہ شرعاً ناجائز ہے لہذا ایسا متبادل جائز تجویز کیا گیا ہے جن میں مذکورہ دونوں خرابیاں نہ ہوں۔

باب ششم

بیع کے مبنی بر خطر ہونے کے اعتبار سے غرر

بیع کے مبنی بر خطر ہونے کے اعتبار سے غرر کی کئی قسمیں ہیں۔ ان میں بنیادی صورتیں تین ہیں۔

۱..... غیر مملوک کی بیع

۲..... بیع قبل القبض

۳..... بیع المعلوم

ذیل میں ان پر قدرے وضاحت سے بحث کی جاتی ہے۔

غیر مملوک چیز بیچنے کا حکم

غیر مملوک اشیاء کی خرید و فروخت کی حدیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں حکیم بن حزامؒ سے مروی ایک حدیث بمع ترجمہ یہ ہے:-

عن حکیم بن حزام قال: أتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فقلت: یأتینی الرجل لیسألنی من البیع مالیس عندی. أبتاع

له من السوق ثم أبیعه، قال: لا تبع ما لیس عندک.^(۱)

ترجمہ:- حکیم بن حزام فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے پاس ایک آدمی آکر یہ کہتا

(۱) سنن الترمذی، باب ما جاء فی کراہیۃ بیع ما لیس عندک، حدیث: ۱۲۳۲، سنن البیہقی الکبریٰ (۲۶۷/۵) حدیث: ۱۰۲۰۲، سنن أبی داؤد، باب فی الرجل یبوع ما لیس عنده، حدیث: ۳۵۰۳

ہے میں اسے وہ چیز بیچوں جو میرے پاس نہیں ہے (یعنی میری ملکیت میں نہیں) تو کیا میں ایسا کر سکتا ہوں کہ بازار سے کوئی چیز خرید کر پھر اسے بیچ دوں۔ آپ نے فرمایا: جو چیز تیرے پاس نہیں ہے اس کی بیع نہ کر۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فقہاء کرام نے فرمایا کہ غیر مملوک اشیاء کی خرید و فروخت جائز نہیں۔ اس بیع کے ناجائز ہونے پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ علامہ کا سانی فرماتے ہیں:

شرط انعقاد البیع أن يكون المبيع مملوكًا للبائع عند البیع، فإن لم يكن لا ينعقد وإن ملكه بعد ذلك بوجه من الوجوه إلا السلم خاصة وهذا بيع ماليس عنده ونهى رسول صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع ما ليس عند الإنسان.^(۱)

ترجمہ:- بیع منعقد ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ بیع کے وقت بائع بیچ جانے والی چیز کا مالک ہو، اگر اس وقت وہ اس کا مالک نہ ہو تو بیع منعقد نہ ہوگی، اگرچہ بعد میں کسی وجہ سے اس کا مالک بن گیا ہو البتہ صرف بیع سلم میں یہ شرط نہیں۔ اسے ”بیع ماليس عند الإنسان“ (یعنی ایسی چیز کی بیع جو انسان کے پاس نہیں) کہتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع سے منع فرمایا ہے۔ علامہ باجی مالکی فرماتے ہیں:-

يجب أن يكون (المبيع) معيناً ويكون في ملكه فإن لم يكن في ملكه وكان معيناً لم يصح لما فيه من الغرر لأنه لا يمكنه تخليصه وإذا لم يقدر على تخليصه لم يمكنه تسليمه وما لا يمكن تسليمه لا يصح بيعه، لذلك لم يجز بيع العبد الآبق

والجمل الشارد والطير في الهواء والسمك في الماء وغير ذلك مما لا يمكن تسليمه.^(۱)

ترجمہ:- بیع صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ بیع متعین ہو اور بائع اس کا مالک ہو اگر وہ بائع کی ملکیت میں نہیں لیکن معین ہے تو اسکی بیع صحیح نہیں کیونکہ اس میں غرر پایا جاتا ہے اس لئے کہ عقد کے وقت اسے دوسرے کی ملکیت سے چھڑانا ممکن نہیں اور جب اسے چھڑانا ممکن نہیں تو اسے خریدار کے سپرد کرنا ممکن نہیں لہذا اس کی بیع صحیح نہیں اور جسے خریدار کے سپرد کرنا ممکن نہ ہو اس کی بیع صحیح نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بھگوڑے غلام، سرکش اونٹ، ہوا میں موجود پرندے اور سمندر میں موجود مچھلی اور اس جیسی دیگر اشیاء جن میں بائع بیع سپرد کرنے پر قادر نہیں ہوتا، ان کی بیع صحیح نہیں۔

علامہ شیرازیؒ لکھتے ہیں:-

ولا يجوز بيع ما لا يملكه من غير إذن مالكة لما روى حكيم بن حزام أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تبع ما ليس عندك ولأن ما لا يملكه لا يقدر على تسليمه فهو كالطير في الهواء أو السمك في الماء.^(۲)

ترجمہ:- غیر مملوک چیز کو مالک کی اجازت کے بغیر فروخت کرنا جائز نہیں جیسا کہ حکیم بن حزام سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو تمہارے پاس نہیں ہے، اسے مت بیچو“ اور اس لئے کہ جس چیز کا بائع مالک نہیں وہ اسے خریدار کے سپرد کرنے پر قادر نہیں تو یہ صورت ہوا میں موجود پرندے اور پانی میں موجود مچھلی کی بیع کی طرح ہوگئی۔

(۱) المنتقى شرح الموطأ (۲/۲۸۶).

(۲) المذهب (۱/۳۶۲).

علامہ ابن قدامہ عدم جواز کا حکم لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:-

ولا نعلم فی ذلک خلافاً^(۱)

ترجمہ:- اس مسئلے میں کسی کا اختلاف ہمارے علم میں نہیں۔

گویا اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ غیر مملوک اشیاء کی خرید و فروخت

جائز نہیں۔

جواز کی صورتیں

۱- بیع الوکیل

البتہ اگر مالک کی طرف سے اجازت ہو اور بیچنے والا شخص اس کے وکیل ہونے کی حیثیت سے بیع کرے تو یہ جائز ہے جیسا کہ علامہ شیرازیؒ نے اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس لئے کہ اگرچہ صورت یہ غیر مملوک کی بیع ہے لیکن حقیقت میں یہ چیز اس کے اصل مالک کی طرف سے فروخت کی جارہی ہے اس لئے یہ بیع نافذ ہو جائے گی۔

۲- بیع الفضولی

اسی طرح اگر کوئی کسی کی کوئی چیز اس کی طرف سے اجازت ملنے سے پہلے فروخت کر دے لیکن عقد ہونے کے بعد اصل مالک اس کی اجازت دے تو یہ بیع بھی نافذ ہو جائے گی اسے فقہ کی اصلاح میں ”بیع الفضولی“ کہا جاتا ہے۔

بعد میں مالک کا اس بیع کو جائز قرار دینا گویا خود بیع کرنا ہے اس لئے اس بیع کے جائز ہونے کے لئے یہ بھی شرط لگائی گئی ہے کہ اصل مالک کی اجازت کے وقت بائع (فضولی) خریدار اور بیع موجود ہوں، اور اگر اس کی قیمت سامان کی شکل میں ہے تو وہ بھی موجود ہو اس لئے کہ اصل بیع کے صحیح اور منعقد ہونے کے لئے ان چیزوں کا ہونا ضروری ہے لہذا مالک کی اجازت ملنے پر جو بیع حکماً ہو رہی ہے، اس میں بھی ان چیزوں کا ہونا ضروری ہوگا۔

علامہ ترمذی اور علامہ حنفی فرماتے ہیں:-

(و حکمہ) ای بیع الفضولی (مقبول الإجازة) من
المالک (إذا کان البائع والمشتري والمبيع قائمًا) بأن لا
یتغیر المبیع بحیث بعد شیئًا آخر لأن إجازته کالبیع حکمًا
(و کذا) یشترط قیام (الثلثین) أيضًا (لو) کان عرضًا (معینًا)
لأنه مبیع من وجه^(۱).

ترجمہ:- بیع فضولی کا حکم یہ ہے کہ یہ اصل مالک کی اجازت کو قبول
کرتی ہے (یعنی مالک کی طرف سے اجازت ملنے پر اس کی طرف
سے نافذ ہوتی ہے) بشرطیکہ بائع، مشتری اور مبیع موجود ہوں اور مبیع
اس طرح خراب نہ ہوئی ہو کہ کوئی دوسری چیز سمجھی جانے لگے اور ان
چیزوں کا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ یہ اجازت ملنا ایسے ہی ہے
جیسا کہ حکم بیع کا ہونا۔ اسی طرح اگر قیمت متعین سامان کی شکل میں
ہو تو اس کا موجود ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ وہ بھی ایک طرح کا مبیع
ہوتا ہے۔

۳- بیع سلم

اسی طرح بیع سلم کی صورت میں بھی غیر مملوک کی بیع کو استحساناً جائز قرار دیا گیا،
جیسا کہ علامہ کاسانی کی ذکر کردہ عبارت میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس
بیع میں فروخت کنندہ کو بیع ایک عرصہ کے بعد خریدار کے حوالے کرنا ہوتی ہے۔ اگر اس وقت
وہ اسکی ملکیت میں نہ بھی ہو تو بھی وہ مقررہ وقت پر اسے کہیں سے خرید کر مسلم الیہ کے
حوالے کر سکتا ہے۔

(۱) تنویر الأبصار للتمرشاشی مع الدر المختار للحصکفی (۵/۱۱۳).

غیر مقبوض چیز بیچنے کا حکم

دوسری صورت غیر مقبوض کی خرید و فروخت ہے۔ متعدد احادیث میں اس بات کا تذکرہ ملتا ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے خریدی گئی چیز کو آگے فروخت کرنا جائز نہیں۔ ذیل میں چند احادیث بمعہ ترجمہ تحریر کی جاتی ہیں۔

۱- عن ابن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه. قال ابن عباس: وأحسب كل شيء مثله. (۱)

ترجمہ:- ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کھانے کی چیز خریدی تو وہ اس کو اس وقت آگے فروخت نہ کرے جب تک اس پر قبضہ نہ کر لے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ یہ حکم ہر چیز کے بارے میں ہے۔

۲- عن ابن عمر: كُنَّا فِي زَمَانِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبْتَاعُ الطَّعَامَ، فَيَبِيعُث عَلَيْنَا مِنْ يَأْمُرُنَا بِانْتِقَالِهِ مِنَ الْمَكَانِ الَّذِي ابْتَعْنَاهُ فِيهِ إِلَى مَكَانٍ سِوَاهُ قَبْلُ أَنْ نَبِيعَهُ. (۲)

ترجمہ:- ابن عمر سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

(۱) صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب ما یذکر فی الطعام والحکرة (۲۸۶/۴)، الصحیح لمسلم، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض حدیث ۳۸۱۰، سنن أبی داؤد، باب کراهیة الطعام حتی یتوفیہ (۱۵۵/۱)، مسند أحمد فی مسند ابن عباس (۲۵۲:۱)، سنن (۲۸۵، ۲۷۰، ۲۵۲) سنن النسائی، باب بیع الطعام قبل أن یتوفی (۲۱۸/۲)، نیز یہی روایت ابن عمر سے بھی مروی ہے، ملاحظہ فرمائیے: الصحیح للبخاری بحوالہ بالا، سنن أبی داؤد بحوالہ بالا، الصحیح لمسلم کتاب البیوع، حدیث: ۳۸۱۴۔

(۲) الصحیح للبخاری، الصحیح لمسلم، حدیث: ۳۸۱۵، سنن أبی داؤد بحوالہ بالا، سنن النسائی باب النہی عن بیع ما اشتری من الطعام بکیل حتی یتوفی (۲۱۷/۲)، مسند أحمد فی مسند ابن عمر (۲۴۰، ۲۳۰، ۲۲۰، ۲۱۰)۔

زمانے میں کھانے کی چیز خریدتے تھے۔ آپ نے ایک آدمی کے ذریعے یہ حکم بھیجوا یا کہ ہم اس کو آگے فروخت کرنے سے پہلے اس جگہ سے کہیں اور منتقل کر لیں۔

۳- عن نافع عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من اشترى طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه. قال: وكنا نشترى الطعام من الركبان جزافاً، فنهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يبعه حتى ننقله من مكانه.^(۱)

ترجمہ:- ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کھانے کی چیز خریدے اسے اس وقت تک آگے نہ بیچے جب تک اس پر قبضہ نہ کر لے۔ ابن عمر فرماتے ہیں کہ ہم باہر سے آنے والوں سے کھانے کی اشیاء خریدتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ان چیزوں کو اپنے ہاں منتقل کرنے سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا۔

۴- عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يكتاله. فقلت لابن عباس: لم فقال: ألا تراهم يتبايعون بالذهب والطعام مرجأ.^(۲)

ترجمہ:- ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کھانے کی چیز خریدی وہ اسے اس وقت تک نہ بیچے جب تک اسے ناپ نہ لے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا: کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس طرح تو وہ گویا دینار کے بدلے دینار فروخت کرتے ہیں اور طعام

(۱) الصحيح لمسلم بحوالہ بالا۔

(۲) الصحيح لمسلم، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض، حديث: ۳۸۱۶۔

مؤخر ہوتا ہے (جس کی وجہ سے گویا وہ درمیان سے نکل جاتا ہے)۔

۵- عن حکیم بن حزام قال : قلت یا رسول اللہ ! انی أبتاع هذه البیوع ، فما یحل لی منها وما یحرم علی ؟ قال : إذا اشتریت بیعاً فلا تبعه حتی تقبضه^(۱)۔

ترجمہ :- حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں خرید و فروخت کا معاملہ کرتا ہوں، میرے لئے کیا جائز اور کیا ناجائز ہے؟ آپ نے فرمایا: جب تم کسی چیز کو خریدو تو اسے اس وقت تک فروخت نہ کرنا جب تک اس پر قبضہ نہ کرلو۔

بیع قبل القبض کے متعلق فقہائے کرام کے اقوال

مذکورہ بیع کے جواز اور عدم جواز کے متعلق فقہائے کرام کے کئی قسم کے اقوال ملتے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حنابلہ

حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ کھانے کی اشیاء (طعام) کی بیع تو قبل القبض ناجائز ہے البتہ باقی اشیاء کو قبضے سے پہلے فروخت کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ امام احمد بن حنبل سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ تمام اشیاء کی بیع قبل القبض ناجائز ہے لیکن علامہ ابن قدامہ کی تصریح کے مطابق رائج روایت یہ ہے کہ کھانے کی اشیاء کے علاوہ دیگر اشیاء کی خرید و فروخت بھی قبل القبض جائز ہے۔ آپ لکھتے ہیں :-

وأما غیر ذلک فیجوز بیعه قبل قبضه فی أظهر الروایتین

(۱) مسند احمد ابن حنبل (الإمام أحمد بن حنبل) بیروت، المكتب الاسلامی (۲۰۲/۳)۔ اور بیہقی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: یا ابن اخی لا تبیع شیئاً حتی تقبضه (اے بھتیجے! تم ہرگز کسی چیز کو اس وقت تک فروخت نہ کرنا جب تک اس پر قبضہ نہ کرلو) ملاحظہ فرمائیے: السنن الکبریٰ للبیہقی (۳۱۳/۵)۔

ویروی مثل هذا عن عثمان بن عفان رضي الله عنه وسعيد بن المسيب والحكم وحماد والأوزاعي وإسحاق وعنه رواية أخرى وهو لا يجوز بيع شيء قبل قبضه.^(۱)

ترجمہ:- رائج قول کے مطابق طعام کے علاوہ دیگر اشیاء کی بیع قبل القبض جائز ہے۔ اسی طرح عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، سعید بن المسیب، الحکم، حماد، اوزاعی اور اسحاق رحمہم اللہ سے مروی ہے اور امام احمد سے ایک اور روایت مروی ہے کہ کسی چیز کی بیع قبل القبض جائز نہیں۔

جہاں تک کھانے کی اشیاء کے علاوہ دیگر اشیاء کی خرید و فروخت قبل القبض کا تعلق ہے تو وہ حنابلہ کے نزدیک جائز ہے، اور وہ اس سلسلے میں درج ذیل روایات سے استدلال کرتے ہیں:-

۱..... عن ابن عمر قال: كنت أبيع الأبل بالبقيع بالدنانير فأخذ الدراهم وأبيع الدراهم وآخذ الدنانير فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا بأس ما لم تتفرقا وبينكما شيء.^(۲)

ترجمہ:- ابن عمر سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں بقیع کے مقام پر دنانیر کے بدلے اونٹ بیچتا اور اس کے بدلے دراہم لیتا یا دراہم کے عوض بیچتا اور اس کے بدلے دینار لیتا۔ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ جدائی کے وقت کچھ لازم نہ ہو۔

۲- عن ابن عمر رضي الله عنه قال كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في سفر وكنت على ركب صعب. فقال النبي صلى الله عليه وسلم لعمر بعنيه فباعه. فقال النبي صلى الله

(۱) المغنی لابن قدامة (۶: ۱۸۸، ۱۸۹)۔

..... انظر أيضًا فتح الباری (۵/۲۵۳)۔

(۲) سنن أبی داؤد، کتاب البیوع، جامع الترمذی، باب ماجاء فی الصرف (۱/۱۳۹)۔

علیہ وسلم ہو لک یا عبد اللہ^(۱)

ترجمہ:- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں ساتھ تھا اور میں ایک اڑیل اُونٹنی پر سوار تھا۔ (یہ اُونٹنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا یہ مجھے بیچ دو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: لے لیجئے، یہ آپ کی ہے یا رسول اللہ۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن عمر سے فرمایا: عبد اللہ اب یہ تیری ہے۔

۳- عن عامر حدثنی جابر بن عبد اللہ: أنه کان علی جمل له قد أعیاء، فأراد ان یسیبه، قال فلاحقنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فدعا لی، وضربه فصار سیرا لم یسر مثله، قال: بعنیه بوقیة، قلت: لا، ثم قال: بعنیه بوقیة، واستثنیت علیہ حملانہ الی أهلی، فلما بلغت أتیته بالجمل، فنقدنی ثمنه، فأرسل فی إثری، فقال، أترانی ما کستک لأخذ جملک، خذ جملک ودر اہمک، فہو لک^(۲)

۳..... حضرت عامر کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ (جنگ تبوک میں) ایک اڑیل اُونٹنی پر سوار تھے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے، اسے مارا جس کی وجہ سے وہ اتنی تیز ہو گئی کہ کوئی اور اُونٹنی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) الصحيح للبخاری، البيوع، باب إذا وهب بغير الرجل وهو راكب فهو جائز، رقم الحديث:

۲۶۱۱

(۲) الصحيح لمسلم، البيوع، رقم الحديث: ۲۰۶۱

(۳) المغنی (۶/۱۹۰)۔

نے فرمایا کہ مجھے یہ ایک اوقیہ کے بدلے فروخت کر دو۔ میں نے انکار کیا۔ آپ نے دوبارہ پیشکش کی تو میں نے ایک اوقیہ کے بدلے اسے فروخت کر دیا اور یہ شرط لگائی کہ مدینہ تک تو میں اس پر سوار رہوں گا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دوں گا۔ (آپ نے اس شرط کے ساتھ اُونٹنی خرید لی)۔ مدینہ منورہ پہنچ کر میں نے اُونٹنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دی اور آپ نے اس کی قیمت بھی ادا کر دی لیکن جب میں واپس لوٹا تو آپ نے بلوا کر فرمایا کہ کیا تم یہ سمجھے تھے کہ میں تمہاری اُونٹنی روک لوں گا۔ اپنی اُونٹنی بھی لے لو اور اپنے دراہم بھی، یہ سب تمہارا ہے۔

پہلی روایت سے استدلال کرتے ہوئے علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:-

هَذَا تَصْرُفٌ فِي الثَّمَنِ قَبْلَ قَبْضِهِ وَهُوَ أَحَدُ الْعَوَاضِينَ^(۱)

ترجمہ:- یہ ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف کرنا ہے۔ حالانکہ ثمن بھی ایک عوض ہے۔ (تو جب ایک عوض پر قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز ہے تو دوسرے پر بھی جائز ہوگا)۔

دوسری روایت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

هَذَا ظَاهِرُهُ التَّصْرُفُ فِي الْمَبِيعِ بِالْهَبَةِ قَبْلَ قَبْضِهِ^(۲)

ترجمہ:- حدیث کے ظاہر سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے ہبہ کیا (تو معلوم ہوا کہ قبل القبض بیع بھی جائز ہے)۔

تیسری روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:-

وَاشْتَرَى مِنْ جَابِرٍ جَمْلَةً وَنَقَدَهُ ثَمَنَهُ ثُمَّ وَهَبَهُ إِيَّاهُ قَبْلَ قَبْضِهِ^(۳)

(۱) المغنی (۶/۱۹۰)

(۲) (۳۰۲) المغنی بحوالہ بالا.

ترجمہ:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر سے اونٹ خریدا اور انہیں قیمت ادا کی اور پھر وہ قیمت واپس لے کر قبضہ کرنے سے پہلے ہی انہیں ہبہ کر دی۔

۴- ان کے علاوہ شروع میں ذکر کردہ روایات میں سے جو احادیث کھانے کی اشیاء کی خرید و فروخت سے متعلق ہیں وہ ان کے مفہوم مخالف سے استدلال کرتے ہیں، یعنی ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طعام کی بیع قبل القبض جائز نہیں، اس کے مفہوم مخالف سے معلوم ہوا کہ طعام کے علاوہ دیگر اشیاء کی بیع قبل القبض جائز ہے^(۱)۔ اور بقیہ روایات کے بارے میں ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ ضعیف ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:-

فَأَمَّا أَحَادِيثُهُمْ فَقَدْ قِيلَ: لَمْ يَصَحَّ مِنْهَا إِلَّا حَدِيثُ الطَّعَامِ وَهُوَ حُجَّةٌ لَنَا بِمَفْهُومِهِ. فَإِنَّ تَخْصِيصَهُ الطَّعَامِ بِالْهَبِيِّ عَنْ بَيْعِهِ قَبْلَ قَبْضِهِ يَدُلُّ عَلَى إِبَاحَةِ ذَلِكَ فِيمَا سِوَاهُ.^(۲)

ترجمہ:- جمہور نے جن احادیث سے استدلال کیا۔ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان میں طعام والی احادیث کے علاوہ باقی سب ضعیف ہیں اور ان احادیث کا مفہوم مخالف ہماری دلیل ہے اس لئے کہ ممانعت کو طعام کے ساتھ خاص کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دیگر اشیاء کی بیع قبل القبض جائز ہے۔

مالکیہ

مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ کھانے کی اشیاء میں سے بھی صرف ان چیزوں کی بیع قبل القبض ناجائز ہے جو مکملی اور موزونی ہیں یعنی جنہیں ناپ کر یا تول کر بیچا جاتا ہے لہذا اگر کوئی چیز اٹکل کے طور پر خریدی گئی تو مالکیہ کے ہاں اس کی بیع قبل القبض جائز ہوگی۔

(۱) ملاحظہ فرمائیے روایت نمبر ۱۳۲۔

(۲) المغنی (۲/۱۹۰)۔

علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں:-

ومنعه مالک فی المکیل والموزون من الطعام خاصة^(۱).

امام مالک نے صرف کھانے کی اشیاء میں سے مکیلی اور موزونی اشیاء کی بیع قبل القبض کو ناجائز کہا ہے۔

اس کی دلیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک حدیث میں یہ ہے کہ ”جس نے کھانے کی چیز خریدی، وہ اسے اس وقت تک نہ بیچے جب تک اسے ناپ نہ لے۔“^(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکیلی اشیاء کو قبل القبض فروخت کرنا جائز نہیں۔ اور چونکہ مکیلی اور موزونی اشیاء ایک ہی حکم میں ہیں اسلئے موزونی اشیاء کی بیع بھی قبل القبض ناجائز ہوگی۔ چنانچہ علامہ ابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

وتعلق من منع فی کل المکیلات والموزونات بقوله حتی یکتالہ فجعل العلة الکیل، أجرى سائر المکیلات والموزونات مجرى واحد.^(۳)

ترجمہ:- مکیلی اور موزونی اشیاء کے اندر بیع قبل القبض کے ناجائز ہونے کی علت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے ”یہاں تک کہ وہ کیل کر لے“ آپ نے کیل کو علت قرار دیا اور مکیلی اور موزونی اشیاء دونوں ایک ہی حکم میں ہوتی ہیں۔

شوافع اور امام محمد کا مذہب

شافعیہ اور احناف میں سے امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ تمام اشیاء میں بیع قبل القبض ناجائز ہے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

(۱) اكمال المعلم شرح صحيح مسلم، الأبنی (ابو عبید اللہ محمد بن خلفہ الوشانی الأبنی

المتوفی سنة ۸۲۷ھ) بیروت، المكتبة العلمية (۱۸۹/۲).

(۲) ملاحظہ فرمائیے روایت نمبر ۲۔

(۳) اكمال اكمال العلم، شرح صحيح مسلم بحوالہ بالا.

إِنَّ مَذْهَبَنَا بَطْلَانُهُ مَطْلَقًا سِوَاءَ كَانِ طَعَامًا أَوْ غَيْرَهُ وَبِهِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ثَبَتَ ذَلِكَ عَنْهُ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ^(۱)

ترجمہ:- ہمارا مذہب یہ ہے کہ بیع قبل القبض مطلقاً ناجائز ہے خواہ کھانے کی اشیاء میں ہو یا کسی اور چیز میں۔ یہی قول ابن عباسؓ سے مروی ہے اور یہی محمد بن الحسن کا قول ہے۔

ان کا استدلال حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول سے ہے:-
وَأَحْسَبُ كُلَّ شَيْءٍ مِثْلَهُ^(۲)

ترجمہ:- میرے نزدیک ہر چیز کا حکم یہی ہے (کہ ان کی بیع قبل القبض جائز نہیں)۔

امام شافعی رحمہ اللہ ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-
وَبِهَذَا نَأْخُذُ، فَمَنْ ابْتَعَ شَيْئًا كَانَتْ مَا كَانَ، فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَبِيعَهُ حَتَّى يَقْبُضَهُ^(۳)

ترجمہ:- ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں لہذا اگر کسی شخص نے کوئی بھی چیز خریدی تو اس کے لئے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے فروخت کرنا جائز نہیں۔

نیز ان کا استدلال حضرت حکیم بن حزامؓ کی روایت سے بھی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبضہ کرنے سے پہلے ہر قسم کی چیز کو فروخت کرنے سے منع فرمایا۔^(۱)

(۱) المجموع شرح المہذب (۲۷۰/۹)۔

(۲) ملاحظہ فرمائیے روایت نمبر ۴۔

(۳) کتاب الأم، الشافعی (الإمام محمد بن إدريس الشافعی ۱۵۰ھ-۲۰۴ھ) بیروت، دار فتیة، الطبعة الأولى ۱۴۱۶ھ-۱۹۹۶م (۲۲۷/۶)۔

(۴) ملاحظہ فرمائیے روایت نمبر ۵۔

امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کا مذہب

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ رحمہما اللہ^(۱) کا مذہب یہ ہے کہ زمین کے علاوہ دیگر تمام اشیاء میں بیع قبل القبض مطلقاً ناجائز ہے اور زمین میں یہ تفصیل ہے کہ اگر زمین ایسی ہو کہ جس کی ہلاکت کا اور ضائع ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً وہ کسی نہر کے کنارے ہو یا ایسی جگہ ہو جہاں سیلاب آتا ہو تو ایسی زمین پر بھی قبضہ کرنے سے پہلے اسے آگے فروخت کرنا جائز نہیں اور اگر ایسی زمین ہے کہ جس میں ہلاکت کا اندیشہ نہیں تو اس کی بیع قبل القبض جائز ہے۔ علامہ مرغینانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

من اشترى شيئاً مما ينقل ويحول لم يجز بيعه حتى يقبضه
لأنه عليه الصلاة والسلام نهى عن بيع ما لم يقبض ولأن فيه
غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك ويجوز بيع العقار
قبل القبض عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله وقال
محمد رحمه الله لا يجوز.^(۲)

ترجمہ:- جس نے کسی منقولی چیز کو خریدا تو اس پر قبض کرنے سے پہلے اس کے لئے یہ چیز آگے بیچنا جائز نہیں اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع قبل القبض سے منع فرمایا نیز بیع کے ہلاک ہونے کا چونکہ قوی احتمال ہے اس لئے اس میں عقد کے فسخ ہونے کا غرر پایا جاتا ہے اور امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک زمین کی بیع قبل القبض جائز ہے جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ناجائز ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ منقولی اشیاء کی بیع قبل القبض کو ان روایات کی بنیاد پر ناجائز کہتے ہیں جن میں بیع قبل القبض سے منع کیا گیا اور اس کے ناجائز ہونے کی عقلی

(۱) انہیں ”شیخین“ کہا جاتا ہے۔

(۲) الہدایۃ مع فتح القدیر (۶: ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷)۔

دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ ان میں اس بات کا قوی احتمال موجود ہے کہ بیچنے والے شخص کے قبضے میں آنے سے پہلے وہ چیز ہلاک ہو جائے لہذا جب پہلا عقد ہی ختم ہو گیا تو اس عقد کی بنیاد پر بائع نے جو دوسرا عقد کیا تھا وہ بھی خود بخود باطل ہو جائیگا گویا اس طرح دوسرے عقد میں غیر یقینی صورتحال پیدا ہو گئی جو کہ غمر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غمر سے منع فرمایا۔ البتہ ایسی زمین کی خرید و فروخت قبل القبض جائز ہے جن کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہ ہو کیونکہ اس صورت میں مذکورہ علت موجود نہیں لیکن اگر زمین ایسی ہو کہ جس کے بارے میں ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو جیسے نہریا دریا کے کنارے کی زمین تو اس کی بیع قبل القبض ناجائز ہوگی۔ علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

إِنَّ هَلَاكَ الْعَقَارِ نَادِرٌ وَالنَّادِرُ لَا عِبْرَةَ لَهُ وَلَا يَبْنِي الْفَقْهَ
بِاعْتِبَارٍ فَلَا يَمْنَعُ الْجَوَازُ وَهَذَا لَا يَتَصَوَّرُ هَلَاكُهُ إِلَّا إِذَا صَارَ
بَحْرًا أَوْ نَحْوَهُ حَتَّى قَالَ بَعْضُ الْمَشَايِخِ أَنَّ جَوَابَ أَبِي حَنِيفَةَ
فِي مَوْضِعٍ لَا يَخْشَى عَلَيْهِ أَنْ يَصِيرَ بَحْرًا أَوْ يَغْلِبَ عَلَيْهِ
الرَّمَالُ فَأَمَّا فِي مَوْضِعٍ لَا يُؤْمَنُ عَلَيْهِ ذَلِكَ لَا يَجُوزُ^(۱).

ترجمہ:- زمین کا ہلاک ہونا نادر الوقوع ہے اور نادر الوقوع معاملات پر شرعی مسائل مبنی نہیں ہوتے لہذا اس کی بیع جائز ہوگی لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب اس زمین کا ہلاک ہونا متصور نہ ہو یہاں تک کہ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہ قول اس زمین کے متعلق ہے جس کے سمندر میں تبدیل ہونے یا اس پر ریت کے غالب آنے کا اندیشہ نہ ہو اور جس زمین کے بارے میں یہ اندیشہ ہو، اسکی بیع قبل القبض جائز نہیں۔

ترجیح:

مذکورہ تمام اقوال اور ان کے دلائل پر غور کرنے کے بعد واضح ہوتا ہے کہ اس

مسئلے میں امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کا مسلک رائج ہے، اسلئے کہ شریعت کا یہ مسلم اصول ہے کہ جب تک کوئی شخص کسی چیز کو خریدنے کے بعد اسے اپنے ضمان میں نہیں لیتا، اس کے لئے اس پر نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ ایک روایت میں بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ”ربح ما لم یضمن“ سے منع فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک خریدی گئی چیز خریدار کی ضمان میں نہ آئے اس وقت تک اس کے لئے اس پر نفع لینا جائز نہیں اور ظاہر ہے کہ کوئی چیز کسی کی ضمان میں اسی وقت منتقل ہوتی ہے جب وہ اس پر قبضہ کرتا ہے۔ اور چونکہ یہ حکم عام ہے اسلئے بیع قبل القبض کی ممانعت کو صرف کھانے کی اشیاء کیساتھ خاص کرنا درست نہیں خصوصاً جبکہ حضرت حکیم بن حزام کی روایت میں ممانعت کا یہ حکم تمام اشیاء کے متعلق ہے۔ نیز عصر حاضر میں جبکہ بیع قبل القبض کے متعدد مفاسد سامنے آرہے ہیں تو ایسی صورت میں بیع قبل القبض کی ممانعت کو صرف طعام کے ساتھ خاص کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ البتہ جس زمین کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہ ہو اس کے اندر بھی اصولی طور پر تو بیع قبل القبض ناجائز ہونی چاہیئے لیکن اسے اس لئے جائز کہا جاسکتا ہے کہ قبضہ سے اصل مقصود ضمان کی منتقلی ہے یعنی خریدار کا اس ذمہ داری کو قبول کرنا ہے کہ وہ چیز اس کے پاس آنے کے بعد آگے فروخت ہونے سے پہلے اگر ہلاک ہو گئی تو یہ نقصان اس کا ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس کا تعلق ان چیزوں کے ساتھ ہے جن میں ہلاکت کا اندیشہ ہو اور جس زمین میں یہ اندیشہ نہیں، اس صورت میں قبضہ کو لازم قرار دینا بھی ضروری نہیں ہوگا۔ دوسری وجہ وہی ہے جو امام ابو حنیفہ اور ابو یوسفؒ نے ذکر فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ زمین کی بیع قبل القبض کے اندر غرر کی خرابی نہیں پائی جاتی۔^(۱) البتہ عصر حاضر میں جس طرح پلاٹوں کی خرید و فروخت کا انتہائی تیز رفتار کاروبار چل نکلا ہے ایسی صورت میں امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے قول کو اختیار کرنا بلاشبہ احتیاط پر مبنی ہے۔

(۱) الہدایۃ مع فتح القدیر (۱۳۶/۶) ولا غرر فیہ لأن الہلاک فی العقار نادر بخلاف المنقول والغرر المنہی عنہ غرر انفساخ العقد والحديث معلول بہ عملاً بدلائل الجواز.

عدم جواز کی علت کے بارے میں فقہاء کرام کی آراء

اس بات پر تو ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ بیع قبل القبض ناجائز ہے، البتہ غیر مقبوض چیز کی بیع کے ناجائز ہونے کی علت میں قدرے اختلاف واقع ہوا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مالکیہ

مالکیہ کے ہاں اس کی ممانعت کی وجہ ”ربا“ سے بچانا ہے۔ علامہ باجی لکھتے ہیں:-
ومن جهة المعنى أن ذلك ممنوع حفظه وحراسته وتوقيه
من الربا.^(۱)

ترجمہ:- اس کے ناجائز ہونے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اس عقد کو ربا سے بچایا جائے۔

اس علت کی بنیاد ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے:-
يتبايعون بالذهب والطعام مرجأ.^(۲)

ترجمہ:- دینار کے بدلے دینار فروخت ہوگا اور طعام مؤخر ہوگا۔
ظاہر ہے جب ایک شخص کوئی چیز آگے بیچے گا تو اس پر کچھ نفع بھی لے گا۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق چونکہ رقم کے مقابلہ میں رقم ہے اس لئے یہ نفع سود بن جائے گا۔ لہذا مالکیہ کا کہنا یہ ہے کہ اس سود سے بچانے کے لئے شریعت نے غیر مقبوض چیز کی خرید و فروخت سے منع فرمایا۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں اس کی ممانعت کی علت وہ ”غرر“ ہے جو ”عقد فسخ ہونے“ کے نتیجے میں پیدا ہو یعنی اس بات کا قوی احتمال ہو کہ بائع کے ”قبضہ“ کر کے

(۱) المنطقی (۲۸۰/۴)۔

(۲) ملاحظہ فرمائیے: روایت نمبر ۴۔

خریدار کو حوالے کرنے سے قبل وہ چیز ہلاک ہو جائے لہذا جب پہلی بیع ہی فسخ ہو جائے گی تو نئے خریدار کو مطلوبہ چیز کا ملنا غیر یقینی ہوگا۔ اسی کا نام ”غرر“ ہے علامہ کا سانی فرماتے ہیں:-

من شروط الصحة، القبض في بيع المشتري المنقول فلا يصح بيعه قبل قبضه ولأنه بيع فيه غرر الانفساح بهلاك المعقود عليه لأنه إذا هلك المعقود عليه قبل القبض يبطل البيع الأول، فينفسخ الثاني، لأنه بناه على الأول وقد نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع فيه غرر.^(۱)

ترجمہ:- بیع صحیح ہونے کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ اگر بیع منقولی ہو تو اس پر قبضہ کر لیا جائے لہذا ایسی چیز کی بیع قبل القبض جائز نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ اس میں بیع کے ہلاک ہونے کی صورت میں انفساخ عقد کا غرر پایا جاتا ہے اس لئے کہ اگر قبضہ کرنے سے پہلے وہ بیع ہلاک ہو گئی تو پہلی بیع باطل ہو جائیگی نتیجتاً دوسری بیع بھی فسخ ہو جائے گی کیونکہ وہ پہلی بیع پر مبنی ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بیع سے منع فرما دیا جس میں غرر ہو۔

علامہ شیرازی فرماتے ہیں:-

لأنه ربما هلك فانفسخ العقد، وذلك غرر من غير حاجة فلم يجز.^(۲)

ترجمہ:- کیونکہ بعض مرتبہ بیع ہلاک ہو جاتی ہے جس سے پہلا عقد فسخ ہو جاتا ہے اور یہ غرر ہے جو شرعی حاجت کے بغیر ہے، لہذا یہ بیع جائز نہیں۔

علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:-

(۱) بدائع الصنائع (۵/۱۸۰)۔

(۲) المهذب (۱/۲۶۲)۔

لكن ما يتوهم فيه غرر الانفساخ بهلاك المعقود عليه لم
يجز بناء على عقد آخر عليه تحرراً من الغرر.^(۱)

ترجمہ:- لیکن بیع کی جن صورتوں میں بیع کے ہلاک ہونے پر عقد کے
فسخ ہونے کا غرر لازم آتا ہے، وہ صورتیں جائز نہیں کیونکہ اس کی بناء
ایک دوسرے عقد پر ہے اور یہ حکم اس لئے ہے تاکہ غرر سے بچا جاسکے۔

علامہ ابن تیمیہ کی رائے

علامہ ابن تیمیہ کی رائے یہ ہے کہ عدم جواز کی علت ”غیر مقدور التسليم“
ہونا ہے اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ پہلا بائع یہ چیز دوسرے بائع کے حوالے نہ کرے خصوصاً
جبکہ اس کی یہ چیز زیادہ نفع پر بکنے لگے تو اس کی کوشش یہی ہوگی کہ اسے دوسرے شخص کے
ہاتھوں فروخت کرے۔ لہذا ایسی صورت میں دوسرا بائع اس بیع کو خریدار کے حوالے نہیں
کر سکے گا۔^(۲)

علامہ ابن تیمیہ کی بیان کردہ علت کا حاصل بھی ”غرر“ ہے اس لئے کہ بیع کا
غیر مقدور التسليم ہونا بھی ”غرر“ میں داخل ہے بلکہ غرر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خفیہ،
شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں بھی عدم جواز کی علت غیر مقدور التسليم ہونا ہی ہے اس لئے
کہ پہلی بیع کے فسخ ہونے کا احتمال اسی بات کا تقاضا کرتا ہے کہ بیع کی سپردگی غیر یقینی ہو۔
لہذا یوں سمجھا جائے گا کہ ان تمام حضرات کے نزدیک عدم جواز کی اصل علت تو ”غیر
مقدور التسليم“ ہونا ہے البتہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں اس کی وجہ پہلی بیع کے اندر ”فسخ کا
احتمال“ ہے، جبکہ ابن تیمیہ کے نزدیک ”بائع اول کی طرف سے بیع سپرد نہ کرنے کا احتمال“
ہے۔ اور ان دونوں صورتوں میں بیع کا غیر مقدور التسليم ہونا لازم آتا ہے۔

(۱) المغنی (۶/۱۹۱)۔

(۲) الاختیارات العلمیة لابن تیمیہ مع الفتاوی ص: ۷۵، بحوالہ الغرر واثره فی العقود

ایک مخصوص علت اور اس کی تطبیق

بیع قبل القبض کے ناجائز ہونے کی ایک وجہ ”ربح مالہ یضمن“ ہے یعنی ایسی چیز پر نفع حاصل کرنا جو خود بائع کی ضمان میں نہیں آئی۔ ربح مالہ یضمن کی ممانعت احادیث میں مذکور ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:-

لا یحل سلف و بیع، ولا شرطان فی بیع، ولا ربح مالہ یضمن، ولا بیع ما لیس عندک۔^(۱)

ترجمہ:- بیع اور قرض (یا سلم) اور ایک بیع کے اندر دو شرطیں لگانا، ربح مالہ یضمن اور غیر مملوک کی بیع جائز نہیں۔

فقہائے کرام نے ایک قاعدہ ذکر فرمایا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:-

الغنم بالغرم۔^(۲)

ترجمہ:- نفع بقدر غرامت (ضمان) ہوتا ہے۔

اس قاعدہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب تک کوئی شخص کسی چیز کا ضمان یا مونت برداشت نہیں کرتا اس کے لئے اس پر نفع لینا جائز نہیں۔ اس کی متعدد مثالیں ہیں، مثلاً:-

۱- شرکت کا عقد اس شرط کے ساتھ صحیح ہے کہ ہر شریک نفع اور نقصان میں برابر کا شریک ہو، لیکن اگر کوئی فریق نقصان برداشت کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو یہ عقد فاسد ہو جاتا ہے۔

۲- اسی طرح امانت سے نفع اٹھانا اس لئے ناجائز ہے کہ وہ چیز امین کے ضمان

(۱) الجامع للشرمذی، باب کراہیۃ بیع ما لیس عندہ۔

(۲) المبسوط للسرخسی، کتاب الولاء (۸/۸۱)۔

... فیہ ایضاً باب العبد بین رجلین یا ذن له أحدهما (۲۵/۴۳)۔

... رد المحتار، مطلب فی قولہم الغرم بالغرم۔

... فیہ ایضاً کتاب الفرائض۔

... الہدایۃ، کتاب الولاء۔

میں نہیں آتی۔

چونکہ بیع قبل القبض میں یہ خریدار خریدی گئی چیز کا ضمان نہیں اٹھاتا اس لئے کہ شرعاً اسے اس پر نفع لے کر آگے فروخت کرنے کا بھی حق نہیں۔
مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم لکھتے ہیں:-

حدیث عبد اللہ بن عمرو دَلَّ عَلَى أَنَّ الْعِلَّةَ فِي النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ

(۱)

الْمَبِيعِ قَبْلَ الْقَبْضِ هِيَ أَنَّهُ يَسْتَلْزِمُ رِبْحَ مَا لَمْ يَضْمَنْ.

ترجمہ:- عبد اللہ بن عمرو کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضے سے پہلے بیع کو فروخت کرنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس میں "ربح ما لم يضمن" کی خرابی پائی جاتی ہے۔

مختلف اشیاء میں قبضہ کی حقیقت

غیر مقبوض اشیاء کی خرید و فروخت کا حکم ذکر کرنے کے بعد قبضہ کی حقیقت بیان کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ اس بات کا فیصلہ کرنا آسان ہو کہ کون سے مقامات پر قبضہ پایا جاتا ہے اور کہاں قبضہ متحقق نہیں ہوتا۔
فقہائے کرام کی بیان کردہ تشریح کے مطابق قبضہ کے متحقق ہونے کے لئے دو شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱- بائع بیع اور خریدار کے درمیان ہر قسم کی رکاوٹ کو ختم کر دے۔

۲- خریدار کو اس بیع پر تصرف کرنے کا پورا اختیار ہو۔

علامہ ہکفی فرماتے ہیں:-

التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن القبض بلا مانع

(۲)

ولا حائل.

(۱) تکملة فتح الملہم (۱/۳۵۳)۔

(۲) الدر المختار مع الرد (۴/۵۶۱)۔

ترجمہ:- تسلیم (سپرد کرنے) کی حقیقت یہ ہے کہ بیع اور خریدار کے درمیان اس طرح تخلیہ ہو جائے کہ وہ کسی حائل اور مانع کے بغیر اس پر قبضہ کر سکے۔

علامہ کا سانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

هو أن يخلی البائع بین المبیع و بین المشتري برفع الحائل
بینهما علی وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه فيجعل
البائع مسلماً للمبیع والمشتري قابضاً له^(۱)

ترجمہ:- قبضہ یہ ہے کہ بائع خریدار اور بیع کے درمیان حائل کو اس طرح ختم کر دے کہ خریدار کو اس پر تصرف کرنے کا پورا اختیار ہو۔
(جب یہ دونوں باتیں پائی جائیں گی تو) یوں سمجھا جائے گا کہ بائع نے بیع اس کے حوالے کر دی اور خریدار نے اس پر قبضہ کر لیا۔

البتہ مختلف اشیاء کے اندر قبضہ کے متحقق ہونے کی صورتیں مختلف ہو سکتی ہیں اس لئے فقہائے کرام نے یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے:-

قبض کل شیء بحسبه^(۲)

ترجمہ:- ہر چیز کا قبضہ اس کی حقیقت کے مطابق ہوتا ہے۔

زمین پر قبضہ متحقق ہونے کی صورت یہ ہے کہ بائع خریدار کے لئے رُکاوٹ کو ہٹا کر اس پر تصرف کرنے کا پورا اختیار دے دے۔ البتہ منقولات کے اندر قبضہ متحقق ہونے میں فقہائے کرام کے درمیان اختلاف ہے، جس کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) بدائع الصنائع (۵/۲۴۴)۔

(۲) المغنی (۶/۱۸۶)۔

..... انظر أيضاً رد المحتار (۳/۵۶۱)۔

..... المجموع شرح المہذب (۹/۲۸۳)۔

..... المغنی (۶/۱۸۷)۔

..... الإنصاف للمرادی (۳/۴۸۱)۔

حنفیہ

حنفیہ کے ہاں منقولات کے اندر بھی تخلیہ سے قبضہ متحقق ہو جاتا ہے۔ تاہم اس تخلیہ کی کیفیت مختلف اشیاء میں مختلف ہو سکتی ہے۔
علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:-

انّ التحلیۃ قبض حکماً لو مع القدرة علیہ بلا کلفۃ لکن
ذلک یختلف بحسب حال المبیع ففی نحو حنطۃ فی بیت
مثلاً فدفع المفتاح إذا أمکنه الفتح بلا کلفۃ قبض و فی نحو
دار فالقدرة علی إغلاقها قبض أی بأن تكون فی البلد فیما
یظهر، و فی نحو بقر فی مرعى فکونه بحیث یرى ویشار إلیه
قبض و فی نحو ثوب فکونه بحیث لو مد یدہ تصل إلیه قبض
و فی نحو فرس أو طیر فی بیت إمکان أخذه منه بلا مُعین
قبض۔^(۱)

ترجمہ:- تخلیہ قبضہ کے حکم میں ہے بشرطیکہ خریدار کو بلا تکلف اس کے استعمال کرنے کی قدرت حاصل ہو اور یہ مختلف اشیاء میں مختلف ہوتی ہے مثلاً اگر کسی کمرے میں رکھی ہوئی گندم کو فروخت کیا گیا تو بائع اس کمرے کی چابیاں خریدار کے حوالے کر دے جن سے کسی مشقت کے بغیر دروازہ کھولا جاسکتا ہے تو یہ قبضہ ہے اور اگر گھر بیچا گیا ہے تو اس صورت میں تو خریدار کو اس کے تالا لگانے کی قدرت کا حاصل ہونا قبضہ ہے اور اس کا ظاہر یہ بتلاتا ہے کہ وہ گھر شہر میں ہے اور چراگاہ میں موجود جانور پر قبضہ اس وقت سمجھا جائے گا کہ اسے دیکھا جائے اور اس کی طرف اشارہ کیا جائے اور کپڑے پر قبضہ اس وقت ہوگا اگر

اس کی طرف ہاتھ بڑھایا جائے تو وہ اس تک پہنچ جائے اور کسی مکان میں موجود گھوڑے یا پرندے پر قبضہ اس وقت متحقق ہوگا جب اسے کسی مددگار کے بغیر پکڑا جاسکے۔

امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت یہ ہے کہ جب کسی چیز کو ممتاز کر کے اس کا تخلیہ کر دیا جائے تو اس پر قبضہ ہو جاتا ہے۔
علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:-

وقد روى أبو الخطاب عن أحمد رواية أخرى، أن القبض في كل شيء بالتخلية مع التمييز لأنه خلى بينه وبين المبيع من غير حائل فكان قبضاً له كالعقار.^(۱)

ترجمہ:- ابو الخطاب امام احمد سے ایک روایت نقل کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ ہر چیز پر قبضہ اس وقت متحقق ہو جاتا ہے جب اسے ممتاز کر کے اس کا تخلیہ کر دیا جائے کیونکہ اس صورت میں بائع نے مبیع اور خریدار کے درمیان کسی حائل کے بغیر تخلیہ کر دیا تو یہی اس چیز کا قبضہ ہے جیسے زمین (کا قبضہ)۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں غیر منقولہ اشیاء کا قبضہ عرف پر مبنی ہے، عرف میں جس عمل کو قبضہ سمجھا جاتا ہے اس سے قبضہ متحقق ہو جائے گا۔
علامہ درودیر مالکی لکھتے ہیں:-

والقبض في غيره أي غير العقار من حيوان و عرض يكون بالعرف.^(۲)

(۱) المغنی (۱۸۶/۶)۔

(۲) الشرح الصغير، الدردير (أبو البركات أحمد بن محمد بن أحمد الدردير) مصر، دار المعارف، الطبعة الأولى (۲۰۰/۳)۔ انظر أيضاً مواهب الجليل للخطاب (۴۸۸/۴)۔

ترجمہ:- زمین کے علاوہ دیگر اشیاء جیسے حیوان اور سامان وغیرہ کا قبضہ عرف کے تابع ہے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں:-

قال أصحابنا الرجوع في القبض إلى العرف وهو ثلاثة أقسام (أحدها) العقار والثمر على الشجر فقبضه بالتخلية (والثاني) ما ينقل في العادة كالأخشاب والحبوب والحيتان ونحوها فقبضه بالنقل إلى مكان لا اختصاص للبائع به نقل إلى ملك المشتري أو مواتٍ أو شارع أو مسجد أو غيره (والثالث) ما يتناول باليد كالدارهم والدنانير والمنديل والشوب والإناء الخفيف ونحوها فقبضه بالتناول^(۱).

ترجمہ:- ہمارے اصحاب کا کہنا ہے کہ قبض کے سلسلے میں عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور وہ عرف تین طرح کا ہے: ۱- زمین اور درخت پر لگے ہوئے پھلوں پر قبضہ تخلیہ سے سمجھا جائے گا۔ ۲- جن چیزوں کو عرفاً تقسیم کیا جاتا ہے جیسے لکڑی اور مختلف اشیاء کے دانے، بیج اور کڑیاں وغیرہ تو انہیں منتقل کرنے سے قبضہ متحقق ہوگا اور اگر بیع ایسی جگہ ہے جو بائع کے ساتھ خاص نہیں جیسے بے آباد زمین، مسجد یا سڑک وغیرہ یا ایسی جگہ ہے جو خریدار کے ساتھ خاص ہے تو اس صورت میں خریدار کی جگہ کی طرف منتقل کرنا کافی ہے۔ ۳- جن چیزوں کو ہاتھ میں دیا جاتا ہے تو ان پر ہاتھ میں دینے سے قبضہ متحقق ہوگا، جیسے دراہم، دنانیر، رومال کپڑے اور چھوٹے برتن وغیرہ۔

(۱) المجموع شرح المہذب (۲/۹۶)۔

- أنظر أيضاً روضة الطالبين (۵/۵۱)۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:-

قد ذكرنا أن القبض في العقار ونحوه بالتخلية وفي المنقول بالنقل وفي المتناول باليد بالتناول وبه قال أحمد^(۱).

ترجمہ:- ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ قبض کے بارے میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ زمین میں تخلیہ سے، منقولی اشیاء میں منتقل کرنے سے اور ہاتھ میں پکڑنے والی چیزوں میں ہاتھ میں دینے سے قبضہ متحقق ہوتا ہے اور یہی قول امام احمد کا ہے۔
الانصاف میں ہے:-

ويحصل القبض فيما يباع بالكيل والوزن بكيه ووزنه وفي الصبرة وما ينقل بالنقل وفيما يتناول بالتناول وفيما عدا ذلك بالتخلية^(۲).

ترجمہ:- کیلی اور موزونی چیزوں میں ناپنے اور وزن کرنے سے اور گندم کے ڈھیر اور منقولی چیز میں منتقل کرنے سے اور ہاتھ میں پکڑنے والی چیزوں میں ہاتھ میں دینے سے، ان کے علاوہ دیگر اشیاء میں تخلیہ سے قبضہ متحقق ہو جائے گا۔

خلاصہ:

خلاصہ یہ کہ زمین کے بارے میں ائمہ اربعہ کا اتفاق یہ ہے کہ تخلیہ سے قبضہ متحقق ہو جاتا ہے البتہ منقولی اشیاء میں بھی احناف کا مذہب ”تخلیہ“ کا ہے تاہم مختلف اشیاء میں

(۱) المجموع (۲۸۳/۹)۔

..... انظر أيضا المغنی (۱۸۶/۶)۔

..... المحرر فی الفقہ ص: ۳۲۳۔

(۲) الانصاف، المرادوی (علاء الدین أبو الحسن علی بن سلیمان المرادوی) بیروت، دار احیاء التراث العربی، الطبعة الثانية، ۱۴۰۰ھ-۱۹۸۰م (۴/۳۸۰)۔

تخلیہ کی کیفیات مختلف ہیں جب کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ان اشیاء کا قبضہ عرف کے تابع ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ احناف نے تخلیہ کو اصل بنیاد بنایا لیکن مختلف اشیاء کے اندر اس کی مختلف کیفیت کے قائل ہیں جبکہ ائمہ ثلاثہ نے عرف کو بنیاد قرار دیا۔ ظاہر ہے کہ عرفا کسی چیز کا قبضہ متحقق ہونے کے لئے کم از کم تخلیہ ضروری ہے۔ لہذا یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ اختلاف لفظی ہے، حقیقی نہیں۔

قبضہ سے متعلق یہی بات هیئۃ المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الإسلامية (AAOIFI) کی ذیلی مجلس ”المجلس الشرعی“ کے تحت ان الفاظ میں طے ہوئی:-

إنَّ كَيْفِيَّةَ قَبْضِ الْأَشْيَاءِ تَخْتَلِفُ بِحَسَبِ حَالِهَا وَاجْتِلَافِ الْأَعْرَافِ فِيهَا يَكُونُ قَبْضًا لَهَا، فَكَمَا يَكُونُ الْقَبْضُ حَسْبًا فِي حَالَةِ الْأَخْذِ بِالْيَدِ أَوْ النُّقْلِ أَوْ التَّحْوِيلِ إِلَى حُوزَةِ الْقَابِضِ أَوْ وَكَيْلِهِ تَحْقِيقٌ أَيْضًا اعْتِبَارًا حَكْمًا بِالتَّخْلِيَةِ مَعَ التَّمَكُّنِ مِنَ التَّصَرُّفِ وَلَوْ لَمْ يَوْجَدْ الْقَبْضُ حَسًّا فَقَبْضُ الْعَقَارِ يَكُونُ بِالتَّخْلِيَةِ وَتَمَكُّنِ الْيَدِ مِنَ التَّصَرُّفِ، فَإِنْ لَمْ يَتِمَّكَّنِ الْمُشْتَرِي مِنَ الْبَيْعِ فَلَا تَعْتَبَرُ التَّخْلِيَةُ قَبْضًا، وَأَمَّا الْمَنْقُولُ فَقَبْضُهُ يَكُونُ حَسْبَ طَبِيعَتِهِ^(۱)

تخلیہ کی شرائط

فقہائے کرام نے تخلیہ کے متحقق ہونے کے لئے درج ذیل شرائط کو ضروری قرار دیا ہے:-

۱- بائع کی طرف سے بیع پر قبضہ کرنے کی اجازت ہو اور یہ اجازت دینا مختلف طریقوں سے ہو سکتا ہے مثلاً زبان سے کہہ دے یا لکھ کر اجازت دے یا خریدار کے آگے

(۱) المعايير الشرعية، المعيار رقم: (۸) المراجعة للأمر بالشراء ص: ۱۲۲

- رکھ دے وغیرہ۔ غرضیکہ عرف میں جس عمل کو اجازت دینا سمجھا جاتا ہے، وہ معتبر ہے۔
- ۲۔ مبیع خریدار کے سامنے ایسی جگہ موجود ہو کہ خریدار کسی مانع اور تکلیف کے بغیر اسے حاصل کر سکے البتہ امام ابو حنیفہ کی رائے یہ ہے کہ اگر مبیع کچھ دور بھی ہو لیکن وہ اسے با آسانی حاصل کر سکے تو بھی تخلیہ پایا جائے گا۔
- ۳۔ مبیع کسی دوسرے کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو۔ اگر دوسرے کے حق کے ساتھ مشغول ہو تو تخلیہ متحقق نہ ہوگا، مثلاً بیچی گئی گندم اگر بائع کی بوریوں میں ہے تو یہ تخلیہ معتبر نہیں کیونکہ یہ بائع کی چیز کے ساتھ مشغول ہے۔^(۱)

بیع قبل القبض کے نقصانات

شریعت مطہرہ نے بیع قبل القبض کو ناجائز قرار دیکر بہت سے مفاسد اور خرابیوں کا سد باب کیا ہے۔ عصر حاضر میں بہت سے ایسے معاملات وجود میں آچکے ہیں، جہاں بیع قبل القبض ہوتی ہے، جس کی وجہ سے معاشرے کو شدید نقصانات اور پریشانیوں کا سامنا ہے۔ بطور مثال چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاویٰ الہندیۃ، قاضی خان، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ (۲۵۸/۲): قال أبو حنیفۃ التخلیۃ بین المبیع والمشتري تكون قبضا بشرائط ثلاثة: أحدها أن يقول البائع خلیت بینک و بین المبیع فاقبضه ویقول المشتري قبضت، والثانی أن یكون المبیع بحضرة المشتري بحيث یصل إلى أخذه من غیر مانع، والثالث أن یكون المبیع مقررًا غیر مشغول بحق غیر فإن كان شاغلًا فی حق غیر كالحنطة، فی حوالق البائع وما أشبه ذلك فذلك یمنع التخلیه.

... فی الدر المختار مع الرد (۵۶۲/۳): أن یقول خلیت بینک و بین المبیع.

... فی رد المحتار تحتہ: الظاهر أن المراد به الإذن بالقبض لا خصوص لفظ التخلیه.

... أنظر أيضًا: الشرح الصغير (۲۰۰، ۱۹۹/۳).

... روضة الطالبین (۵۱۵/۴).

... الإنصاف للمرداوی (۳۸۱/۴).

۱۔ مہنگائی

بیع قبل القبض کا ایک بنیادی نقصان یہ ہے کہ اسکی وجہ سے معاشرہ مہنگائی کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ درآمدات اور برآمدات کے کاروبار میں عام طور پر بیع قبل القبض کی جاتی ہے جس کی وجہ سے درآمد ہونے والی اشیاء مہنگے داموں مارکیٹ میں فروخت ہوتی ہے اور غریب عوام پر ناقابل برداشت بوجھ ڈالا جاتا ہے مثلاً ایک تاجر کسی ملک سے بحری جہاز کے ذریعے سیاہ مرچ منگواتا ہے جب اس نے یہ مرچ خریدی تو یہ سودا دو لاکھ میں طے ہوا۔ سودا ہونے کے بعد اور اس تک سامان پہنچنے سے پہلے درمیان میں کتنے مزید معاملات طے ہوتے ہیں۔ مثلاً کوئی اور تاجر اس سے یہی سامان ڈھائی لاکھ میں خرید لیتا ہے، اس سے تیسرا تاجر تین لاکھ میں اور پھر چوتھا تاجر ساڑھے تین لاکھ میں خریدتا ہے اس طرح اس کی بیع ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ درآمد کنندہ کے پاس سامان پہنچنے تک اس کی قیمت دس لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔

اب جب وہ سامان بندرگاہ پر پہنچتا ہے تو آخری تاجر دس لاکھ کے بدلے وصول کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اس پر کچھ منافع رکھ کر آگے مارکیٹ میں فروخت کرتا ہے۔ تو وہ مال جس کی اصل قیمت دو لاکھ تھی مارکیٹ میں جانے سے پہلے پانچ گنا مہنگا ہو گیا اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ سیاہ مرچ جس کی بازاری قیمت پندرہ روپے فی کلو ہونی چاہئے تھی، اب بازار میں پچھتر روپے کلو کے حساب سے فروخت ہوتی ہے۔ اگر قبضے سے متعلق شریعت کے حکم کو مدنظر رکھا جائے تو پہلا خریدار اس وقت تک اسے آگے فروخت نہیں کر سکتا جب تک وہ اس سامان پر قبضہ نہ کرے اور اس طرح کرنے سے عوام مہنگائی کے بوجھ سے بچ جائے گی۔^(۱)

۲۔ ربا اور غرر

عدم جواز کی علت کے ذیل میں گذرا ہے کہ اس بیع کی ناجائز ہونے کی وجہ

مالکیہ کے ہاں ”ربا“ اور ائمہ ثلاثہ کے ہاں ”غرر“ ہے۔ یہ دونوں عناصر معاشرے کے لئے انتہائی نقصان دہ اور مضر ہیں۔ شریعت نے بیع قبل القبض کو ناجائز قرار دے کر ان دونوں مفسدات کا روک تھام کیا۔

ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:-

إِنَّ الْحِكْمَةَ فِي النَّهْيِ أَصْلًا عَنْ بَيْعِ مَا لَمْ يَقْبُضْ : هِيَ أَنَّ هَذَا الْبَيْعَ يَشْبَهُ الرِّبَا إِذَا إِنَّ الْمُشْتَرِيَ إِذَا دَفَعَ دِرَاهِمَهُ إِلَى الْبَائِعِ فِي سَلْعَتِهِ ثُمَّ عَمِدَ إِلَيْهَا، فَبَاعَهَا قَبْلَ أَنْ يَقْبُضَهَا، فَكَأَنَّمَا دَفَعَ دِرَاهِمَهُ وَاسْتَفَادَ بِهَا رِبْحًا لِمَجْرَدِ دَفْعِهَا إِلَى الْبَائِعِ دُونَ الْقِيَامِ بِعَمَلٍ مَا وَهَذَا شَبِيهٌ بِالرِّبَا، ثُمَّ إِنَّ فِي هَذَا الْبَيْعِ غُرْرًا نَاشِئًا عَنْ عَدَمِ الْقُدْرَةِ عَلَى التَّسْلِيمِ^(۱).

ترجمہ:- غیر مقبوض کی بیع کو بالکل ناجائز قرار دینے کی حکمت یہ ہے کہ یہ بیع سود کے مشابہ ہے اس لئے کہ اس میں خریدار بائع کو دراہم دے کر قبضہ کرنے سے پہلے آگے بیچ دے دیتا ہے چونکہ اس نے محض بائع کو دراہم دے کر یہ نفع حاصل کیا، عملی طور پر کوئی کام نہیں کیا تو یہ عمل سود کے مشابہ ہے اس کے علاوہ اس میں بیع ”غیر مقدور التسلیم“ ہونے کی وجہ سے ”غرر“ کی خرابی پائی جاتی ہے۔

۳- مزدور طبقے کے لئے نقصانات

بیع قبل القبض کی وجہ سے ایک اور معاشی خرابی یہ لازم آتی ہے کہ اس کی وجہ سے مزدور طبقے کو بے روزگاری اور مالی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لئے کہ اگر بیع پر قبضہ ضروری ہو تو خریدار مزدوروں کے ذریعے وہ چیز اٹھوا کر اپنے قبضہ میں لائے گا لیکن اگر پڑی پڑی چیز کو آگے بیچا جاتا رہا تو اس طرح ان مزدوروں کو مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا جن کا روزگار اس کام کے ساتھ وابستہ ہے اور ملنے والا نفع سارا تاجر کی جیب میں جائے گا۔

ڈاکٹر صدیق الضریر لکھتے ہیں :

إِنَّ فِي بَيْعِ السَّلْعِ قَبْلَ قَبْضِهَا حَرَمًا لَعَدَدِ كَبِيرٍ مِنَ الْعَمَالِ الَّذِينَ يَقُومُونَ بِالْكَيْلِ وَالْحَمَلِ، فَإِنَّ التَّاجِرَ يُفْضَلُ أَنْ يَبِيعَ السَّلْعَةَ وَهِيَ فِي مَكَانِهَا مَا دَامَ يَجِدُ رِبْحًا، ثُمَّ إِنْ لَوْ أَبْخُنَا لِلتَّجَارِ بَيْعَ السَّلْعِ قَبْلَ قَبْضِهَا، فَإِنْ أَسْعَارُهَا تَرْتَفِعُ فَهِيَ فِي مَكَانِهَا فَتَعُودُ الْفَائِدَةُ كُلُّهَا إِلَى طَبَقَةِ التَّجَارِ، وَلَا يَنَالُ الْعَامِلُ فَائِدَةً مِنْ هَذِهِ الْعَمَلِيَّاتِ فِي حِينِ أَنَّهُ يَنَالُهُ ضَرَرٌ لِلْعَامِلِ، أَمَّا مَنَعَ بَيْعِ السَّلْعِ قَبْلَ قَبْضِهَا فَإِنْ فِيهِ مَصْلَحَةٌ لِلْعَمَالِ وَلَا ضَرَرٌ فِيهِ عَلَى التَّجَارِ.^(۱)

ترجمہ:- سامان کی بیع قبل القبض کرنے سے ان بہت سے مزدوروں کو روزگار سے محرومی کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو تاپنے (تولنے) اور سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا کام کرتے ہیں اس لئے کہ جب تاجر کو اسی حال میں نفع ملنے کی توقع ہوتی ہے تو اسے وہیں رکھ کر بیچنے کو ترجیح دیتا ہے۔ اب سامان کے اپنی جگہ پر ہونے کے باوجود اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے جس کا سارا فائدہ تاجر کو ہوتا ہے اور مزدوروں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ انہیں گرانی کے نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اس عمل میں مزدور کا نقصان ہے جبکہ بیع قبل القبض سے منع کرنے میں مزدور کا بھی فائدہ ہے اور تاجر کا کوئی نقصان نہیں۔

سٹہ (Speculation) اور اس کی حقیقت

سٹہ جو عصرِ حاضر میں بہت زیادہ رواج پکڑ چکا ہے اس کے اندر غیر مملوک کی بیع اور بیع قبل القبض کا دخل ہے۔ سٹہ دراصل اس معاملے کو کہتے ہیں کہ جس میں بائع اور خریدار میں سے کسی کا ارادہ عملاً بیع پر قبضہ کرنے کا نہیں ہوتا بلکہ اس میں قیمتوں کا فرق برابر کر کے نفع کمایا جاتا ہے۔

آج کل تجارتی کمپنیوں کے شیئرز میں یہ کاروبار کافی رواج پذیر ہے کہ ایک شخص کسی کمپنی کے شیئرز (Shares) جس کی فی الحال قیمت دس روپے فی شیئر ہے، ایک مہینہ ادائیگی کے وعدے پر گیارہ روپے میں خرید لیتا ہے، پھر قبضہ کرنے سے پہلے بارہ روپے فی شیئر فروخت کرتا ہے۔ دوسرا تا جبرائے آگے فروخت کرتا ہے اس طرح مقررہ تاریخ آنے تک کئی ہاتھوں میں اس کی بیع ہو جاتی ہے اور جب مقررہ تاریخ آتی ہے تو شیئرز حوالے کرنے کے بجائے اس دن شیئرز کی قیمت دیکھ کر قیمتوں کا فرق برابر کر لیا جاتا ہے۔ اس طرح بعض کو محنت اور کسی چیز کا ضمان اٹھائے بغیر لاکھوں روپے کا نفع جبکہ بعض کو لاکھوں روپے کا خسارہ ہوتا ہے۔

سٹہ کا یہ طریقہ صرف تجارتی کمپنیوں کے شیئرز کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام اجناس میں بھی جاری ہے مثلاً زید نے یہ حساب لگایا کہ آج گندم کی قیمت دس روپے فی کلو ہے اور آہستہ آہستہ اس کی قیمت گر رہی ہے لیکن وہ اپنے تجارتی تجربے کی بنیاد پر اندازہ لگاتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد اس کی قیمت زیادہ ہو جائیگی تو زید نے سوچا کہ ابھی گندم فروخت کر دوں اور جب قیمت کم ہوگی تو دوبارہ خرید لوں گا۔ اس نے بکر سے کہا کہ میں دس روپے فی کلو کے حساب سے دو مہینے کی ادائیگی پر پچاس من گندم تمہیں فروخت کرتا ہوں حالانکہ

اس کے پاس گندم بالکل نہیں۔ بکر نے اسی تاریخ پر ساڑھے دس روپے فی کلو کے حساب سے یہ گندم خالد کو فروخت کر دی۔ اسی طرح سودے ہوتے رہے، جب ادائیگی کا وقت آیا تو سب نے مل کر حساب کیا کہ اس خرید و فروخت کے نتیجہ میں کس کو کتنا نقصان اور کتنا نفع ہوا۔ اور پھر اسی حساب سے لین دین کر لیا۔ اس عمل کو ”ڈیفینس برابر کرنا“ کہتے ہیں۔^(۱)

سٹہ کے ناجائز ہونے کی وجوہات

سٹہ کی حقیقت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دو خرابیاں پائی جاتی ہیں

۱۔ غیر مملوک کی بیع

عام طور پر بیچی جانے والی چیز (مثلاً شیراز یا گندم وغیرہ) فروخت کرنے والے شخص کے پاس بیع موجود نہیں ہوتی لیکن وہ اسے اس امید پہ آگے فروخت کرتا ہے کہ جب دینے کا وقت آئے گا تو وہ اس وقت بازار سے خرید کر آگے دے گا۔ تو اس طرح یہ غیر مملوک کی بیع بن جاتی ہے جو کہ شرعاً ممنوع ہے۔

۲۔ بیع قبل القبض

اس کے ساتھ ساتھ سٹہ کے جو معاملات ہوتے ہیں، وہ بیع قبل القبض کی صورت میں ہوتے ہیں کہ اس چیز پر قبضہ ہونے سے پہلے ہی وہ معاملات مکمل ہو جاتے ہیں۔

(۱) تقریر ترمذی، عثمانی (مولانا محمد تقی عثمانی) کراچی، مین اسلامک پبلشرز، طبع

اول اپریل ۱۹۹۹ م (۱۰۶/۱)۔

مستقبل کی تاریخ پر خرید و فروخت

(Future Sale)

مستقبل کی تاریخ پر خرید و فروخت کو عربی زبان میں ”عقود المستقبلیات“ اور انگریزی زبان میں ”Future Sale“ کہا جاتا ہے اس کی حقیقت بھی تقریباً وہی ہے جو سہ کی ہے اور نقصانات بھی اسی جیسے ہیں۔

”انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا“ میں اس کی تعریف اس الفاظ میں کی گئی ہے:-

Commercial contracts calling for the purchase or sale of specified quantities of commodities at specified future dates.⁽¹⁾

ترجمہ:- یہ وہ عقد تجارت ہے جس کا مقصد کسی چیز کی معین مقدار کو مستقبل کی کسی معین تاریخ میں بیچنا یا خریدنا ہوتا ہے۔

عقود المستقبلیات (Future Sale)

اور غائب سودے (Forward Sale) میں فرق

عقود المستقبلیات سے ملتی جلتی ایک اور صورت ہے جسے غائب سودا کہتے ہیں۔ بیع ہونے کے بعد بیع کے قبضے کے لئے اگر مستقبل کی کوئی تاریخ مقرر ہو جائے تو اصولی طور پر اسے عقود المستقبلیات بھی کہتے ہیں اور غائب سودا بھی، لیکن آج کل عملی طور پر ان دونوں میں فرق ہوتا ہے۔ عقود المستقبلیات میں عام طور پر بیع کی سپردگی اور اس پر قبضہ کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اصل مقصد یا تو نفع کی امید پر اپنی رقم داؤ پر لگانا ہوتا ہے یا اس کے ذریعے کسی غائب سودے (Forward Sale) کی ضمانت مقصود ہوتی ہے جبکہ غائب سودے

(1) The new encyclopedia , the university of chicago , chicago edition 1988,v.5page .62

میں مستقبل کی تاریخ میں قبضہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔^(۱)

چنانچہ انسائیکلو پیڈیا میں اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے:-

The term commodity is used to define the underlying asset, even though the product is frequently divorced from the product, It therefore differs from a simple forward purchase in the cash market, which involves actual delivery of the commodity at the agreed time in the future.⁽²⁾

عقود مستقبلیات (Future Sale) میں ”سلع“ (commodity)

کی اصطلاح صرف اس لئے استعمال کی جاتی ہے تاکہ معاملے میں

اس کو بنیاد بنایا جاسکے (ورنہ یہ چیزیں بذات خود مقصود نہیں ہوتیں)

بلکہ عام طور پر یہ معاملہ اشیاء سے خالی ہوتا ہے، لہذا اس اعتبار سے

عقود مستقبلیات اور غائب سودے آپس میں مختلف ہیں کیونکہ غائب

سودے میں واقعہ مستقبل کی متفقہ تاریخ پر سامان کی سپردگی اور قبضہ

عمل میں آتا ہے (جبکہ یہاں ایسا نہیں ہوتا)۔

اس کی وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ مثلاً زید بکر سے جنوری میں مارچ کی

کسی تاریخ پر دس ہزار روٹی کی گانٹھیں دس ہزار ڈالر کے بدلے میں خریدتا ہے یہ معاملہ

ہونے کے بعد اب روزانہ بیع و شراء ہوتی رہتی ہے۔ بعض مرتبہ ایک دن میں دس دس مرتبہ

بیع ہوتی ہے مثلاً زید بکر سے خرید کر خالد کو بیچتا ہے، خالد عمرو کو، عمرو حامد کو فروخت کرتا ہے

ہر شخص اپنا نفع رکھ کر زیادہ دام میں آگے فروخت کرتا ہے قیمت خرید اور قیمت فروخت کے

درمیان ہونے والا فرق اس شخص کا نفع ہوتا ہے اور اس بیع میں نہ تو خریدار کو پوری قیمت کا

مطالبہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ بائع کے لئے بیع کی سپردگی کی ضرورت ہوتی ہے

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت، عثمانی (مولانا محمد تقی عثمانی) کراچی، ادارۃ المعارف، طبع جدید

ذیقعدہ ۱۴۱۹ھ مارچ ۱۹۹۹ء، ص: ۷۳۔

(2) The new encyclopedia . the university of chicago . page .62

بلکہ درمیانی فرق کی ادائیگی کر دی جاتی ہے جیسے مثال مذکور میں زید نے بکر سے دس ہزار ڈالر کی روٹی خریدی ہے۔ اگر یہ خالد کو گیارہ ہزار ڈالر میں فروخت کرے تو اب عقد ہونے کے بعد زید اس سے صرف ایک ہزار ڈالر وصول کرے گا۔

ان معاملات کو نمٹانے کے لئے بازارِ حصص میں ایک کمرہ مخصوص کر دیا جاتا ہے، جسے ”کلیئرنگ ہاؤس“ (Clearing House) کہا جاتا ہے بازار میں جتنے معاملات ہوتے ہیں، وہ سب اس کلیئرنگ ہاؤس میں درج ہوتے ہیں اور شام کے وقت ان کا تصفیہ کیا جاتا ہے چنانچہ مذکورہ صورت میں خالد اسی روز شام کو اپنے نفع کے ایک ہزار ڈالر ”کلیئرنگ ہاؤس“ سے وصول کر کے معاملے سے الگ ہو جاتا ہے۔ مارچ کا مہینہ آنے تک جتنے معاملات ہوتے ہیں، ان سودوں کی ترتیب یہی ہوتی ہے کہ روزانہ ان کا حساب ہو جاتا ہے، پھر جب مقررہ تاریخ آتی ہے تو اس وقت آخری خریدار کو اطلاع دی جاتی ہے کہ سپردگی کی تاریخ آرہی ہے، اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟ کیا تم اس تاریخ پر روٹی پر قبضہ کرنا چاہتے ہو یا اس معاملے کو آگے فروخت کرنا چاہتے ہو اگر وہ روٹی لینے کا خواہشمند ہو تو بائع اسے مطلوبہ روٹی دے دیتا ہے۔ اسے ”غائب سودا“ کہتے ہیں اور اگر یہ روٹی نہیں لینا چاہتا بلکہ اس عقد کی آگے بیع کرنا چاہتا ہے تو اس صورت میں سب سے آخری خریدار سب سے پہلے بائع کے ساتھ دوبارہ عقد کرتا ہے اور قیمت خرید و فروخت کے درمیانی فرق کے ذریعے تصفیہ کر لیا جاتا ہے۔ اسے ”Future Sale“ کہتے ہیں۔ عام طور پر یہی دوسری صورت پائی جاتی ہے اور پہلی صورت کی نوبت کم ہی آتی ہے۔

شرعی حکم

مستقبلیات کی بیع شرعاً ناجائز ہے اور اس کے ناجائز کی پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ غیر مملوک کی بیع ہوتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس میں قبضہ سے پہلے آگے بیع کر دی جاتی ہے اور بیع القبض شرعاً ناجائز ہے۔

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں:-

أما حكمها الشرعي، فكل من له إمام بقواعد الشريعة ومصالحها، لا يشك بعد النظر في تفاصيل هذه العملية أنها عملية محرمة شرعاً ومصادمة لعدة أحكام الشريعة الغراء. أما أولاً، فلأنه بيع لما لا يملكه الإنسان أما البيوع اللاحقة التي تتم خلال مدة التسليم، فإنها بيوع تتم قبل القبض على السلعة المباعة.^(۱)

ترجمہ:- جہاں تک عقود المستقبليات کے شرعی حکم کا تعلق ہے تو جو شخص شرعی قواعد اور مصالح کو جانتا ہے، اسے اس معاملہ کی تفصیل جاننے کے بعد ذرہ برابر بھی تردّد نہ ہوگا کہ یہ بیع شرعاً حرام اور شریعت کے بہت سے احکام سے متصادم ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اس معاملے میں ایسی چیز کی بیع ہوتی ہے جو ابھی انسان کی ملکیت میں نہیں ہے اور پھر اس کے بعد سپردگی کی مدت آنے تک جو معاملات ہوتے ہیں، وہ بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے ہوتے ہیں۔

کرنسی کی خرید و فروخت میں عقود المستقبليات (Future Sale) کی ایک صورت

عقود المستقبليات سے متعلق کرنسی کی خرید و فروخت کی ایک بین الاقوامی صورت ایسی ہے جو غالباً دنیا میں سب سے زیادہ وقوع پذیر ہے۔ اس کا طریقہ کار اس طرح ہے کہ جو لوگ عام طور پر یہ کاروبار کرتے ہیں، وہ براہ راست خرید و فروخت نہیں کر سکتے بلکہ کسی کمپنی کے ذریعے یہ کاروبار کرتے ہیں۔

اس کا عام اصول یہ ہے کہ ایک لاکھ جس کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے وہ کمپنی کے ذریعے خرید کر آگے فروخت کی جاتی ہے مثلاً ایک لاکھ اگر دو لاکھ ڈالر کی ہے تو کمپنی

اپنے عمل (Client) سے 5% یعنی صرف ایک ہزار ڈالر لیتی ہے۔ ایک ہزار ڈالر کا اکاؤنٹ کھلوا کر وہ شخص اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ بین الاقوامی مارکیٹ سے ایک لاکھ خرید سکے۔ زر ضمانت کمپنی خود جمع کراتی ہے جس پر وہ فیس وصول کرتی ہے۔

اب یہ شخص کمپیوٹر اسکرین پر دنیا کے مختلف بینکوں کی طرف سے دی گئی کرنسی کی قیمتوں کا جائزہ لیتا رہتا ہے اور کرنسی کے ماہرین سے رابطہ کر کے معلوم کرتا ہے کہ آئندہ کس کرنسی کی قیمت بڑھنے یا کم ہونے کی توقع ہے نیز کمپیوٹر اسکرین پر بھی اس کرنسی کے مالی استحکام کا پتہ چلتا رہتا ہے جس سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ آئندہ دنوں میں اس کی صورتحال کیا ہوگی۔

ان تمام قرائن کے بعد ایک رائے قائم کر کے کسی کرنسی کو خریدتا ہے مثلاً اسکرین پر اسٹرلنگ پاؤنڈ کی قیمت 1.6400 پوائنٹ نظر آئی ہے تو وہ کمپنی کے ذریعے متعلقہ بینک سے اس قیمت کی تصدیق کراتا ہے کہ کیا اب بھی قیمت فروخت وہی ہے یا اس میں کچھ کمی و بیشی واقع ہوئی ہے۔ عام طور پر وہ قیمت میں معمولی فرق ظاہر کرتے ہیں۔ تصدیق کے بعد یہ پہلے زبانی معاہدہ کرتا ہے کہ ایک لاکھ ہم نے خرید لی پھر اسی معاہدہ کو تحریری شکل دے کر بذریعہ فیکس ان تک پہنچاتا ہے۔ کمپنی اس شخص کے اکاؤنٹ میں یہ بات درج کر دیتی ہے کہ اس نے ایک لاکھ خریدی اور جب یہ شخص اسے آگے فروخت کرتا ہے تو اگر اسے نفع ہو تو صرف نفع کی رقم اسے دے دی جاتی ہے اور اگر نقصان ہو تو اس سے وہ نقصان طلب کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً مثال مذکور میں اس نے 1.64 کے حساب سے پاؤنڈ خریدا اور پھر اسے 1.65 میں فروخت کر دیا تو اسے 0.01 پوائنٹ نفع میں ملے۔ بین الاقوامی سطح پر ہر پوائنٹ کی قیمت مقرر ہوتی ہے مثلاً اگر پوائنٹ کی قیمت تیس (۳۰) ڈالر ہو تو اسے 3. ڈالر کا فائدہ ہوگا۔ اور اگر قیمت گر جائے تو اسی طرح اسے نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس کاروبار میں کمپنی بہت سی سہولتیں فراہم کرتی ہے مثلاً ٹیلی فون کے ذریعے رابطہ، انٹرنیٹ سسٹم، دو لاکھ ڈالر کا زر ضمانت وغیرہ، ان سہولیات کے فراہم کرنے پر کمپنی اس شخص سے کچھ کمیشن لی جاتی ہے یہ فیس ہر حال میں ادا کرنا ضروری ہوتی ہے خواہ کاروبار کرنے

والے کو نفع ہو یا نقصان اور اسے یہ کرنسی آگے فروخت کرنے میں تاخیر ہو تو روزانہ کا کمیشن الگ سے ادا کیا جاتا ہے۔

شرعی حکم

مذکورہ کاروبار کی ذکر کردہ تفصیل کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ کاروبار درج ذیل وجوہ کی بنیاد پر ناجائز ہے:-

۱- اس کاروبار میں جب کوئی شخص لاٹ خریدتا ہے تو وہ لاٹ خریدار کو متعین اور الگ کر کے حوالے نہیں کی جاتی بلکہ اس کے اکاؤنٹ میں درج کردی جاتی ہے اور پھر خرید و فروخت کے بعد نفع و نقصان کا فرق برابر کر لیا جاتا ہے تو یہ صورت سٹہ کی ایک قسم بن جاتی ہے۔

۲- اس میں لاٹ پر حقیقی یا حکمی قبضہ نہیں ہوتا، حقیقی نہ ہونا تو واضح ہے کہ خریدار ایک ملک میں ہے اور اس نے کسی دوسرے ملک میں لاٹ خرید رکھی ہے اور حکمی قبضہ (Constructive Possession) اس لئے نہیں ہوتا کہ حکمی قبضے کے لئے ضروری ہے کہ خریدی ہوئی کرنسی غیر خریدی ہوئی کرنسی سے بالکل ممتاز کر کے الگ کر لی جائے اور پھر خریدار یا تو خود اس پر قبضہ کرے یا اس کا کوئی وکیل اس کی طرف سے اسے اپنی تحویل میں اس طرح لے لے کہ اگر متعینہ کرنسی جل جائے یا چوری وغیرہ ہو جائے تو نقصان اس خریدار کے ذمہ سمجھا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت مذکورہ کاروبار میں نہیں۔

یہاں پر یہ بات عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ کرنسی اور دیگر اجناس کی تعین میں یہ فرق ہے کہ دوسری اجناس اشارے یا علامتوں سے متعین ہو سکتی ہیں لیکن کرنسی اس وقت تک متعین نہیں ہوتی جب تک کہ اس پر کوئی شخص خود یا اپنے کسی نمائندہ کے ذریعے قبضہ نہ کرے۔

۳- مذکورہ مثال میں لاٹ کی خریداری کے لئے خریدار صرف ایک ہزار ڈالر کی ادائیگی کرتا ہے اگرچہ باقی رقم کمپنی بطور زر ضمانت جمع کراتی ہے مگر درحقیقت خریدار کے

کے ذمے دین (قرض) ہوتی ہے۔ دوسری طرف کرنسی بیچنے والا شخص خریدار کو اس شرعی طریقے پر قبضہ نہیں دیتا جس کی تفصیل اوپر بیان ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ رقم دونوں کی طرف سے ”دین“ ہوتی ہے، لہذا یہ ”بیع الکالی بالکالی“ میں داخل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔

۴۔ درمیانی کمپنی جو کمیشن وصول کرتی ہے وہ یا تو ضمانت کی فیس یا اس رقم کا معاوضہ ہے جو کمپنی خریدار کی طرف سے بیچنے والے کو ادا کرتی ہے۔ پہلی صورت میں یہ ”اجرت علی الکفالة“ ہے اور دوسری صورت میں یہ قرض پر سود ہے اور دونوں طریقے ناجائز ہیں۔^(۱)

معدوم چیز بیچنے کا حکم (البضائع المستقبلة)

بیع کے معنی برخطر ہونے کی صورتوں میں سے ایک صورت معدوم اشیاء کی خرید و فروخت کی ہے۔ یہاں پر معدوم سے مراد وہ اشیاء ہیں جو فی الحال موجود نہیں البتہ مستقبل میں ان کے وجود میں آنے کی اُمید تو ہے لیکن یقین نہیں، انہیں البضائع المستقبلة (Future Goods) کہا جاتا ہے۔ ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معدوم اشیاء کی خرید و فروخت جائز نہیں۔

چنانچہ علامہ کاسانی بیع کی شرائط کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

وَأَمَّا الَّذِي يَرْجِعُ إِلَى الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ فَأَنْوَاعٌ مِنْهَا أَنْ يَكُونَ
مَوْجُودًا فَلَا يَنْعَقِدُ بَيْعُ الْمَعْدُومِ وَمَالِهِ خَطَرُ الْعَدَمِ.^(۲)

ترجمہ:- بیع صحیح ہونے کی جو شرائط بیع سے متعلق ہیں، اس کی کئی

(۱) رجسٹر لقل فتاویٰ، جامعہ دارالعلوم کراچی (۶/۲۶۳)۔

(۲) بدائع الصنائع (۵/۱۳۸)۔

قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ بیع عقد کے وقت موجود ہو
لہذا معدوم چیز یا وہ چیز جو معدوم کے مشابہ ہو، اس کی بیع جائز نہیں۔
علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:-

بيع المعدوم باطل بالإجماع.^(۱)

ترجمہ:- معدوم کی بیع بالاجماع باطل ہے۔

علامہ ابن قدامہؒ حمل الحمل کی بیع کے عدم جواز کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-
لأنه بيع معدوم.^(۲)

ترجمہ:- کیونکہ یہ معدوم چیز کی بیع ہے۔

علامہ وہبہ الزحیلیؒ لکھتے ہیں:-

اتفق أئمة المذهب أنه لا ينعقد بيع المعدوم وماله خطر
العدم كبيع نتاج الناج ومن الملحق بالمعدوم: بيع
لؤلؤ في صدف، وبيع اللبن في الضرع وبيع الصوف على
ظهر الغنم ومثله، بيع الكتاب قبل طبعه، فإن ذلك لا يجوز
عند جمهور الفقهاء.^(۳)

ترجمہ:- ائمہ مذاہب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معدوم اور وہ چیز جو
معدوم کے مشابہ ہو ان کی بیع جائز نہیں جیسے حمل الحمل کی بیع..... اور
معدوم سے ملتی جلتی صورتیں جیسے صدف کے اندر موتی، تھن کے اندر
دودھ، بکری کی پشت پر اُون اور طبع ہونے سے پہلے کتاب کی بیع، یہ
جمہور فقہاء کے نزدیک جائز نہیں۔

(۱) المجموع شرح المہذب (۳۵۸/۹)۔

(۲) المغنی (۳۰۰/۶)۔

(۳) الفقہ الاسلامی وأدلته (۴۲۸/۴)۔

عدم جواز کے دلائل

قرآن و حدیث کے اندر کوئی ایسی صریح عبارت نہیں ملی جس میں صراحتاً بیع المعدوم کے الفاظ ذکر کر کے اس پر عدم جواز کا حکم لگایا گیا ہو البتہ فقہائے کرام نے مختلف روایات سے استدلال کرتے ہوئے بیع المعدوم کو ناجائز قرار دیا ہے۔ ان میں سے تین قسم کی روایات زیادہ واضح ہیں۔

الف۔ غمر کی ممانعت سے متعلق روایات

ان سے استدلال کرتے ہوئے علامہ شیرازی نے بیع المعدوم کو ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

ولا يجوز بيع المعدوم كالثمرة التي لم تخلق لما روى
أبو هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن
بيع الغرر.^(۱)

ترجمہ:- معدوم چیز جیسے وہ پھل جو ابھی تک پیدا نہ ہوئے ہوں، ان کی بیع جائز نہیں کیونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غرر والی بیع سے منع فرمایا۔ علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں:-

ومن جملة بيع الغرر بيع السمك في الماء والمعدوم
والمجهول.^(۲)

ترجمہ:- بیع الغرر میں پانی کے اندر مچھلی کی بیع معدوم کی بیع اور مجہول چیز کی بیع شامل ہیں۔

(۱) المہذب (۱/۲۶۲)۔

(۲) نیل الأوطار (۵/۱۲۵)۔

ب۔ بیع المعاومہ سے ممانعت کے متعلق روایات

بیع المعاومہ کا مطلب یہ ہے کہ باغ کے پھل کو کئی سالوں تک کے لئے فروخت کر دیا جائے۔ اس کو ”بیع السنین“ بھی کہا جاتا ہے، شرعاً یہ بیع جائز نہیں۔ حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے بھی فقہائے کرام نے بیع المعدوم کو ناجائز قرار دیا ہے اس لئے اس میں ان پھلوں کی بیع ہو جاتی ہے جو ابھی تک درختوں پر لگے نہیں ہوتے۔ چنانچہ علامہ شیرازیؒ نے بیع المعدوم کے عدم جواز کی دلیل کے طور پر بیع المعاومہ کی روایت کو بھی ذکر فرمایا ہے۔^(۱)

ج۔ حمل الحمل سے متعلق روایات

ان کے علاوہ وہ روایات جن میں حمل الحمل کی بیع کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، ان روایات سے استدلال کرتے ہوئے بھی فقہائے کرام نے بیع المعدوم کو ناجائز قرار دیا ہے۔^(۲)

علامہ ابن تیمیہ اور ابن القیم رحمہما اللہ کی رائے

علامہ ابن تیمیہ اور ابن القیم کی رائے یہ ہے کہ اگر معدوم چیز ایسی ہے کہ مستقبل میں عادۃً اس کے پائے جانے کا یقین یا غالب گمان ہے تو اس کی بیع جائز ہے اور اگر مستقبل میں بھی اس کا وجود میں آنا موهوم ہے تو اس کی بیع جائز نہیں۔^(۳)

انہوں نے اپنے مذہب کی تائید میں درج ذیل دو دلائل بیان فرمائے ہیں:-

۱۔ کسی چیز کی خرید و فروخت کے جائز یا ناجائز ہونے کا مدار اس بات پر نہیں کہ وہ موجود ہے یا معدوم بلکہ اصل مدار ”غرر“ ہے لہذا اگر ”غرر“ کی علت موجود چیز میں پائی

(۱) المہذب (۱/۲۶۲)۔

(۲) اس کے لئے ابن قدامہ اور وہبۃ الزحلی کی ذکر کردہ عبارات ملاحظہ فرمائیے۔

(۳) الفقہ الإسلامی وأدلته (۳/۴۲۹)؛ أجاز ابن القیم وأستاذہ ابن تیمیہ بیع المعدوم عند العقد إذا كان محقق الوجود فی المستقبل بحسب العادة بیع المعدوم إذا كان مجهول الوجود فی المستقبل باطل۔

جائے گی تو اس کی بیع ناجائز ہو جائے گی اور اگر معدوم میں ہوگی تو اس کی بیع بھی ناجائز قرار پائے گی۔

قرآن و سنت اور صحابہ کرام کے کسی قول سے علی الاطلاق بیع المعدوم کا ناجائز ہونا ثابت نہیں بلکہ صرف بعض مخصوص معدوم چیزوں کی خرید و فروخت کا ناجائز ہونا ثابت ہے اور یہ چیزیں وہ ہیں جن میں غرر (بوجہ غیر مقدور^(۱) لتسلیم ہونا) پایا جا رہا ہے لہذا ان روایات کی بنیاد پر بیع المعدوم کو علی الاطلاق ناجائز کہنا درست نہیں۔^(۱)

۲۔ بعض مواقع پر شریعت نے بیع المعدوم کو ناجائز قرار دیا ہے جیسا کہ درختوں پر پھلوں کے ظاہر ہونے اور بدو صلاح (پکنے) کے بعد ان کی بیع۔ حالانکہ اس کے بعد پھل بڑھتے ہیں لہذا یہ عقد موجود اور معدوم دونوں پر ہوا۔^(۲)

ترجیح

ائمہ اربعہ اور امام ابن تیمیہ و ابن قیم رحمہم اللہ کے مذاہب و دلائل پر غور کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ اختلاف حقیقی نہیں۔ ائمہ اربعہ کے ہاں بیع المعدوم کے ناجائز ہونے کی وجہ بھی ”غرر“ ہے جیسا کہ علامہ شیرازی اور علامہ کاسانی کی ذکر کردہ عبارات میں اس کی تصریح ہے اور ابن تیمیہ وغیرہ کا کہنا بھی یہ ہے کہ عدم جواز کی علت ”غرر“ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے ہاں پر معدوم میں یہ علت موجود ہے جبکہ ابن تیمیہ اسے تمام معدومات کے اندر تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔

(۱) إعلام الموقعین لابن القيم (۱: ۳۳۷، ۳۵۸)؛ لیس فی کتاب ولا فی سنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا فی کلام من الصحابة أن بیع المعدوم لا یجوز لا بلفظ عام ولا بمعنی خاص، وإنما فی السنة النہی عن بیع بعض الاشیاء الّتی هی معدومة کما فیہا النہی عن بیع بعض الاشیاء الموجودة فلیست العلة فی المنع لا العدم ولا الموجود بل الذی وردت به السنة النہی عن بیع الغرر وهو ما لا یقدر علی تسلیمه سواء کان موجودًا أو معدومًا کبیع العبد الأبق والبعر الشارد وإن کان موجودًا إذ موجب البیع تسلیم المبیع، فإذا کان البائع عاجزًا عن تسلیمه فهو غرر.

(۲) بحوالہ بالا (الوجه الثانی) أن نقول بل الشرع صحیح بیع المعدوم فی بعض المواضع فإنه أجاز بیع الثمر بعد بدو صلاحه والحب بعد اشتداده و معلوم أن العقد إنما ورد علی الموجود والمعدوم الذی لم یخلق بعد.

البتہ ائمہ اربعہ کی رائے اس اعتبار سے راجح معلوم ہوتی ہے کہ معدوم اشیاء کے اندر اصل ”غرر“ ہے کیونکہ بیع منعقد ہونے کے بعد بائع کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ فوراً بیع خریدار کے حوالے کرنے پر قادر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جن چیزوں کی بیع کو ”غیر مقدور التسليم“ ہونے کی وجہ سے ناجائز کہا گیا ہے ان سے مراد بھی یہ ہے کہ ان کی فوری سپردگی قدرت میں نہیں جیسے ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کی بیع یا پانی میں موجود مچھلی کی بیع^(۱) اگرچہ یہ ممکن ہے کہ کچھ دیر بعد انہیں پکڑ کر خریدار کے حوالے کیا جاسکے۔ لہذا اگر ایک موجود چیز کے اندر عقد کے فوراً بعد ”غیر مقدور التسليم“ ہونا پایا جاسکتا ہے تو جو چیز عقد کے وقت وجود ہی میں نہیں آئی، اس کا عقد کے وقت غیر مقدور التسليم ہونا تو اور واضح ہے۔

بيع الثمار قبل بدو الصلاح

(پھل پکنے سے پہلے اس کی خرید و فروخت)

بیع المعدوم کی ایک اہم صورت ”بيع الثمار قبل بدو الصلاح“ کی ہے۔ بدو^(۲) کے لغوی معنی ہیں ظاہر ہونا اور صلاح فساد کی ضد ہے۔ بدو صلاح سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفسیر میں کچھ اختلاف واقع ہوا ہے۔

علامہ ابن الہمام بدو الصلاح کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

(۳)

أن تأمن العاهة والفساد.

ترجمہ:- بدو صلاح یہ ہے کہ پھل آفت اور خراب ہونے سے محفوظ ہو جائے۔

(۱) ان کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

(۲) لسان العرب، ابن منظور (جمال الدین أبو الفضل المعروف بابن منظور ۶۳۰ھ-۷۱۱ھ)

بیروت، دار احیاء التراث العربی، الطبعة الأولى (المحققة) ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۸م (۱/۳۴۷)؛

بدأ؛ بدأ الشيء يبدو بدواً بُدُوًا وبدءاً وبدأاً الأخيرة عن سيبويه: ظهر.

انظر أيضاً: ناج العروس للزبيدي (۱۰/۳۱).

(۳) فتح القدير، لابن الهمام (۵/۳۸۹).

علامہ رملیؒ فرماتے ہیں :-

بدو صلاح الثمر ظهور مبادی النضج والحلاوة^(۱)

ترجمہ :- پھل کا بدو صلاح یہ ہے کہ اسپر پختگی اور مٹھاس کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو جائیں۔

ان دونوں کی تعریفوں کا نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے اور مراد یہ ہے کہ پھل کو پکنے سے پہلے فرخت کرنا جائز نہیں۔ البتہ پکنے کے آثار مختلف چیزوں میں مختلف ہوتے ہیں اس لئے تعریفوں میں لفظی اختلاف واقع ہو جاتا ہے۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں :-

اعلم أن بدو الصلاح متفاوت بتفاوت الآثار فبدو صلاح التين أن يطيب وتوجد فيه الحلاوة ويظهر السواد في أسوده والبياض في أبيضه وكذلك العنب الأسود بدو صلاحه أن ينحو إلى السواد وأن ينحو إلى البياض مع النضج وكذا الزيتون بدو صلاحه أن ينحو إلى السواد وبدو صلاح القشاء والفقوص أن ينعقد ويبلغ مبلغاً يوجد له طعم وأما البطيخ فأن ينحو ناحية إلى الإصفرار والطيب وأما اللوز فروى أشهب وابن نافع عن مالك أنه يباع إذا بلغ في شجره قبل أن يطيب فإنه لا يطيب حتى ينزع وأما الجذر واللفت والفجل والثوم والبصل فبدو صلاحه إذا استقل ورقه وتم وانتفع به ولم يكن في قلعه فساد^(۲)

(۱) نہایۃ المحتاج إلى شرح المنہاج الرملى (شمس الدین محمد بن أبی العباس أحمد بن حمزة ابن شہاب الدین الرملى المتوفى ۱۰۰۳ھ)، بیروت، دار إحياء التراث العربی (۱۳۸/۳)۔

(۲) عمدة القاری شرح صحیح البخاری، العینی (بدر الدین أبو محمد محمود بن أحمد العینی المتوفى ۸۵۵ھ) بیروت، دار الفکر (۴۹۲/۱۱)۔

ترجمہ:- مختلف اشیاء میں ان کے پکنے کے آثار مختلف ہوتے ہیں چنانچہ انجیر کے آثار یہ ہیں کہ اس میں سے مٹھاس معلوم ہو، اس کا سیاہ حصہ سیاہی کی طرف اور سفید حصہ سفیدی کی طرف مائل ہو، انگور کے اندر بھی یہی نشانی ہے اور زیتون کے اندر نشانی یہ ہے کہ وہ سیاہی کی طرف مائل ہونے لگے۔ ککڑی اور فاقوس (خربوزہ کی ایک قسم) کے اندر علامت یہ ہے کہ وہ کھانے کے قابل ہو جائے۔ خربوزے کے اندر علامت یہ ہے کہ وہ زردی اور مٹھاس کی طرف مائل ہو، کیلے کے بارے میں امام مالک سے منقول ہے کہ جب وہ درخت پر کھڑے ہوئے اپنا پورا سائز اختیار کر لیں تو انہیں فروخت کرنا جائز ہے کیونکہ درخت سے اتارے بغیر ان میں مٹھاس نہیں آتی۔ گاجر، شلغم، مولیٰ، لہسن اور پیاز کی علامت یہ ہے کہ انکا چھلکا مضبوط ہو جائے اور اس سے انتفاع ممکن ہو اور اسے اکھاڑنے سے کوئی خرابی پیدا نہ ہو۔

پھلوں کی خرید و فروخت کی صورتیں اور ان کا حکم

پھل ظاہر ہونے سے پہلے بیع کرنا

اگر پھل درخت پر ظاہر ہی نہ ہوا ہو تو اس کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے۔ علامہ ابن

الہمامؒ لکھتے ہیں:-

(۱) لا خلاف فی عدم جواز بیع الثمار قبل أن تظهر.

ترجمہ:- پھلوں کے ظاہر ہونے سے قبل ان کی بیع کے ناجائز میں کوئی اختلاف نہیں۔

(۱) فتح القدیر لابن الہمام (۳۸۸/۵).

..... انظر أيضا: المهذب الشيرازی (الإمام أبو إسحاق الشيرازی) مصر، عیسیٰ البابي الحلبي

وشرکاءه (۲۶۲/۱).

علامہ شیرازی اور علامہ کاسانیؒ اس بیع کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ذکر کرتے ہیں کہ یہ بیع المعدوم ہے چنانچہ علامہ شیرازیؒ فرماتے ہیں:-

(۱) ولا يجوز بيع المعدوم كالثمرة التي لم تخلق.

ترجمہ:- معدوم چیز جیسے پیدا ہونے سے پہلے پھلوں کی بیع کرنا جائز نہیں۔

اور علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:-

لا ينعقد بيع المعدوم وكذا بيع الثمر والزرع قبل ظهوره لأنها معدوم.

ترجمہ:- بیع المعدوم منعقد نہیں ہوتی..... اسی طرح پھلوں اور کھیتی کی بیع بھی ان کے ظاہر ہونے سے قبل کر دی جائے تو وہ منعقد نہیں ہوتی کیونکہ یہ دونوں معدوم ہیں۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس بیع میں غرر پایا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-
شراء الثمر قبل أن يخرج وأشباهه فاسد لأنه يباع ما لم يكن بعد أو لم يدر ما هو وقد بلغنا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه نهى عن بيع الغرر وهذا عندنا من الغرر.

ترجمہ:- پھل کے نکلنے سے پہلے اس کی بیع کرنا اور ان جیسے معاملات فاسد ہیں کیونکہ اس نے ایسی چیز بیچی، جو ہو سکتا ہے کہ بعد میں نہ ہو (اگر ہو تو) یہ معلوم نہیں کہ کتنی ہو۔ ہم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے غرر سے منع فرمایا اور یہ ہمارے

(۱) المہذب، بحوالہ بالا.

(۲) بدائع الصنائع للکاسانی (۳۸/۵).

(۳) کتاب الأصل المعروف بالمبسوط، الشیبانی (الإمام أبو عبد الله بن الحسن الشیبانی

۱۳۲-۱۸۹ھ) کراتشی، إدارة القرآن والعلوم الاسلامیة (۹۳/۵).

نزدیک غرر ہے۔

ان دونوں اقوال کا نتیجہ ایک ہی ہے اس لئے کہ بیع المعدوم بھی دراصل بیع الغرر کی ہی ایک قسم ہے ممانعت کا یہ حکم عام ہے خواہ ایک سال کے لئے پھلوں کی بیع کی گئی ہو یا کئی سالوں کے لئے، دونوں صورتوں میں پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے ان کی بائع ناجائز ہے۔

البتہ علامہ ابن رشد الحفیدؒ نے حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی طرف اس کا جواز منسوب کیا ہے، لیکن ڈاکٹر صدیق الضریح کا کہنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں۔ اصل واقعہ جو علامہ ابن تیمیہ نے نقل فرمایا ہے، یہ ہے کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ان پر چھ ہزار درہم کا قرضہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان کے قرض خواہوں کو بلایا اور انہیں یہ زمین کئی سالوں کے لئے دے دی حالانکہ اس میں کھجوریں اور دوسرے درخت بھی تھے۔ اگر اسی واقعہ کی بنیاد پر نسبت کی گئی ہے تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ اس واقعہ سے کسی طرح یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت عمرؓ بیع السنین کو جائز قرار دیتے ہیں بلکہ اس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کے قرض کے بدلے قرض خواہوں میں انہیں زمین اور اس کے منافع دیئے تھے تاکہ اس کے ذریعے وہ اپنا قرض وصول کریں۔

موصوف لکھتے ہیں:-

وقد قرأت فی القواعد النورانیة الفقهية خبراً یبدو لی أنه
سبب هذه النسبة، وهذا الخبر هو ما رواه حرب الكرمانی
فی مسائله عن سعید بن منصور قال: حدثنا عباد بن عباد
وعن هشام بن عروہ عن أبيه: أن اسید بن حضیر توفي وعليه

(۱) بداية المجتهد ونهاية المقتصد، ابن رشد الحفید (أبو الولید محمد بن أحمد بن أحمد بن رشد القرطبی الأندلسی الشهیر بابن رشد الحفید المتوفی ۵۹۵ھ) مصر، مطبعة محمد علی صبیح (۱۲۲/۲)۔

سنة آلاف درهم فدعا عمر غرمائه فأعطاهم أرضه سنين،
وفيهما النخل والشجر فإن صح أن هذا هو ما اعتمد عليه من
نسب الجواز إلى عمر فإن هذه النسبة لا تكون مقبولة لأن
الخبر لا يدل عليه هو أن عمر يجوز بيع السنين وكل ما يدل
عليه هو أن عمر أعطى غرماء أسيد أرضه ينتفعون بها
وبأثمار شجرها إلى أن يستوفوا ديونهم وليس هذا من بيع
الثمر السنين المنهى عنه.^(۱)

پھل ظاہر ہونے کے بعد بیع کی صورتیں

پھل ظاہر ہونے کے بعد بیع کرنے کی ابتداء دو صورتیں ہیں:-

۱- بیع قبل بدو الصلاح (پھل پکنے سے پہلے اس کی خرید و فروخت)۔

۲- بیع بعد بدو الصلاح (پھل پکنے کے بعد اس کی خرید و فروخت)۔

پھر ان میں سے ہر ایک کی تین تین قسمیں ہیں:-

الف:- اس شرط کے ساتھ بیع کی جائے کہ خریدار یہ پھل خریدنے کے بعد فوراً

کاٹ لے گا، اسے ”بیع بشرط القطع“ کہا جاتا ہے۔

ب:- اس شرط کے ساتھ بیع کی جائے کہ خریدار ان پھلوں کو درختوں پر رہنے

وے گا، اسے ”بیع بشرط الترك“ کہتے ہیں۔

ج:- بیع کے دوران پھلوں کو کاٹنے یا درختوں پر چھوڑنے کی کوئی شرط نہ لگائی

جائے۔ اسے ”بیع بدون شرط القطع والترك“ کہا جاتا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بیع قبل بدو الصلاح کی بھی تین صورتیں ہیں اور بیع

بعد بدو الصلاح کی بھی تین صورتیں ہیں۔ اس طرح کل چھ صورتیں بن جاتی ہیں۔ سب

(۱) الغرر وأثره في العقود ص: ۳۸۱۔

انظر أيضاً: القواعد النورانية الفقهية لشيخ الاسلام ابن تيمية (۶۶۱-۷۲۸ھ) القاهرة،

مطبعة السنة المحمدية، الطبعة الأولى (۱۳۷۰ھ-۱۹۵۱م) ص: ۱۲۰۔

سے پہلے قبل بدو الصلاح کا حکم ذکر کیا جاتا ہے۔

قبل بدو الصلاح بیع کا حکم

پہلی اور دوسری صورت

قبل بدو الصلاح کی صورت میں اگر بیع بشرط القطع ہوئی ہو تو یہ بالاتفاق جائز ہے اور اگر بیع بشرط الترتک ہوئی ہو تو یہ بالاتفاق ناجائز ہے۔
علامہ سرخسی لکھتے ہیں:-

اشتراد بشرط القطع يجوز وإن اشتراد بشرط الترتک لا يجوز.^(۱)

علامہ درودیر ماکئی لکھتے ہیں:-

صح بیع ثمر..... قبل بدو صلاحه بشرط قطعه فی الحال
أو فی مدة قریة لا ینتقل فیها الثمر أو الزرع من طور إلى
آخر..... ولا یصح بیع ما ذکر قبل بدو صلاحه علی
التبقیة.^(۱)

ترجمہ:- قبل بدو الصلاح کی بیع اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ خریدار
اسے فوراً کاٹے گا یا اتنی مدت میں کاٹے گا جتنی دیر میں پھل یا کھیتی
کوئی دوسرا رنگ اختیار نہیں کر پاتی..... جبکہ بشرط الترتک پھلوں کی بیع
کرنا صحیح نہیں۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:-

لا یخلو بیع الثمر قبل بدو صلاحها من ثلاثة أقسام أحدها:

(۱) کتاب المبسوط، السرخسی (شمس الدین السرخسی)، بیروت، دار المعرفۃ
۱۴۱۴ھ-۱۹۹۳م (۱۶/۱۹۵)۔

(۱) الشرح الصغیر، الدردیر (أحمد بن محمد بن أحمد الدردیر)، مصر، دار المعارف
(۲۳۳، ۲۳۳:۳)۔

أن يشتريها بشرط التبقية، فلا يصح البيع إجماعاً لأن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها، نهى البائع والمبتاع. (متفق عليه) ^(۱) النهى يقتضى فساد المنهى عنه، أجمع أهل العلم على القول بجملته هذا الحديث. القسم الثانى، أن يبيعها بشرط القطع فى الحال فيصح بالإجماع لأن المنع إنما كان خوفاً من تلف الثمرة وحدوث العاهة عليها قبل أخذها بدليل ما روى أنس أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الثمار حتى يزهر. قال: "أرأيت إذا منع الله الثمرة، بم يأخذ أحدكم مال أخيه؟" رواه البخارى ^(۲) وهذا مأمون فيما يقطع فصيح ببعه كما لو بدأ صلاحه. ^(۳)

ترجمہ:- قبل بدو صلاح پھلوں کی خرید و فروخت کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ پھلوں کو بشرط الترتک خریدا جائے یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کو بدو صلاح سے پہلے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے، خریدار اور بائع دونوں کو منع کیا ہے۔ اور ممانعت عقد کے فاسد ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ ابن منذر کہتے ہیں کہ اہل علم نے بالاتفاق اس حدیث کے مضمون کے مطابق قول اختیار کیا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس شرط کے ساتھ پھل بیچا جائے کہ خریدار

(۱) صحیح البخاری، کتاب البیوع حدیث (۲۱۹۳)، صحیح مسلم، کتاب البیوع، حدیث: (۳۷۴۵)۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث: (۲۱۹۸)۔

(۳) المغنی لابن قدامة (۶/۱۳۹)۔

اسے فوراً کاٹے گا، یہ بیع بالاتفاق صحیح ہے کیونکہ پہلی صورت میں ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ پھل ضائع ہونے یا اس پر کسی آفت کے آنے کا اندیشہ تھا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حضرت انسؓ نے نقل کیا ہے کہ ”دیکھتے نہیں، اگر اللہ تعالیٰ پھلوں کو روک دے تو تم اپنے بھائی سے اس کا مال کس طرح لو گے؟“ اور بشرط القطع بیع کرنے سے آفت سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

البتہ ابن ابی لیلیٰ، امام ثوری^(۱) اور علامہ ابن حزم^(۲) قبل بدو الصلاح کی بیع کو مطلقاً ناجائز قرار دیتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل بدو الصلاح پھلوں کی بیع کو ناجائز کہا ہے لہذا ظاہر حدیث کا تقاضا یہی ہے کہ اسے ناجائز ہی کہا جائے۔

علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں:-

لیکن ائمہ اربعہ اور جمہور فقہائے کرام کا کہنا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ”بدو الصلاح“ سے قبل پھلوں کو فروخت کرنے سے منع فرمایا کہ اس صورت میں اس بات کا خوف رہتا ہے کہ بعد میں کوئی آسمانی آفت آجائے جس سے پھل ہلاک ہو جائے تو ایسی صورت میں خریدار کو نقصان پہنچے گا اور اس کی دلیل حضرت انسؓ کی روایت ہے جس میں آپ نے ممانعت کی علت ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”کیا تم دیکھتے نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ پھلوں کو روک دے تو تم کس طرح اپنے بھائی کا مال لو گے؟“^(۳) اور بشرط القطع بیع کرنے کی

(۱) فتح الباری، لابن حجر (۳/۳۹۴): اختلف فی ذلک علی اقوال؛ فقیل یبطل مطلقاً وهو قول ابن ابی لیلیٰ والثوری۔

(۲) المحلی، ابن حزم (ابو محمد علی بن أحمد سعید بن حزم المتوفی ۴۵۶ھ) مصر، إدارة الطباعة المنيرية، (۸/۳۲۳)۔

(۳) صحیح البخاری، کتاب البیوع، حدیث: (۲۱۹۴)، صحیح مسلم، کتاب البیوع، حدیث: (۳۷۴۵)۔

(۴) بخاری، البیوع، حدیث: (۲۱۹۸)۔

صورت میں یہ خرابی نہیں پائی جاتی اس لئے یہ بیع جائز ہے۔^(۱)

تیسری صورت

تیسری صورت یہ ہے کہ بیع کے دوران پھلوں کو کاٹنے یا نہ کاٹنے کی کوئی شرط نہ لگائی جائے۔ یہ صورت امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے جبکہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے ہاں ناجائز ہے۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

القسم الثالث، أن يبيعها مطلقاً ولم يشترط قطعاً ولا بقية

فالباع باطل وبه قال مالك والشافعي وأجازه أبو حنيفة.^(۲)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ حدیث کے اندر تو قبل الصلاح پھلوں کی خرید و فروخت کو مطلقاً ممنوع قرار دیا گیا ہے لیکن ہم نے پہلی صورت کو اس لئے مستثنیٰ قرار دیا ہے کہ یہ ایسے ہی ہے جیسے کٹے ہوئے پھلوں کی بیع کیونکہ خریدار اسے فوراً کاٹ لیتا ہے لیکن متنازع فیہ صورت کو حدیث سے حکم سے خارج کرنا درست نہیں۔^(۳)

حنفیہ کا کہنا ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے تیسری صورت بھی پہلی صورت میں داخل ہے، اس لئے کہ اس میں صرف بیع کی حد تک اطلاق ہوتا ہے (یعنی صرف بیع کے اندر پھل کاٹنے یا نہ کاٹنے کا ذکر نہیں ہوتا) ورنہ بائع کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ خریدار کو فوراً پھل کاٹنے کا حکم دے اور اس کی وجہ سے خریدار پر اس پھل کو کاٹنا واجب ہو جائیگا تو گویا یوں سمجھا جائے گا کہ بیع کے اندر پھل کاٹنے کی شرط ملحوظ ہے اس لئے تو خریدار کے لئے پھل کاٹنا ضروری ہو گیا لیکن اگر بائع نے پھل کاٹنے کا حکم نہ دیا تو یوں سمجھا جائے گا کہ اس نے تساہل سے کام لیا اور چشم پوشی کرتے ہوئے اپنا حق چھوڑ دیا۔ اس حقیقت کے بعد واضح ہو گیا کہ انجام کے اعتبار سے پہلی اور تیسری صورت ایک جیسی ہے اور جب پہلی صورت پہلی

(۱) المغنی لابن قدامة (۶/۱۴۹)۔

(۲) المغنی بحوالہ بالا۔

(۳) المغنی بحوالہ بالا۔

بالاتفاق جائز ہے تو تیسری بھی جائز ہونی چاہئے۔^(۱)

البتہ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج کل اگرچہ پھل کاٹنے یا نہ کاٹنے کی شرط کے بغیر بیع ہوتی ہے لیکن عرف یہی ہے کہ بائع خریدار کو پھل کاٹنے کا حکم نہیں دیتا اور خریدار پھل کاٹنے کے بعد انہیں اتارتا اور شرعی قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کا عرف ہو جائے وہ بھی مشروط کے حکم میں آتی ہے۔^(۲) لہذا یہ صورت بھی ”بیع بشرط ترک“ کی طرح ہوگئی، اس لئے اسے ناجائز قرار دینا چاہئے۔

علامہ ابن عابدینؒ نے اسی قاعدہ کی وجہ سے عرف کی صورت میں اس بیع کو ناجائز قرار دیا ہے۔^(۳) لیکن علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اگر ترک معروف بھی ہو جائے تو بھی یہ معاملہ جائز ہوگا۔ اس لئے کہ اگر شرط عقد کا حصہ نہ ہو اور بائع اسے پھل کاٹنے کا حکم نہ دے تو خریدار کے لئے زائد مقدار استعمال کرنا جائز ہوتا ہے لہذا یہاں بھی یہی حکم ہوگا اور خود امام صاحب سے بھی یہ حیلہ منقول ہے۔^(۴)

(۱) تکلمة فتح المهلم، العثماني (محمد تقی العثماني) کراتشی، مکتبہ دارالعلوم کراتشی۔ الطبعۃ الأولى ۱۴۰۶ھ؛ ولنا أن صورة الإطلاق وهي الصورة الثالثة داخلية في الصورة الأولى في الحقيقة لأنه إطلاق في اللفظ فقط، فإن أمره البائع وجب عليه القطع في الحال فكانه قد شرط فيه القطع، وأما إذا لم يأمره بالقطع فلا يجب على المشتري أن يقطع الثمار، لا لأن القطع ليس بمقتضى البيع، بل لأن البائع قد تساهل في أمره فصار كأنه باع بشرط القطع ثم تساهل ولم يأمره بالقطع. فلا فرق بين الصورة الأولى والثالثة في المآل.

(۲) الأشباه والنظائر، ابن نجيم (زين الدين بن إبراهيم المعروف بابن نجيم المتوفى ۷۷۰ھ) کراتشی، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، الطبعۃ الأولى ۱۴۱۸ھ (۱/ ۲۷۹)، المعروف كالمشروط.

(۳) رد المحتار لابن عابدین (۵۵۶/۳)؛ تحت قول الحصكفي في الدر المختار: لو شراها مطلقاً وتركها باذن البائع مع أنهم قالو المعروف عرفاً كالمشروط نصاً ومقتضاه فساد البيع وعدم حل الزيادة تأمل.

(۴) فيض الباری، کشمیری (الشیخ محمد أنور شاه کشمیری المتوفى ۱۳۵۲ھ) جنوبی، أفريقيا، دارالمامون، الطبعۃ الأولى ۱۳۵۷ھ-۱۹۳۸م (۳/ ۲۵۶)؛ الحاصل أن الشرط إذا لم يكن في العقد، ولم يأمره البائع بالقطع طاب له تركه سواء كان معروفاً أو لا، ولالتفات إلى ما قاله الشامي: إن المعروف كالمشروط بعد ما وجدت رواية عن الإمام عند الحافظ ابن تيمية في فتاواه والله تعالى أعلم.

اس کا ایک جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو لیکن اس کا عرف ہو جائے جس کی وجہ سے وہ باہمی نزاع کا باعث نہ رہے تو وہ معاملہ جائز ہو جاتا ہے جس کی مثال یہ دی جاتی ہے کہ اگر خریدار اس شرط کے ساتھ جوتا خریدتا ہے کہ دکاندار اُسے تسمہ لگا کر بھی دے گا تو یہ شرط اگرچہ مقتضائے عقد کے خلاف ہے لیکن عرف کی وجہ سے اُسے جائز قرار دیا گیا ہے۔^(۱) اسی طرح آج کل قالین وغیرہ اس شرط پر خریدے جاتے ہیں کہ دکاندار اُسے خریدار کے گھر میں بچھائے گا۔ اسے بھی معاصر فقہائے کرام نے جائز کہا ہے۔^(۲) تو جب باہمی نزاع کا سبب نہ بننے کی وجہ سے اصل شرط کے ساتھ بیع جائز ہو جاتی ہے تو عرف جسے ہم شرط کے حکم میں قرار دے رہے ہیں اگر اُس کے اندر باہمی نزاع پیدا نہ ہو تو وہ بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہئے۔

البتہ یہاں ایک اور سوال ہوتا ہے وہ یہ کہ بعد بدو الصلاح پھلوں کی خرید و فروخت کی صورتوں میں بھی حنفیہ کے ہاں صرف بیع بشرط الترتک والی صورت ناجائز ہے اور بقیہ دونوں صورتیں جائز ہیں اور مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ قبل بدو الصلاح پھلوں کو فروخت کا حکم بھی وہی ہے تو حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بدو الصلاح پھلوں کو فروخت کرنے کی جو ممانعت وارد ہوئی ہے، اس کا کیا مطلب ہوگا؟

اس کا پہلا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں قبل بدو الصلاح کی قید احترازی نہیں ہے کہ اس کے ذریعے بعد بدو الصلاح پھلوں کی خرید و فروخت کے احکام کو نکالا جائے بلکہ یہ قید اتفاقی اور عادت کی وجہ سے ہے کہ چونکہ اس وقت زیادہ رواج قبل بدو الصلاح بیع کرنے کا تھا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر فرمایا۔

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ قبل بدو الصلاح کے ذکر کرنے

(۱) حاشیۃ الہدایۃ، اللکھنوی (العلامة عبدالحی اللکھنوی المتوفی ۱۳۰۳ھ) کراتشی، إدارة القرآن والعلوم الاسلامیۃ، الطبعة الاولى ۱۴۱۷ھ (۱۲۱/۵)، "ألا أن يكون متعارفاً" هذا استثناء من قوله بفسده أى إلا إذا كان الشرط متعارفاً بين الناس كما لو اشترى نعلًا على أن يحذوه البائع أو بشرکه فلا يفسد به البيع.

(۲) تقریر ترمذی (۹۴/۱)۔

کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس صورت میں خرید و فروخت کرنے سے دو خرابیاں لازم آتی ہیں:-
۱- غرر۔

۲- مقتضائے عقد کے خلاف لگائی گئی شرط۔

جبکہ بعد بدو الصلاح کی صورت میں صرف دوسری خرابی لازم آتی ہے چونکہ حدیث کے ذریعے سے غرر سے بچنے کا حکم دینا مقصود ہے، اس لئے بطور خاص قبل بدو الصلاح والی صورت کو ذکر کیا گیا۔^(۱)

امام طحاوی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ قبل بدو الصلاح پھلوں کی خرید و فروخت سے ممانعت والی روایات کا تعلق بیع سلم سے ہے۔ چونکہ بیع سلم کے اندر مسلم فیہ کا عقد کے وقت سے لے کر ادائیگی کے وقت تک موجود ہونا ضروری ہے لہذا پھلوں کے اندر بیع سلم ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ بعد بدو الصلاح ہوتا کہ یہ کہا جاسکے کہ عقد کے وقت مسلم فیہ موجود ہے، اگر قبل بدو الصلاح بیع سلم کر دی گئی تو یہ جائز نہیں ہوگی کیونکہ اس وقت پھل بمنزلہ معدوم ہوتے ہیں۔

امام طحاوی رحمہ اللہ اپنے جواب کی تائید میں مختلف آثار ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

وإنما الذى فى هذه الآثار هو النهى عن السلم فى الشمار فى
غير حينها فهذه الآثار تدلّ على النهى عن ذلك.^(۲)

(۱) تکملة فتح الملهم (۱/ ۳۸۹)؛ أجاب عنه الحنفية بأنّ هذا القيد ليس للاحتراز وإنما هو خارج مخرج العادة، فإنّ الناس كانوا يتابعون الشمار بشرط الترك قبل بدو صلاحها، والذى يظهر لهذا العبد الضعيف: أنّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم خصّ ههنا بیع ما لم یدو صلاحه لأنّ فیہ سبب للنهی، الأوّل: أنّه بیع وشرط والثانی أنّه یتضمن غرراً فإنّہ یحتمل أن لا تخرج هناك ثمرة بخلاف البیع بعد بدو الصلاح بشرط الترك فإنّہ لا یتضمن الغرر وإنما یحرم لکونه بیعاً وشرطاً فقط ولما کان المقصود فی حدیث الباب الإنذار عن الغرر واستمالة العواطف نحو المشتري المغرور، خصّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم البیع قبل بدو الصلاح بالذکر ولم یذکر حکم البیع بعد بدو الصلاح واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم.

(۲) شرح معانی الآثار، الطحاوی (أبو جعفر أحمد بن محمد الأزدي الطحاوی

ترجمہ:- ان تمام آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ پھلوں کو ان کی مدت سے قبل فروخت کرنا جائز نہیں۔ لہذا یہی آثار مذکورہ روایت کے اندر موجود ممانعت کی علت پر دلالت کرتے ہیں۔

بدو الصلاح کے بعد پھلوں کی بیع کا حکم

بدو الصلاح کے بعد بھی پھلوں کی خرید و فروخت کی وہی تین صورتیں ہیں جو قبل بدو الصلاح کی حالت میں خرید و فروخت کی ہیں۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک بعد بدو الصلاح کی حالت میں پھلوں کی خرید و فروخت کی تینوں صورتیں جائز ہیں جبکہ امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ کا کہنا ہے کہ اس حالت میں بھی بشرط الترتیب بیع کرنا جائز نہیں البتہ امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر پھل کا سائز مکمل ہو چکا ہو اور مزید بڑھنے کا امکان نہ ہو تو اس صورت میں ”بشرط الترتیب“ بیع کرنا بھی جائز ہے۔

علامہ ابن قدامہ تمام مذاہب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

إذا بدا الصلاح في الثمرة، جاز بيعها مطلقاً وبشرط التبقية
إلى حال الجزار وبشرط القطع وبذلك قال مالک
والشافعی وقال أبو حنيفة وأصحابه: لا يجوز بشرط التبقية
إلا أن محمداً قال إذا تناهى عظمها جاز.^(۱)

(۱) المغنی لابن قدامة (۱۵۵/۲)

..... انظر أيضاً کتاب الأصل للإمام محمد بن الحسن الشیبانی (۹۵/۵)

..... رد المحتار مع الدر المختار (۵۵۶/۳)

..... نہایۃ المحتاج إلى شرح المنہاج (۱۳۱/۳)

..... الشرح الصغير للدریر (۲۳۳/۳)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف قبل بدو الصلاح کی حالت میں پھلوں کی خرید و فروخت سے منع کیا ہے، لہذا اس کے مفہوم مخالف کا تقاضا یہ ہے کہ بعد البدو پھلوں کی بیع جائز ہو۔^(۱)

حنفیہ کے نزدیک قرآن حدیث کے نصوص میں مفہوم مخالف معتبر نہیں اس لئے وہ کہتے ہیں کہ مذکورہ حدیث سے بعد البدو کی کسی صورت کا حکم ثابت نہیں ہوتا^(۲) کیونکہ حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں لہذا اس حکم کے ثبوت کے لئے ہم شرعی قواعد و ضوابط کی طرف رجوع کریں گے۔ شرعی قواعد کا تقاضا یہ ہے کہ بشرط الترتیب والی صورت ناجائز ہو کیونکہ یہ ایک ایسی شرط ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے نیز اس میں دوسرے کی ملکیت سے فائدہ حاصل کرنے کی خرابی لازم آتی ہے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ اگر بائع بقیہ مدت تک پھلوں کے باقی رہنے کا کرایہ وصول کرے تو یہ اجارہ ہے اور اگر نہ کرے تو یہ عاریت ہے اور یہ دونوں عقد ہیں اور اس سے پہلے عقد ہو چکا ہے لہذا اگر اس صورت کو جائز قرار دیا جائے تو ایک عقد میں دو معاملوں کا ہونا لازم آتا ہے جسے ”صفقتان فی صفقة“ سے تعبیر کیا جاتا ہے جو کہ ناجائز ہے۔ لہذا بیع کی یہ صورت بھی ناجائز ہے۔

علامہ مرغینانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

وإن شرط تركها على النخيل فسد البيع لأنه شرط لا يقتضيه العقد وهو شغل ملك الغير أو هو صفقة في صفقة وهو إعارة أو إجارة في بيع.^(۳)

البتہ پھلوں کا سائز مکمل ہونے کے بعد عرف کی وجہ سے امام محمدؒ نے بیع بشرط

(۱) المعنى لابن قدامة (۱۰۲/۶)، ولما أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الثمرة حتى يبدو صلاحها فمفهومه إباحة بيعها بعد بدو صلاحها والمنهى عنه قبل بدو الصلاح.

(۲) رد المحتار لابن عابدين مع الدر المختار (۱۱۰/۱)، والحنفية ينفون مفهوم المخالفة بأقسامه في كلام الشارح فقط.

(۳) الهداية للمرغيناني (۲۴/۵).

الترک کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ^{حسکفی} رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

(وقیل) قائلہ محمد (لا یفسد إذا تناهت) الثمرة للمتعارف^(۱)۔

ترجمہ:- امام محمد کا قول یہ ہے کہ جب پھل کا سائز پورا ہو جائے تو پھر

بشرط الترمک بیع کرنا جائز ہے کیونکہ اس کا عرف ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار فرمایا ہے۔^(۲)

خلاصہ

پھلوں کی خرید و فروخت کے متعلق ائمہ اربعہ کے مذاہب کا خلاصہ درج ذیل ہے :

پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے اور قبل بدو الصلاح پھلوں کی بشرط الترمک بیع کرنا بالاتفاق ناجائز ہے۔ قبل بدو الصلاح کی بشرط القطع بیع کرنا اور بعد بدو الصلاح بشرط القطع اور بغیر کسی شرط کے بیع کرنا بالاتفاق جائز ہے۔ قبل بدو الصلاح بغیر کسی شرط کے بیع کرنا حنفیہ کے نزدیک جائز اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ بعد بدو الصلاح بشرط الترمک بیع کرنا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جبکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ناجائز ہے البتہ اگر پھلوں کا سائز مکمل ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک استحساناً جائز ہے۔

پھلوں کی خرید و فروخت کی مروجہ صورتیں اور اُن کا حکم

عصر حاضر میں باغات کے پھلوں کو عام طور پر درخت پر لگے ہوئی حالت میں ہی فروخت کیا جاتا ہے اور اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ اس وقت تک پھل تھوڑے تھوڑے سے ظاہر ہوئے ہوتے ہیں اور پھر خریدار انہیں درختوں پر رہنے دیتا ہے، ان کی رکھوالی رکرتا ہے۔ اور پکنے کے بعد انہیں فروخت کرتا ہے۔ اس اعتبار سے مروجہ پھلوں کی خرید و فروخت کے

(۱) تنویر الأبصار للتمر ناشی مع الدر المختار للحصکفی (۵۵۶/۴)۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین (۵۵۶/۴)، واختاره الطحاوی لعموم البلوی۔

اعتبار سے دو الگ الگ مسئلے سامنے آتے ہیں:-

- ۱- پھلوں کی خرید و فروخت کس حالت میں جائز اور کس حالت میں ناجائز ہے؟
 - ۲- خریدار کا پھلوں کو درخت پر رکھنا کیسا ہے؟
- دوسرے مسئلے کی تفصیل تو بیان ہو چکی ہے، اب ہم پہلے مسئلے کو تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

پانچ صورتیں

اس مسئلے کی کل پانچ صورتیں ہیں:-

- ۱- پھل ظاہر ہونے سے پہلے ان کی بیع کر دی جائے، یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے جیسے آجکل بعض علاقوں میں پھل آنے سے پہلے باغات کو ٹھیکے پر دے دیا جاتا ہے اور بائع خریدار سے کہتا ہے کہ اس باغ میں اس سال جو بھی پھل آئے گا، میں اُسے آپ کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں۔ اس کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بیع المعدوم ہے۔
- ۲- بعض مرتبہ لوگ اپنے باغ کو کئی سال کے ٹھیکے پر دے دیتے ہیں مثلاً پانچ سال یا دس سال وغیرہ کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ اتنے عرصے میں جو بھی پھل آئے گا وہ ہم نے تمہیں فروخت کیا۔ یہ صورت بھی ناجائز ہے کیونکہ اس میں معدوم چیز کی خرید و فروخت کی گئی ہے، اسے شریعت کی اصطلاح میں ”بیع السنین“ یا ”بیع المعاومہ“ کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی ممانعت منقول ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ:-^(۱)

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع السنین۔

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع السنین سے منع فرمایا ہے۔

- ۳- بعض مرتبہ باغ کے پھلوں کی بیع ایسے وقت ہوتی ہے کہ جب کچھ پھل ظاہر ہو چکا ہوتا ہے اور کچھ پھل ابھی تک ظاہر نہیں ہوا ہوتا۔ اس کے حکم میں فقہاء حنفیہ کے

(۱) مسلم، بیوع، حدیث: (۳۷۹۵)، ابو داؤد، باب فی بیع السنین، حدیث: (۳۲۳۵)،

النسائی، بیع السنین، حدیث: (۳۶۲۶، ۳۶۲۷)، ابن ماجہ، باب بیع الثمار سنین والجانحہ،

حدیث: (۲۲۱۸)۔

درمیان قدرے اختلاف واقع ہوا ہے ظاہر مذہب کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ بیع ناجائز ہو کیونکہ اس میں بیع کی کچھ مقدار معدوم ہے۔ لیکن علامہ شمس الانامہ حلوانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ظاہر ہونے والے پھلوں کی تعداد زیادہ ہے تو پھر معدوم پھلوں کو ان کے تابع قرار دیا جائے گا۔ اس طرح تمام پھلوں کی بیع جائز ہوگی اور علامہ فضلی رحمہ اللہ کے نزدیک ظاہر شدہ پھلوں کی تعداد کا ظاہر ہونا ضروری بھی نہیں بلکہ مطلق ظاہر شدہ پھلوں کی موجودگی میں تمام پھلوں کی بیع جائز ہے ان کا کہنا ہے کہ ظاہر شدہ پھلوں کو اصل قرار دیا جائے گا اور جو بعد میں ظاہر ہونگے، وہ انہی کے تابع ہوں گے۔ علامہ فضلی رحمہ اللہ نے یہ قول عموم بلوئی کی وجہ سے اختیار کیا ہے۔ ابن الہمام کا رجحان بھی اسی طرف ہے، امام محمد بن الحسن اور امام مالک رحمہما اللہ کا ایک قول بھی اسی کے مطابق ہے۔^(۱)

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے بھی ضرورت اور عموم بلوئی کی وجہ سے اس کی اجازت دی ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:-

لا يخفى تحقق الضرورة في زماننا ولا سيما في مثل دمشق
الشام كثير الأشجار والثمار فإنه لغلبة الجهل على الناس لا
يمكن إلزامهم بالتخلص بأحد الطرق المذكورة، وإن أمكن
ذلك بالنسبة إلى بعض أفراد الناس، ولا يمكن بالنسبة إلى
عامةهم وفي نزعهم عن عاداتهم حرج كما علمت ويلزم

(۱) فتح القدیر لابن الہمام (۴۹۲/۵)، اذا حدث بعد القبض خروج بعضها اشتركا لما ذكرنا
وكان الحلواني يفتي بجوازه في الكل وزعم أنه مروي عن أصحابنا وكذا حكى عن الإمام
الفضلي وكان يقول الموجود وقت العقد اصل وما يحدث تبع. نقله شمس الأنمة منه ولم يقيده
عنه بكون الموجود وقت العقد يكون أكثر بل قال عنه اجعل الموجود أصلاً في العقد وما يحدث
بعد ذلك تباعاً وقال استحسّن فيه لتعامل الناس فانهم تعاملوا ببيع ثمار الكرم بهذه الصفة ولهم في
ذلك عادة ظاهرة وفي نزع الناس من عاداتهم حرج وقد رأيت رواية في نحو هذا عن محمد
رحمه الله وهو يبيع الورد على الأشجار فان الورد متلاحق ثم جوز البيع في الكل بهذا الطريق وهو
قول مالک رحمہ اللہ

تحریم أكل الثمار في هذا البلدان إذ لا تباع إلا كذلك
والنبي صلى الله عليه وسلم إنما رخص في السلم للضرورة
مع أنه بيع المعدوم، فحيث تحققت الضرورة ههنا أيضاً
أمكن إلحاقه بالسلم بطريق الدلالة، فلم يكن مصادماً للنص
فلذا جعلوه من الاستحسان لأن القياس عدم الجواز^(۱).

ترجمہ:- ہمارے زمانے میں اس کی ضرورت (مجبوری) کا ہونا مخفی نہیں
خصوصاً شام کے شہر دمشق میں جہاں پھلوں اور درختوں کی کثرت
ہے۔ جہالت کی وجہ سے لوگوں سے مذکورہ تین طریقوں میں سے کسی
طریقے پر عمل ممکن نہیں، اگرچہ بعض افراد کے اعتبار سے اس پر عمل
ممکن ہے لیکن عمومی طور پر ایسا نہیں ہو سکتا اور لوگوں سے ان کی عادت
چھڑانے میں بہت بڑا حرج لازم آتا ہے اور اسی حال میں بیع کو جائز
قرار دیا جائے تو ان شہروں میں ان پھلوں کو ناجائز طریقے سے کھانے
کی خرابی لازم آتی ہے کیونکہ یہاں اسی طریقے سے پھلوں کی خرید و
فرخت ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کی وجہ سے
بیع سلم کو جائز قرار دیا ہے حالانکہ وہ بیع المعدوم ہے تو جب یہاں
ضرورت پائی جا رہی ہے تو اسے بھی سلم کے ساتھ دلالت النص کے طور
ملايا جاسکتا ہے، اس طرح اس کا جواز نص کے معارض بھی نہیں ہوگا،
اسی لئے مجوزین نے اسے استحسان میں شمار کیا ہے کیونکہ قیاس کا تقاضا
عدم جواز کا ہے۔

۴- اگر تمام پھل بھی ظاہر ہو گئے لیکن ابھی تک اس حالت میں نہیں کہ ان سے
نفع اٹھایا جاسکے، نہ ان کو کھایا جاسکتا ہے اور نہ جانوروں کے کام آسکتے ہیں تو اس بارے
میں اختلاف ہے۔ قاضی خان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بہت سے حنفی فقہاء نے اسے ناجائز قرار

(۱) رد المحتار مع الدر المختار (۵۵۶/۴)۔

دیا ہے البتہ ابن الہمام^(۲) اور علامہ مرغینانی رحمہ اللہ نے جواز کا قول اختیار کیا ہے۔^(۳)

۵۔ پھل ظاہر ہونے کے بعد اس قابل ہو چکے ہیں کہ انہیں کھایا جاسکتا ہے اور جانوروں کے استعمال میں بھی لائے جاسکتے ہیں تو ان کی خرید و فروخت بالاتفاق جائز ہے۔ البتہ مذکورہ صورتوں میں قبل بدو الصلاح اور بعد بدو الصلاح کے اختلاف کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

(۱) فتاویٰ قاضی خان بہامش الفتاویٰ الہندیہ، قاضی خان (فخر الدین حسن بن منصور الأوزجندی الفرغانی المعروف بقاضی خان المتوفی (۲۹۵ھ) کوئٹہ، مکتبہ ماجدیہ، الطبعة الثانية ۱۴۰۳ھ-۱۹۸۳م (۳۵۰/۲)، وعمامة المشايخ لم يجوزوا بيع الثمار قبل أن تصير منتفعا به لنهي النبي عليه الصلاة والسلام عن بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها.

(۲) فتح القدير (۳۹۱/۵).

(۳) الهداية (۲۳/۵).

حصص کی خرید و فروخت کی مختلف صورتوں میں غریبی کا جائزہ

آج کل شاہک آپکچنگ میں جس طرح حصص (شیرز) کی خرید و فروخت ہو رہی ہے، اس کی بہت سی صورتوں میں بیع کی سپردگی کے اعتبار سے غریبی خرابی لازم آتی ہے۔ بعض صورتوں میں غیر مملوک کی بیع جبکہ بعض صورتوں میں قبضہ قبضہ کی خرابی پائی جاتی ہے۔ اس کا غریبی کے حوالے سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ ذیل میں اسے قدرے وضاحت کے ساتھ بیان کرنا مقصود ہے لیکن اس سے قبل درج ذیل تمہیدی باتیں بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۱- شیر (Share) جسے اردو میں ”حصہ“ اور عربی میں ”سہم“ کہتے ہیں، دراصل کسی مشترکہ جائیداد میں ایک مشاع (مشترک) حصے کا نام ہے لیکن تجارتی عرف کی وجہ سے بعد میں اس کا اطلاق اس کاغذ (سرٹیفکیٹ) پر ہونے لگا جو اس مشاع حصے کی نمائندگی کرتا ہے۔^(۱)

۲- بازار حصص (شاہک آپکچنگ) میں ان کی بیع کا مطلب کمپنی کے مشاع (مشترک) حصوں کی بیع ہے لہذا یہ ”بیع المشاع“ ہے۔

۳- وہ کمپنیاں جن کا کاروبار شرعاً حلال نہیں جیسے سودی بینک یا کنونینشل انشورنس کمپنیاں ان کے حصص کی خریداری جائز نہیں خواہ اس کے اندر بیع کی تمام شرائط ملحوظ رکھی جائیں۔

(۱) الشركات فی الشریعة الاسلامیة والقانون الوضعی، الخیاط (الدکتور عبدالعزیز الخیاط) بیروت، مؤسسة الرسالة، الطبعة الثانية ۱۴۰۳ھ-۱۹۸۳م (۶۴/۲)۔
..... انظر أيضا موسوعة الاصطلاحات الاقتصادية ص: ۷۵۴.

حصص کی خرید و فروخت کی اگرچہ مختلف صورتیں ہیں لیکن بنیادی طور پر دو صورتیں اہم اور ہمارے موضوع سے براہ راست متعلق ہیں:-

الف:- فوری سودے (Spot Trading)۔

ب:- مستقبل کے سودے (Futures)۔

فوری سودے (Spot Trading)

فوری سودوں کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کمپنی کے حصص خریدتا ہے تو اس خریداری کا اندراج فوری طور پر اسٹاک ایکسچینج میں ہونے والے سودوں کے کمپیوٹرائزڈ سسٹم ”سی ڈی سی (C.D.C) میں ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے اسٹاک ایکسچینج ان سودوں میں فریقین کی ذمہ داریوں کی ضمانت دیتا ہے۔ ہمارے ہاں آج کل ان سودوں میں ہر سودے کے تین دن بعد خریدار کو طے شدہ قیمت ادا کرنی ہوتی ہے اور بیچنے والے کو بیچے ہوئے حصص کی ڈیلیوری (Delivery) دینی ہوتی ہے۔ حصص کی بیچ میں ڈیلیوری کا مطلب یہ ہے کہ جس کمپنی کے حصص بیچے گئے ہیں، اس کمپنی کے ریکارڈ میں ان حصص کی منتقلی خریدار کے نام ہو جاتی ہے۔

یہاں پر قابل غور بات یہ ہے کہ خریداری اور ڈیلیوری کے درمیان جو تین دن کی درمیانی مدت ہے۔ کیا اس میں خریدار اپنے خریدے ہوئے حصص کسی اور شخص کو فروخت کر سکتا ہے یا نہیں؟

اس بات کا جواب اس پر موقوف ہے کہ شریعت کی نظر میں شیرز پر قبضہ کب متحقق ہوتا ہے۔ اگر ڈیلیوری کو شرعی قبضہ قرار دیا جائے تو ڈیلیوری سے پہلے فروخت کرنا بیع قبل القبض قرار پائیگا اور ناجائز ہوگا لیکن دوسرا احتمال یہ ہے کہ شرعی قبضہ ”ڈیلیوری“ ہونے پر موقوف نہیں، بلکہ اس خریداری کا فوری طور پر سی ڈی سی (C.D.C) میں اندراج ہوتے ہی قبضہ ہو جاتا ہے کیونکہ خریداری کے فوراً بعد خریدے ہوئے حصص کے جملہ منافع اور نقصانات خریدار کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں یعنی اگر خریداری اور ڈیلیوری کی درمیانی مدت

میں کمپنی کو کوئی نقصان ہو جائے تو وہ نقصان خریدار ہی برداشت کرتا ہے اور اگر کمپنی کو نفع ہو جائے تو اس کے نفع کا فائدہ بھی خریدار ہی کو پہنچتا ہے اور کسی چیز کی بیع قبل القبض اس لئے ناجائز ہوتی ہے کہ قبضے کے بغیر اس کا ضمان مشتری کی طرف منتقل نہیں ہوتا لہذا اگر وہ خریدی ہوئی چیز پر قبضہ سے پہلے نفع پر آگے بیچتا ہے تو یہ ”ربح مالہ یضمن“ میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہو جاتا ہے لیکن اگر ضمان حسی اور حقیقی قبضے کے بغیر تخلیہ کے ذریعے مشتری کی طرف ضمان منتقل ہو جائے تو پھر چونکہ ”ربح مالہ یضمن“ کا اندیشہ نہیں اس لئے مشتری کے لئے اسے آگے بیچنا جائز ہونا چاہئے کیونکہ فقہائے کرام رحمہم اللہ نے تخلیہ کو قبضہ کے قائم مقام قرار دیا ہے۔

چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:-

وَأَجْمَعُوا عَلَى أَنَّ التَّخْلِيَةَ فِي الْبَيْعِ الْجَائِزِ تَكُونُ قَبْضًا، وَفِي الْبَيْعِ الْفَاسِدِ رَوَايَتَانِ وَالصَّحِيحُ أَنَّهَا قَبْضٌ رَجُلٌ بَاعَ خَلَا فِي دَنِّ فِي بَيْتِهِ، فَخَلَّى بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمَشْتَرِي فَخْتَمَ الْمَشْتَرِي عَلَى الدَّنِّ وَتَرَكَهُ فِي بَيْتِ الْبَائِعِ فَهَلَكَ بَعْدَ ذَلِكَ فَانَّهُ يَهْلِكُ مِنْ مَالِ الْمَشْتَرِي فِي قَوْلِ مُحَمَّدٍ، وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى.^(۱)

ترجمہ:- اس بات پر فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ جائز بیع میں تخلیہ قبضہ کے حکم میں ہے اور بیع فاسد میں دو روایتیں ہیں، صحیح یہ کہ اکمیں بھی تخلیہ قبضہ کے حکم میں ہے..... ایک آدمی نے کسی مٹکے میں موجود سرکہ کو فروخت کیا اور اس مٹکے اور خریدار کے درمیان تخلیہ کر دیا خریدار نے اس پر اپنی مہر لگا دی اور اسے بائع کے گھر چھوڑ دیا، اگر اسی حال میں وہ ہلاک ہو گئی تو امام محمدؒ کے قول کے مطابق وہ خریدار کا نقصان ہوگا اور یہی مفتی بہ قول ہے۔

یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ کسی کمپنی کے حصص کی بیع کا مطلب اس کمپنی کے مشاع حصوں کی بیع ہے لہذا یہ ”بیع المشاع“ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مشاع کی بیع میں قبضہ کیسے متحقق ہوتا ہے؟ اس کے جواب میں فقہائے کرام نے یہی فرمایا ہے کہ مشاع کی بیع میں تسلیم اور قبض کا تحقق تخلیہ ہی سے ہوتا ہے۔ علامہ سرخسی رحمہ اللہ اجارۃ المشاع اور بیع المشاع کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

وهذا بخلاف البيع، لأن التسليم هناك بالتخلية يتم
وذلك في الجزء الشائع يتم.^(۱)

ترجمہ:- اجارہ مشاعہ کے برعکس بیع میں تسلیم اور قبض کا تحقق تخلیہ ہی سے ہوتا ہے اور یہ مشاع کی بیع میں ہوتا ہے۔

صاحب ہدایہ رحمہ اللہ نے اس فرق کو اس طرح بیان فرمایا ہے:-

ولأبى حنيفة أنه آجر ما لا يقدر على تسليمه فلا يجوز،
وهذا لأن تسليم المشاع وحده لا يتصور، والتخلية
اعتبرت تسليمًا لوقوعه تمكينًا، وهو الفعل الذي يحصل به
التمكن، ولا تمكن في المشاع، بخلاف البيع لحصول
التمكن فيه.^(۲)

اس کا عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اجارہ میں چونکہ مقصود صرف انتفاع ہوتا ہے، ملک نہیں، اور مشاع حصے میں بغیر تمکین انتفاع نہیں ہو سکتا، اس لئے اس میں تخلیہ متصور نہیں ہے۔ اس کے برخلاف بیع میں مقصود ملک ہوتی ہے، لہذا تخلیہ کے ذریعے اس میں تمکین ہو سکتی ہے، چنانچہ صاحب عنایہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:-

بخلاف البيع فإن المقصود به ليس الانتفاع، بل الرقبة،

(۱) الميسوط للسرخسي، كتاب الإجارة (۱۵/۱۴۶)۔

(۲) الهداية مع فتح القدير (۸/۴۱، ۴۲)۔

ولهذا جاز بيع الجحش، فكان التمكن بالتخلية فيه
حاصلاً^(۱).

اور صاحب کفایہ اس کو مزید واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

إن التخلية اعتبرت تسليماً إذا كان تمكيناً من الانتفاع،
وإنما يكون تمكيناً إذا حصل بها التمكن، والتمكن لا
يحصل به فلم يعتبر تمكيناً بخلاف البيع، لحصول التمكن
ثمه من البيع والإعتاق وغير ذلك^(۲).

حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہاء نے بھی مشاع کی بیع میں تخلیہ کے پائے جانے کو قبضہ
کے قائم مقام قرار دیا۔ چنانچہ امام شافعی فرماتے ہیں:-

ويجوز رهن الشقص من الدار والشقص من العبد ومن
السيف ومن اللؤلؤة ومن الثوب كما يجوز أن يباع هذا
كله، والقبض فيه أن يسلم إلى مرتبه لا حائل دونه كما
يكون القبض فيه في البيع^(۳).

ترجمہ:- گھر کے کسی حصے، اسی طرح غلام، تلوار، موتی اور کپڑے کے
کسی حصے کو رہن رکھنا جائز ہے اور اس میں قبضہ یہ ہے کہ وہ چیز مرتہن
کو اس طرح سپرد کی جائے کہ درمیان میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے
جیسا کہ بیع میں قبضہ ہوتا ہے۔

یہی تفصیل علامہ بہوتی رحمہ اللہ نے ”کشاف القناع“ میں اور علامہ ابن قدامہ^(۴)
نے ”المغنی“ میں بیان کی ہے۔^(۵)

(۱) فتح القدير مع العناية والكفاية، باب الاجارة الفاسدة (۸/۴۲۰، ۴۲۱).

(۲) كتاب الأم، كتاب الرهن، باب ما يكون قبضاً في الرهن وما يجوز أن يكون رهناً. (۴/۱۶).

(۳) كشاف القناع (۳/۳۱۸).

(۵) المغنی (۶/۳۵۶).

ان عبارات سے یہ معلوم ہوا کہ مشاع میں حسی قبضہ کے بغیر تخلیہ قبضہ کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور مشتری کے لئے اس میں ملک کے تصرفات کرنا جائز ہو جاتا ہے جن میں اسے آگے فروخت کرنا بھی شامل ہے۔ لہذا مشتری کے لئے اس تخلیہ یا تمکین کے بعد اسی مشاع چیز کو آگے فروخت کرنا بھی جائز ہو جاتا ہے۔

حصص کا قبضہ کب متحقق ہوتا ہے؟

اب دیکھنا یہ ہے کہ حصص کی بیع میں بائع کی طرف سے تمکین اور تخلیہ کا تحقق کب ہوتا ہے؟

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ اگرچہ سودا ہوتے ہی بیچے ہوئے شیئرز کے حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں گویا شیئرز خریدار کے ضمان میں آ جاتے ہیں (اور اس لحاظ سے اگر خریدار انہیں آگے بیچے تو ”ربح مالم بضمن“ کی خرابی لازم نہیں آتی) لیکن غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قبضہ شرعی کا تحقق ڈیلیوری سے پہلے نہیں ہوتا، جس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ یہ بات پیچھے گذر چکی ہے کہ قبضہ کے بارے میں شریعت کا اصول یہ ہے کہ ”قبض کل شیء بحسبہ“ یعنی ہر چیز کا قبضہ اس شئی کی نوعیت کے لحاظ سے عرفاً مختلف ہوتا ہے۔ شیئرز کے بارے میں عرف عام یہی ہے کہ سودے کے وقت محض سی ڈی سی کے فوری اندراج کو قبضہ نہیں کہا جاتا، بلکہ کہا جاتا ہے کہ ”ڈیلیوری“ تین دن بعد ہوگی، ڈیلیوری کے معنی ہی قبضہ دینے کے ہیں، لہذا عرف نے اسی کو قبضہ قرار دیا ہے۔

۲۔ اسٹاک ایکسچینج میں شارٹ سیل (Short Sale) کا رواج عام ہے جس میں بائع ایسے شیئرز کو آگے فروخت کرتا ہے جو اس کی ملکیت میں نہیں ہوتے، اب غور طلب بات یہ ہے کہ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ سودا ہوتے ہی شیئرز کے حقوق والتزامات خریدار کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں یا خریدار کے ضمان (Risk) میں آ جاتے ہیں وہ یہ بات شرعی مفہوم میں نہیں کہتے، کیونکہ یہ بات وہ شارٹ سیل کی صورت میں بھی کہتے ہیں، حالانکہ شرعی

مفہوم میں شارٹ سیل کی صورت میں ضمان منتقل ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جب شیئرز بائع ہی کی ملکیت میں نہیں ہیں تو وہ خریدار کو تمکین یا تخلیہ کیسے کر سکتا ہے؟ اور اس سے شرعی مفہوم میں ضمان کیسے منتقل ہو سکتا ہے؟

۳- کراچی اسٹاک ایکسچینج کے حاضر سودوں کے قواعد و ضوابط (Rules For Ready Delivery Contracts) میں یہ کہا گیا ہے کہ تمام حاضر سودوں کا تصفیہ آئندہ ہفتے میں پیر کے دن ہونا ضروری ہے یعنی پیر کے دن بائع شیئرز کی ڈیلیوری دے گا، اور خریدار اس کی قیمت بائع کو ادا کرے گا، لیکن اگر بائع نے مقررہ وقت تک ڈیلیوری نہ دی تو خریدار کو حق ہوگا کہ کسی کمپنی کے جتنے شیئرز اس نے بائع سے خریدے تھے، وہ بازار سے خرید لے (جس کو اسٹاک ایکسچینج کی اصطلاح میں (Buy in) کہا جاتا ہے) اور ایسی صورت میں اگر خریدار کو بازار سے خریداری کرنے میں کوئی نقصان ہو (مثلاً وہ شیئرز بازار سے زیادہ قیمت میں ملیں) تو بائع کا فرض ہوگا کہ وہ خریدار کے نقصان (Damages) کی تلافی کرے۔^(۱)

اس قاعدے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سودے کے وقت قبضہ نہیں ہوا تھا کیونکہ بائع کی طرف سے ڈیلیوری نہ دینا دو ہی صورتوں میں ممکن ہے:-

(۱) بائع نے شارٹ سیل کی ہو، یعنی شیئرز کے ملکیت میں آنے سے پہلے انہیں آگے فروخت کر دیا ہو، اس صورت کا باطل ہونا اوپر نمبر ۲ میں گزر چکا ہے۔

(۲) اس نے شارٹ سیل نہ کی ہو، مگر خریدار سے سودا کرنے کے بعد اس کی رائے بدل گئی اور اس نے وہ خود رکھنے یا کسی اور کو بیچ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ تو جب اس کے لئے رائے بدل کر شیئرز خود رکھ لینا یا کسی اور کو بیچنا ممکن ہے تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ سودے کے وقت اس نے خریدار کو تمکین کر دی ہے یا اس کے حق میں تخلیہ کر دیا ہے؟ نیز اس صورت میں اسٹاک ایکسچینج کے قواعد یہ نہیں کہتے کہ جو شیئرز فروخت کئے گئے تھے، بائع کو

(۱) Rules For Ready Delivery Contracts of The Karachi Stock Exchange (Guarantee) Limited, Section 1 a.b.c.(Delivery And Payment) Page.1

ان کی ڈیلیوری دینے پر مجبور کیا جائے۔ بلکہ خریدار کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ بائع کو ڈیلیوری پر مجبور کرنے کے بجائے بازار سے اسی کمپنی کے اسی مقدار میں دوسرے شیئرز خرید لے، اور اس خریداری میں اسے کوئی نقصان ہو تو بائع کو اس کی تلافی پر مجبور کرے، جس کا حاصل یہ ہے کہ پہلی بیع ایک طرفہ طور پر فسخ کرے اور کسی تیسرے شخص سے نئی بیع کرے۔

۴- اس سارے مجموعے جو بات واضح ہو رہی ہے، وہ یہ ہے کہ جس چیز کو اسٹاک ایکسچینج کی اصطلاح میں حاضر سودا کہا جا رہا ہے، اس میں سودے کے وقت شرعی مفہوم میں قبضہ متحقق نہیں ہوتا، اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ سودا ہوتے ہی تمام حقوق والتزامات خریدار کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں، وہ اس معنی میں کہتے ہیں کہ اسٹاک ایکسچینج معاملہ کو انتہا تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے، اور شیئرز کی قیمت بڑھے یا گھٹے، بائع اسی قیمت پر شیئرز کی ڈیلیوری کرنے کا، اور خریدار وہی قیمت ادا کرنے کا پابند ہے، اور اگر کوئی فریق اپنی یہ ذمہ داری پوری نہ کرے اور خریدار کی عدم ادائیگی کی صورت میں بائع کو بازار میں شیئرز فروخت کرنے (Sale Out) میں اور بائع کے قبضہ نہ دینے کی صورت میں خریدار کو بازار سے شیئرز خریدنے میں جو نقصان ہو، دوسرا فریق اس کی تلافی کا ذمہ دار ہے۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ واضح ہوا کہ قبضہ شرعی کا تحقق ڈیلیوری سے پہلے نہیں ہوتا، لہذا شیئرز کے خریدار کے لئے اس وقت تک شیئرز کو آگے بیچنا جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کو ڈیلیوری نہ مل جائے۔ اگر بیچنے والے نے شارٹ سیل کی ہے، یعنی شیئرز ملک میں لائے بغیر فروخت کئے ہیں تو یہ بیع ہی باطل ہے، اور اگر شیئرز بائع کی ملک میں تھے، اور عقد بیع کے ارکان بھی متحقق ہو گئے تھے تو یہ بیع درست ہے، لیکن خریدار کے لئے آگے بیع کرنا اسی وقت جائز ہوگا جب اسے باقاعدہ ڈیلیوری مل جائے، اس سے پہلے شیئرز آگے بیچنا شرعاً جائز نہیں کیونکہ اس میں بیع قبل القبض کی خرابی لازم آتی ہے۔

مستقبل کے سودے (Futures)

حاضر سودوں اور مستقبل کے سودوں میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں ہے کہ حاضر سودوں میں ڈیلیوری جلدی ہو جاتی ہے، اور مستقبل کے سودوں میں دیر سے ہوتی ہے۔ البتہ اس کی مزید کئی صورتیں ہیں۔ ہر صورت کا حکم الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ اگر بیچنے والے کی ملکیت میں شیئرز نہیں ہیں اور وہ شارٹ سیل کر رہا ہے تو یہ ”غیر مملوک کی بیع“ ہونے کی وجہ سے ناجائز اور باطل ہے۔

۲۔ اگر بیچنے والے کی ملکیت میں شیئرز ہیں اور وہ انکی ڈیلیوری بھی لے چکا ہے، اور آئندہ کی تاریخ کیلئے آج ہی ایجاب و قبول کے ذریعے بیع کی تکمیل کر رہا ہے جسے (Forward Sale) کہا جاتا ہے، یعنی بیع آج ہی مکمل ہو گئی ہے، لیکن وہ بیع آئندہ تاریخ کے لئے ہے تو یہ بیع ”مضاف الی المستقبل“ ہے اور بیع کی اضافت الی المستقبل نہیں ہو سکتی۔

علامہ ہکفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

وما لا تصح إضافته إلى المستقبل عشرة: البيع وإجازته
وفسخه، والقسمة والشركة والهبة والنكاح والصلح عن
مال والإبراء عن الدين لأنها تمليكات للحال، فلا تضاف
كما لا تعلق بالشرط.^(۱)

(۱) الدر المختار (۲۵۶/۵)۔

... انظر أيضاً تبیین الحقائق (۱۶۶/۶)۔

... العناية على هامش الهداية مع فتح القدير، الباری (أكمل الدین محمد بن محمود الباری

المتوفى ۸۶۷ھ) کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، الطبعة القديمة (۳/۳۳۴)۔

ترجمہ:- وہ معاملات جن کی مستقبل کی طرف اضافت نہیں کی جاسکتی، دس ہیں۔ بیع، اس کی اجازت دینا، اسے فسخ کرنا، قسمت (اشیاء کی تقسیم) شرکت، ہبہ، نکاح، رجوع عن الطلاق، مال کے بدلے صلح کرنا اور قرض سے بری کرنا۔ (ان میں اضافت کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے) یہ ایسے معاملات ہیں جن سے فوری ملکیت کا انتقال وجود میں آتا ہے لہذا ان کی مستقبل کی طرف اضافت نہیں کی جاسکتی جیسے انہیں کسی شرط کے ساتھ معلق نہیں کیا جاسکتا۔
لہذا یہ صورت بھی ناجائز ہے۔

۳- تیسری صورت یہ ہے کہ شیئرز بیچنے والے کی ملکیت اور قبضہ میں ہیں (یعنی وہ ان کی ڈیلوری لے چکا ہے) اور بیع آئندہ تاریخ کے لئے نہیں، بلکہ آج ہی کی تاریخ کے لئے ہوئی ہے، البتہ قیمت ادھار رکھی گئی ہے کہ خریدار قیمت آئندہ کسی تاریخ پر ادا کرے گا، تو اس صورت میں شیئرز کی ڈیلوری خریدار کو دینی ہوگی، اور قیمت کی وصولی کیلئے ڈیلوری دیئے بغیر شیئرز اپنے قبضہ میں رکھنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ بیع مؤجل ہے اور اس میں ثمن کی وصولی کے لئے بیع کو روکا جا رہا ہے حالانکہ بیع مؤجل میں بائع کو ”حبس المبیع لاستيفاء الثمن“ یعنی ثمن کی وصولی کے لئے بیع کے روکنے کا حق حاصل نہیں ہے۔
فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:-

قال أصحابنا رحمهم الله تعالى: للبائع حق حبس المبيع لاستيفاء الثمن إذا كان حالاً، كذا في المحيط، وإن كان مؤجلاً، فليس للبائع أن يحبس المبيع قبل حلول الأجل ولا بعده، كذا في المبسوط.^(۱)

ترجمہ:- ہمارے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ بیع معجل میں بائع کو ”حبس المبيع لاستيفاء الثمن“ کرنا یعنی ثمن کی وصولی کے لئے بیع

کو روکنا جائز ہے لیکن بیع مؤجل میں ثمن کی وصولی کے لئے بیع روکنے کا حق حاصل نہیں۔

۴- اگر بیچنے والے کی ملکیت اور قبضے میں شیئرز ہیں، اور وہ آج کی تاریخ ہی کے لئے خریدار کو بیچ رہا ہے اور ان کی ڈیلیوری بھی خریدار کو دیدیتا ہے، لیکن قیمت آئندہ تاریخ کے لئے اُدھار رکھی گئی ہے اور خریدار کو ڈیلیوری دینے کے بعد پھر وہی شیئرز جو خریدار کے نام منتقل ہو چکے ہیں، اپنے پاس گروی رکھ لیتا ہے تو یہ صورت جائز ہے کیونکہ اس صورت میں مذکورہ بالا خرابی نہیں پائی جاتی۔

۵- پانچویں صورت یہ ممکن ہے کہ بیچنے والے کی ملک اور قبضے میں شیئرز ہیں، اور وہ بیع ابھی نہیں کرتا، بلکہ ایک خاص قیمت پر آئندہ بیچنے کا وعدہ کرتا ہے، اور خریدار آئندہ اس قیمت پر خریدنے کا صرف وعدہ کرتا ہے۔ پھر جب وعدے کی تاریخ آتی ہے تو اس وقت عملاً بیع ہوتی ہے۔

اس صورت کا جواز اس بات پر موقوف ہے کہ کیا وعدہ ملزمہ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ پہلے باب کی فصل اول میں ”ہائر پر چیز“ کے عنوان کے تحت یہ بات گزر چکی ہے کہ عام حالات میں تو وعدہ کو پورا کرنا لازم نہیں البتہ اگر کہیں اس کے پورا کروانے کی واقعی حاجت ہو تو اس وقت اسے لازم قرار دیا جاسکتا ہے یہ مسلک متاخرین فقہائے حنفیہ نے اختیار کیا ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

(۱) المواعید قد تكون لازمة فيجعل لازمة لحاجة الناس.

ترجمہ:- کبھی کبھی وعدے لازم ہوتے ہیں پس لوگوں کی حاجت کے

(۱) رد المحتار (۳/۱۳۵).

... أنظر أيضا الفتاوى الخانية (۲/۱۶۵).

شرح المجلة، الأناسی (محمد خالد الأناسی) کوئلہ، المكتبة الإسلامية، الطبعة الأولى ۱۴۰۳ھ (۲/۴۱۵).

شرح الأمشباه والسطائر، ابن نجيم (زين الدين إبراهيم الشهير بابن نجيم) كراتشي، إدار القرآن والعلوم الإسلامية الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ الفن الثاني، كتاب الحظر والإباحة (۲/۱۱۰).

پیش نظر انہیں لازم قرار دیا جاسکتا ہے۔

اور مذکورہ صورت میں کوئی ایسی حاجت نظر نہیں آتی جس کی وجہ سے کوئی حرج عام لازم آئے، بلکہ اشاک آپکچنچ میں سٹہ بازی کے رجحان کو روکنے کیلئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ”وعدہ“ غیر ملزم ہی رہے، لہذا اگر دونوں فریق وعدہ غیر ملزم (Non-Binding Promise) کر لیں تو یہ جائز ہے، اس صورت میں اگر کوئی فریق وعدے کو پورا نہ کرے تو وہ دیا نہ تو گناہ گار ہوگا، لیکن قضاء اسے مجبور نہ کیا جاسکے گا۔

فاریکس (Forax) کا کاروبار

آج کل فاریکس (Forax) کے نام سے بین الاقوامی سطح پر ایک کاروبار مروج ہے۔ اس مارکیٹ یا کاروبار کو (Forax) مارکیٹ یا کاروبار کہتے ہیں۔ اس مارکیٹ میں کپاس، گندم، مختلف جوس، کوکو، کافی، خام تیل، سونا، چاندی، کاپر، نیچرل گیس، جانور، کرنسی اور دیگر بہت سی اشیاء کا کاروبار ہوتا ہے۔ اس کا طریقہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ اس میں خریدار اپنی رقم لے کر اس مارکیٹ کے ان نمائندوں سے رابطہ کرتا ہے جو کہ لاکھوں ڈالر کی ادائیگی کے بعد اس انٹرنیشنل مارکیٹ میں رکن بنے ہوتے ہیں۔ وہی نمائندے انٹرنیشنل مارکیٹ میں کاروبار کی سہولت مہیا کرتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر اس مارکیٹ کے حوالے سے مختلف اشیاء کے ریٹ آرہے ہوتے ہیں، اور لمحہ بہ لمحہ کم زیادہ ہوتے رہتے ہیں۔ ایک شخص اس مارکیٹ کے ذریعے کوئی چیز خریدتا ہے، اور پھر ریٹ بڑھتے ہی اسے آگے فروخت کر کے نفع کماتا ہے، اور اگر قیمت گر جاتی ہے تو یہ اس کا نقصان شمار ہوتا ہے، کمپنی ایک ٹریڈ مکمل ہونے پر اپنا طے شدہ کمیشن وصول کرتی ہے، اور اگر مقررہ وقت پر سودا مکمل نہ ہو سکے تو کمپنی اس کے بعد مزید چار جز بھی وصول کرتی ہے، جب خریدار کوئی چیز خرید لیتا ہے تو پانچ سے دس منٹ کے اندر انٹرنیشنل مارکیٹ میں ادارے کا نمائندہ خریداری کی رسید کمپیوٹر کے ذریعے ارسال کر دیتا ہے کہ فلاں چیز فلاں نے اتنی قیمت میں خریدی۔ جتنی مالیت کی چیز خریدی جاتی ہے اتنے ہی پیسے کمپنی کے اکاؤنٹ سے پہلے ہی وصول کر لئے جاتے ہیں رسید

بعد میں بھیجی جاتی ہے۔ گاہگ چاہیں تو وہ جنس اپنے ملک میں بھی منگوا سکتے ہیں لیکن بحری جہاز کا کرایہ اور دیگر اخراجات ادا کرنے کے بعد وہ چیز بہت مہنگی پڑتی ہے۔ اس لئے اسے اسی دن یا کچھ دنوں کے بعد خریداری کے طریقے پر ہی اسی مارکیٹ میں اس کو فروخت کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ نمائندہ خریدار کو فروخت کی رسید ارسال کر دیتا ہے۔ اگر خریدار کو نفع ہوا ہو تو اس کا اندارج بھی ہو جاتا ہے۔ اگر نقصان ہوا ہو تو اس کے پیسے بھی خریدار کے اکاؤنٹ سے کٹنے کے بعد اس کا بقایا حساب اسے بتا دیا جاتا ہے۔

چونکہ یہ کاروبار بین الاقوامی سطح پر ہوتا ہے اس لئے یہ تقریباً چوبیس گھنٹے جاری رہتا ہے یہ آپ کی اپنی مرضی ہے کہ آپ آسٹریلیا کی مارکیٹ میں صبح تین بجے خریداری کریں یا دوپہر کو برطانیہ کی مارکیٹ میں خرید و فروخت کریں یا پھر رات کو امریکہ یا دیگر ممالک میں کاروبار کریں۔ کاروبار کرنے والا جب اپنے وقت میں سہولت دیکھتا ہے اسی وقت اپنی مرضی اور پسند کے مطابق کام کرتا ہے۔ ان اداروں کو فاریکس آفس اور بروکیج ہاؤس کہتے ہیں جو کہ عالمی منڈی میں اپنی فیس کے عوض آپ کو کاروبار کی سہولت مہیا کرتے ہیں۔

عام طور پر کسی شخص کا کوئی چیز خریدنا اور فروخت کرنا سب کا غدی کاروائی ہوتی ہے، خریدی ہوئی اشیاء پر نہ قبضہ ہوتا ہے اور نہ قبضہ کرنا مقصود ہوتا ہے، بلکہ محض نفع و نقصان برابر کیا جاتا ہے، ایسی صورت میں تو عموماً ”بیع قبل القبض“ ہوتی ہے اور اس مارکیٹ کے ذریعے ”سٹ“ کھیلا جاتا ہے۔ اس لئے یہ صورت جائز نہیں۔ ہاں! اگر کوئی شخص خریدی گئی چیز پر قبضہ کرنے کے بعد اسے آگے فروخت کرے نیز وہ چیز ایسی ہو کہ اس کا کاروبار کرنے کی شرعاً اجازت ہو تو وہ جائز ہے۔



مصادر و مراجع (Bibliography)

۱۔ القرآن الکریم

((نوح))

- ۲۔ البرہ صاع: ابن المنذر (محمد بن ابراہیم بن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ) قطر،
رئاسة معالم الشرعية والشئون الإسلامية: الطبعة الثانية، ۱۴۰۷ھ
- ۳۔ أحكام القرآن: ابن العربي (أبو بکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربي
۴۶۸ھ - ۵۴۳ھ) بیروت، دار المعرفة
- ۴۔ أحكام القرآن: العثماني (العلامة ظفر أحمد العثماني) کراتشي، ادارة القرآن
والعلوم الإسلامية: الطبعة الأولى ۱۴۰۷ھ - ۱۹۸۷م
- ۵۔ الجامع لأحكام القرآن المعروف بتفسير القرطبي: القرطبي (أبو عبد اللہ محمد
بن أحمد الانصاري القرطبي) القاهرة، مطبعة دار الكتب المصرية، ۱۳۵۶ھ - ۱۹۳۷م
- ۶۔ أحكام المعاملات الشرعية: الخفيف (الاستاذ الشيخ علي الخفيف، البهري،
بنك البركة الإسلامية للاستثمار)
- ۷۔ البرہ صاع فی أصول الأحكام: الآمدی (سيف الدين أبو الحسن علي بن أبي
علي بن محمد الآمدی) القاهرة، مؤسسة الحلبي وشركاء، الطبعة ۱۳۸۷ھ - ۱۹۶۷م
- ۸۔ الاختصار لتعليل المختار: الموصلي (عبد اللہ بن محمود بن مودود الموصلي)
مصر، مطبعة مصلي البابي الحلبي وأولاده، الطبعة الثانية، ۱۳۷۰ھ - ۱۹۵۱م
- ۹۔ الاستذکار: ابن عبد البر (الحافظ أبو عمر يوسف بن عبد اللہ بن محمد بن
عبد البر النمري الأندلسي ۳۶۸ھ - ۴۶۳ھ) القاهرة، دار الوغی، الطبعة الأولى،
محرم ۱۴۱۴ھ

- ۱۰۔ اسلام اور جدید معیشت و تجارت عثمانی (مولانا محمد تقی عثمانی)
کراچی، ادارۃ المعارف، طبع جدید، ذیقعدہ ۱۴۱۹ھ - مارچ ۱۹۹۹ء۔
- ۱۱۔ أسنى المطالب، الأنصارى (القاضي أبو يحيى زكريا الأنصارى المتوفى
۹۲۶ھ) بيروت، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى ۱۴۲۲ھ - ۲۰۰۱م
- ۱۲۔ الأسواء العالية، بحث في مجلة مجمع الفقه الإسلامى، العدد السادس، الجزء
الثانى ۱۴۰ھ - ۱۹۹۰م
- ۱۳۔ أسرى المدارك، الكسناوى (العلامة أبو بكر بن حسن الكسناوى) بيروت، دار الفكر
- ۱۴۔ الأنباه والنظائر، ابن نجيم (زين الدين بن إبراهيم المعروف بابن نجيم
المتوفى ۹۷۰ھ) كراتشى، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ
- ۱۵۔ الأنباه والنظائر، السيوطى (جلال الدين عبد الرحمن السيوطى المتوفى
۹۱۱ھ) مصر، مصطفى البابى الحلبي وأولاده، الطبعة ۱۳۵۶ھ - ۱۹۳۸م
- ۱۶۔ إغاثة الطالبين، الدمياطى (السيد البكرى بن السيد محمد الدمياطى) بيروت، دار الفكر
- ۱۷۔ إعلاء السنن، العثماني (العلامة ظفر أحمد العثماني) كراتشى، ادارة القرآن
والعلوم الإسلامية، الطبعة الأولى ۱۴۰۶ھ
- ۱۸۔ أقرب الموارد فى فصيح العربية والشوارد، الشرتونى (العلامة سعيد الخورى
الشرطونى) ايران، دار الأوبة للطباعة والنشر، الطبعة الأولى ۱۳۷۴ھ - ۱۴۱۶ھ
- ۱۹۔ إكمال المعلم شرح صحيح مسلم، الألبى (أبو عبيد الله محمد بن خليفة
الوثنانى الألبى المتوفى سنة ۸۲۷ھ) بيروت، المكتبة العلمية
- ۲۰۔ اسرار الفتاوى، تهرانى (مولانا اشرف على تهرانى) كراچى، مكتبه
دارالعلوم كراچى، طبع بنجسم ۱۴۰۶ھ
- ۲۱۔ اسرار المفتين، نفيع (مفتى محمد نفيع المتوفى ۱۳۹۶ھ) كراچى، مكتبة
دارالعلوم كراچى
- ۲۲۔ الإنصاف فى معرفة الراجم من الخلاف، المرداوى (علاء الدين أبو الحسن
على بن سليمان المرداوى) بيروت، دار احياء التراث العربى، الطبعة الثانية
۱۴۰۰ھ - ۱۹۸۰ء۔

٢٢- أنيس الفقهاء في تعريفات الألفاظ المتداولة بين الفقهاء: القونوي (الشيخ قاسم القونوي المتوفى ٩٧٨هـ) السعديّة: جدة: دار الوفاء للنشر والتوزيع الطبعة الأولى: ١٤٠٦هـ - ١٩٨٦م

(٧)

- ٢٤- بدائع الصنائع: الكاساني (علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني المتوفى ٥٨٧هـ) كراچی: ايج ايم سعيد كمبني: الطبعة الأولى ١٣٢٨هـ - ١٩١٠م
- ٢٥- البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ابن نجيم (زين الدين بن إبراهيم بن محمد المعروف بابن نجيم المتوفى ٩٧٠هـ) بيروت: دار الكتب العلمية: ١٤١٨هـ - ١٩٩٧م
- ٢٦- البحر الزخار: المرتضى (أحمد بن يحيى بن المرتضى المتوفى ٨٤٠هـ) صنعاء: دار الحكمة ايمانية: الطبعة الأولى ١٣٦٦هـ - ١٩٤٧م
- ٢٧- البحر المحيط: العلامة أبو حيان (٧٥٤هـ) القاهرة: مطبعة السعادة ١٣٢٨هـ
- ٢٨- بحوث في قضايا فقريّة معاصرة: العثماني (مولانا محمد تقي العثماني ب: ١٩٤٣) دمشق: دار القلم: ١٤١٩هـ - ١٩٩٨م
- ٢٩- بداية المجتهد: ابن رشد الحفيد (أبو الوليد محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد بن رشد القرطبي الأندلسي التبريزي بابن رشد الحفيد المتوفى ٥٩٥هـ) مصر: مطبعة محمد علي صبيح: الطبعة الأولى
- ٣٠- بذل المجتهد في حل أبي داود: السراجي (مولانا خليل أحمد السراجي) بيروت: ١٣٤٦هـ) القاهرة: المطبعة السلفية: الطبعة الأولى ١٣٩٣هـ
- ٣١- البناية في شرح الهداية المشهور بعيني شرح الهداية: العيني (العلامة بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد العيني ٧٦٢هـ - ٨٥٥هـ) مكة المكرمة: المكتبة الإمدادية: الطبعة الأولى ١٣٩٦هـ
- ٣٢- البرجة في شرح التحفة: التسولي (العلامة أبو الحسن علي بن عبد السلام التسولي) بيروت: لبنان: دار المعرفة: الطبعة الثالثة ١٣٩٧هـ - ١٩٧٧م
- ٣٣- بيان القرآن: ترمذوي (مولانا اشرف علي ترمذوي ١٣٦٢هـ) كراچی: ايج ايم سعيد كمبني

۳۴- بیع العربون: المنيع (عبدالله سليمان المنيع) بحث لمجمع الفقه الاسلامي (العالمي) جدة: الدورة الثامنة

۳۵- بیع العربون: المصري (الدكتور رفيع يونس المصري) بحث لمجمع الفقه الاسلامي (العالمي) جدة: الدورة الثامنة

۳۶- بيمه زندگي: شفيع (مفتي محمد شفيع) كراچي: دارالاشاعت: اشاعت اول: اكتوبر ۱۹۷۲ء

۳۷- بيمه كى حينيت اسلام كى نظر ميں: رصاى (مولانا عبيد الله رصاى) المكتبة السلفية: طبع اول: اكتوبر ۱۹۶۶ء

(۷)

۳۸- التاج والكليل لمختصر خليل: الموافق (أبو عبد الله محمد بن يوسف بن أبي القاسم السريبر بالموافق المتوفى ۸۹۸ھ) بيروت: دارالفكر الطبعة الثانية ۱۳۹۸ھ-۱۹۷۸ءم

۳۹- تاج العروس: الزبيدي (السيد محمد مرتضى الزبيدي) بيروت: دار صادر: ۱۳۸۶ھ-۱۹۶۶ءم

۴۰- تاريخ ابن معين: (بهي بن معين) ملكة المكرمة: مركز البحوث العلمي واحياء التراث العلمي: الطبعة الأولى ۱۳۹۹ھ-۱۹۷۹ءم

۴۱- التامين وإعادة التامين: الزحيلي (الدكتور وليدة الزحيلي) بحث لمجمع الفقه الاسلامي (العالمي) العدد الثاني: الجزء الثاني: ۱۴۰۷ھ-۱۹۸۶ءم

۴۲- التامين الاسلامي بديل للتامين المعاصر: جناحي (عبد اللطيف عبدالرحيم جناحي) بحث غير مطبوع

۴۳- تبیین الحقائق: الزيلعي (الإمام فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي المتوفى ۷۴۳ھ) بتحقيق الشيخ أحمد عز وعناية: بيروت: لبنان: دار الكتب العلمية: الطبعة الأولى ۱۴۲۰ھ

۴۴- تدريس الراوى: السيوطي (العلامة جلال الدين عبدالرحمن بن أبي بكر السيوطي المتوفى ۹۱۱ھ) مصر: مطبعة الخيرية ۱۳۰۷ھ

- ٤٥- تدريس المسالك إلى أقرب المسالك الجبارك (عبد العزيز بن أحمد الجبارك) القاهرة مطبعة المدني الطبعة الثانية ١٣٩١هـ - ١٩٧٢م
- ٤٦- الترغيب والترهيب المنذرى (الحافظ زكى الدين عبد العظيم المنذرى المتوفى ٦٥٦هـ) مصر دار الكتب المصرية الطبعة الاولى ١٣٥٦هـ - ١٩٢٣م
- ٤٧- التعريفات الجرجاني (السيد شريف علي بن محمد) ايران نيران ١٣٠٦هـ
- ٤٨- التعليق المبسر على ملئقى الأبحر الألباني (ولعبي سليمان غاوجي الألباني) بيروت مؤسسة الرسالة الطبعة الاولى ١٤٠٩هـ - ١٩٨٩م
- ٤٩- تطبيقات الإجارة والجمالة على عقود الصيانة (البحث) قاسم (الاستاذ الدكتور يوسف قاسم) كلية الحقوق جامعة القاهرة للدراسات العليا والبحوث وامانة الشريعة برما الطبعة الاولى ١٤١٩هـ - ١٩٩٨م
- ٥٠- التعليق على تحرير الفاظ التنبيه أو لغة الفقه النووي (محيى الدين يحيى بن شرف النووي) بيروت دار القلم الطبعة الاولى ١٤٠٨هـ - ١٩٨٨م
- ٥١- التفسيرات الأهمية في بيان الآيات الشرعية ملاحيون (الشيخ أحمد المدعو بملاحيون) بجبتي المطبع الكرسى
- ٥٢- تقريب الترمذى المسقلانى (أحمد بن علي بن حجر المسقلانى ٧٧٣ - ٨٥٢هـ) المدينة المنورة المكتبة العلمية
- ٥٣- تقرير ترمذى عثمانى (مولانا محمد تقى عثمانى) كراچى ميمى اسلامك پبلشرز تاريخ اناعت ١٩٩٩م
- ٥٤- تكملة رد المحتار آفندى (العلامة محمد علاء الدين آفندى) كراتشى ايج ايم سعيد كمپنى ١٤٠٦هـ - ١٩٨٦م
- ٥٥- تكملة المجموع شرح الترمذى المطبع (محمد نجيب المطبع) مصر مطبعة الإمام
- ٥٦- تكملة فتح المبرم عثمانى (مولانا محمد تقى عثمانى) كراتشى مكتبة دارالعلوم كراتشى الطبعة الاولى ١٤٠٥هـ
- ٥٧- تليفص الطبرى أبو العباس أحمد بن أبى احمد الطبرى مكة المكرمة - رياض - مكتبة نزار مصطفى البار

۵۸- الترمذی: ابن عبد البر (أبو عمر یوسف بن عبد اللہ بن عمر بن عبد البر)
مکہ المکرمة، المکتبۃ التجاریۃ

۵۹- الترمذی: البغوی (الحسین بن مسعود بن محمد بن القراء البغوی المتوفی
۵۱۶ھ) بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیۃ، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۷م

۶۰- ترمذی: الترمذی: المسقلانی (أحمد بن علی بن حجر المسقلانی
۷۷۳ھ-۸۵۲ھ) حیدرآباد دکن، دائرة المعارف النظامیہ

۶۱- ترمذی: الفروغ علی لھامس الفروغ (الشیخ محمد علی بن الشیخ حسین
مفتی المالکیۃ) بیروت، دار المعرفۃ

۶۲- ترمذی: الکمال فی أسماء الرجال: المزی (جمال الدین ابو الحجاج یوسف
المزی ۶۵۴-۷۴۲ھ) بیروت، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ-۱۹۸۸م
(ج)

۶۳- الجامع لأحكام القرآن: القرطبی (أبو عبد اللہ محمد بن أحمد الأنصاری
القرطبی، القاهرة، مطبعة دارالکتب العربیۃ، الطبعة الأولى ۱۴۰۱ھ-۱۹۳۳م
۶۴- جامع الأصول فی احادیث الرسول: ابن الأثیر (مجدالدین أبو السعادات
المبارک بن محمد ابن الأثیر الجزری ۵۵۴-۶۰۶ھ) مکتبۃ دارالبیان، الطبعة
الأولى ۱۳۸۹ھ-۱۹۶۹م

۶۵- جامع الترمذی: الترمذی (أبو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورة الترمذی
المتوفی ۲۹۷ھ) بیروت، دار احیاء التراث العربی، الطبعة الأولى ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۵م
۶۶- جامع الفصولین: ابن قاضی سداود (الشیخ محمود بن اسماعیل التبریزی
قاضی سداود) کراچی، اسلامی کتب خانہ، مطبوعة ۱۴۰۲ھ
(ج)

۶۷- حاشیۃ الباجوری علی بن قاسم الفزری: الباجوری (الشیخ إبراهیم
الباجوری) مصر، عیسیٰ البابی الحلبي وشركاه

۶۸- حاشیۃ البجیرمی: البجیرمی (سلیمان بن عمر بن محمد البجیرمی) ترکیا
دیار بکر، المکتبۃ الإسلامیۃ

٦٩- حاتية الدسوقى على النسرر الكبرر: الدسوقى (نمر الدين النسرر ممر عرفه الدسوقى) بىروت: دارالفكر

٧٠- حاتية تببرن الحقائق: التلبى (البامام النسرر ممر التلبى ١١٩٠هـ - ١٢٦٢هـ) بىروت لبنان: دارالكتب العلمىة: الطبعة الأولى ١٤٢٠هـ - ٢٠٠٠م

٧١- حاتية البمل على نسرر المنسرر: البمل (سلبرمان بن عمر بن منصور العببلى المصرى النافى المعروف بالبمل المروفى ١٢٠٤هـ) بىروت: دارالكتب العلمىة: الطبعة الأولى ١٤١٧هـ - ١٩٩٦م

٧٢- حاتية الطعطاولى على مراقى الفلاح: الطعطاولى (أهرمد بن ممر بن إساعبل الطعطاولى المروفى ١٢٣١هـ) مصر: مكتبة البابى العابى: الطبعة الثالثة ١٣١٨هـ

٧٣- حاتية على الرىداىة: اللكرنوى (أبوالهمنات ممر عبدالحى اللكرنوى) كراتسى: اءارة القرآن والعلوم الإسلامىة: الطبعة الأولى ١٤١٧هـ

٧٤- الحاوى الكبرر: الماوردى (أبو الحسن على بن ممر بن حببب الماوردى: بىروت لبنان: دارالكتب العلمىة: الطبعة الأولى ١٤١٤هـ

٧٥- الحجة: الشىبانى (البامام ممر بن الحسن الشىبانى المروفى ١١٨٩هـ) بىروت: دار عالم الكتب: الطبعة الثالثة ١٤٠٣هـ

٧٦- حككم الإسلام فى التامبرن: علوان (عبدالله ناصح علوان) القاهره: دارالسلام للطباعة والنسر والتوزرع: الطبعة الرابعة ١٤٠٤هـ - ١٩٨٤م

٧٧- حككم النسرعة الإسلامىة فى عقود التامبرن: حسان (الدكتور حسبن هامد حسان) القاهرة: دارالاعتصام

٧٨- حلبة العلماء فى معرفة مذائب الفقراء: القفال (سلف الدين أبو بكر ممر بن أهرمد الشائى القفال) المملكة الأردنىة الرئاسىة: عمان: مكتبة الرسالة المءىنة: الطبعة الاولى ١٩٨٨م

(ع)

٧٩- الخرنى على مختصر سبى ذللل: الخرنى (العلامة ممر الخرنى مالكى) برهاتل النسرر على العدوى بىروت: دار صادر

(۵)

۸۰- الدرر الاحکام فی شرح غرر الحکام، ملا خسرو (القاضی ملا خسرو الحنفی) کراچی، میر محمد کتب خانہ

۸۱- الدر المختار، الحنفی (محمد بن علی محمد الملقب بعلاء الدین الحنفی الدمشقی المعروف بالحنفی المتوفی ۱۰۰۸ھ) کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، الطبعة الأولى ۱۴۰۶ھ

۸۲- الدر المنتقى فی شرح الملتقى، الحنفی (محمد بن علی محمد الملقب بعلاء الدین الحنفی الدمشقی المعروف بالحنفی المتوفی ۱۰۰۸ھ) بیروت، لبنان دارالکتب العلمیة، الطبعة الأولى ۱۴۱۹ھ

(۶)

۸۳- الذخيرة، القرافي (شراب الدین أحمد بن إدريس القرافي المتوفی ۶۳۴ھ) بیروت، دار الغرب الاسلامی، الطبعة الأولى ۱۹۹۴م

(۷)

۸۴- ربا اور مضاربت، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

۸۵- رجسٹر نقل فتاویٰ (غیر مطبوعہ)، جامعہ دارالعلوم کراچی

۸۶- رد المحتار، التمامی (العلامة محمد امین الشریعہ بابن عابدین التمامی) کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، الطبعة الأولى ۱۴۰۶ھ

۸۷- رسائل ابن عابدین ابن عابدین التمامی (السید محمد امین الشریعہ بابن عابدین التمامی) لاہور، سربیل اکیڈمی، الطبعة الأولى ۱۳۹۶ھ-۱۹۷۶م

۸۸- روح المعانی، الآلوسی (العلامة أبو الفضل محمود الآلوسی ۱۲۷۰ھ) لاہور، المكتبة الرشدیة

۸۹- الروض المربع، الربحاوی (شرف الدین أبو النجم موسی بن أحمد الربحاوی) بیروت، لبنان دارالکتب العلمیة، الطبعة التامة ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۸م

(۸)

۹۰- زاد المحتاج، الکولجی (الشیخ عبد اللہ بن شیخ حسن الحسن الکولجی) قطر

التسويون الدينية: الطبعة الأولى ١٤٠٢هـ - ١٩٨٢م

٩١- الزواجر عن ارتكاب الكبائر: الريتمى (العلامة ابن حجر المكي الريتمى المتوفى ٩٧٤هـ) مصر: مكتبة مصطفى البابى: الطبعة الأولى ١٣٧٠هـ (٥)

٩٢- سبل السلام: الصنعاني (الإمام محمد بن اسماعيل البجلي الصنعاني المتوفى ١١٨٢هـ) مصر: مطبعة مصطفى البابى الحلبي

٩٣- سنن ابن ماجه: القزويني (الحافظ أبو عبدالله محمد بن يزيد القزويني المتوفى ٣٧٣هـ) رياض: شركة الطباعة العربية: الطبعة الثانية ١٤٠٤هـ - ١٩٨٤م

٩٤- سنن أبي داود: السجستاني (أبو داود سليمان ابن احمد السجستاني المتوفى ٣٧٥هـ) بيروت: دار احياء السنة النبوية: الطبعة الأولى ١٣٩٦هـ

٩٥- سنن البيهقي الكبرى: البيهقي (أحمد بن حسين بن علي بن موسى أبو بكر ٣٨٤هـ - ٤٥٨هـ) مكة المكرمة: مكتبة دار الباز: ١٤١٤هـ - ١٩٨٤م

٩٦- سنن الدارقطني (الحافظ علي بن عمر الدارقطني المتوفى ٣٨٥هـ بيروت: دار المعرفة: الطبعة الأولى ١٤٢٢هـ - ٢٠٠١م

٩٧- سنن الدارمي: الدارمي (الإمام عبدالله الدارمي ٢٥٥هـ) دمشق: دار القلم: الطبعة الأولى ١٤١٧هـ

٩٨- سنن سعيد بن منصور (الإمام سعيد بن منصور ٢٢٧هـ) المملكة العربية السعودية: دار الصميعي: الطبعة الأولى ١٤٢٠هـ

٩٩- سنن النسائي: النسائي (الإمام أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب النسائي ٣٠٣هـ) حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية: الطبعة الثانية ١٤٠٦هـ - ١٩٨٦م

١٠٠- سير أعلام النبلاء: الذهبي (الإمام شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي المتوفى ٧٤٨هـ) بيروت: المؤسسة الرسالة: الطبعة الثانية ١٤٠٢هـ - ١٩٨٢م (٥)

١٠١- شرح الزرقاني على مختصر خليل: الزرقاني (العلامة السيد عبد الباقي الزرقاني) بيروت: دار الفكر: الطبعة الأولى ١٤١٢هـ - ١٩٩١م

۱۰۲- شرح زید بن أرسلان الرملی (محمد بن أحمد الرملی ۹۱۹-۱۰۰۴ھ)
بیروت: دارالمعرفة

۱۰۳- شرح صحیح البخاری ابن بطال (أبو الحسن علی بن خلف بن عبد الملك المعروف بابن بطال) ریاض: مكتبة الرشد: الطبعة الأولى ۱۴۲۰ھ - ۲۰۰۰ م

۱۰۴- شرح الصغیر: الدرریر (أبو البركات أحمد بن محمد بن أحمد الدرریر)
مصر: دارالمعارف

۱۰۵- شرح عقود رسم المفتی: السامی (السيد محمد أمين الشریح بابن عابدین السامی) کرائشی: قدیمی کتب خانہ

۱۰۶- شرح العناية علی الردایة: البابرستی (آکمل الدین محمد بن محمود البابرستی ۷۸۶ھ) کوئٹہ: مكتبة رشیدیة

۱۰۷- التشرح الكبير مع المفتی: المقدسی (شمس الدین أبو الفرج عبد الرحمن بن أبی عمر محمد بن أحمد بن قدامة المقدسی) بیروت: دارالکتب العربی: الطبعة الجديدة ۱۳۹۲ھ - ۱۹۷۲م

۱۰۸- شرح معانی الآثار: الطحاوی (أبو جعفر أحمد بن محمد المصري الطحاوی ۲۳۹ھ - ۳۲۱ھ) بیروت: دارالکتب العلمیة: الطبعة الأولى ۱۴۲۲ھ - ۲۰۰۱م

۱۰۹- شرح المجلة: الأتاسی (محمد خالد الأتاسی) کوئٹہ: مكتبة اسلامية: الطبعة الأولى ۱۴۰۳ھ

۱۱۰- شرح منتهی البرادات: البیهوتی (العلامة منصور بن یونس بن إدريس البیهوتی) بیروت: دارالفکر

۱۱۱- سرکات التکافل اور دریش مسائل کا شرعی جائزہ: نامزنی (ڈاکٹر مفتی محمد نظام الدین نامزنی) مقالہ غیر مطبوعہ

۱۱۲- تركة الفنان: الفاضل (ابراهيم الفاضل) عمان: مكتبة الأقصى ۱۴۰۳ھ

۱۱۳- السرکات فی الشريعة الإسلامية والقانون الوضعی: الخياط (الدكتور عبدالعزیز عزت الخياط) بیروت: مؤسسة الرسالة: الطبعة الثانية ۱۴۰۳ھ - ۱۹۸۳م

۱۱۴- السرکات فی الفقه الإسلامی: الخفیف (السیخ علی الخفیف) مخطوطة

فی المكتبة العلمية: جامعه دارالعلوم کراتشي

۱۱۵- سرکة المسالمة فی النظام السعودی: المرزوقی (الدكتور صالح بن زاین المرزوقی) مكة المكرمة: مطابع الصفاء المطبوعة ۱۴۰۶ھ

۱۱۶- سرکست ومضاربت عصر حاضر میں: عثمانی (مولانا محمد عمران اشرف

عثمانی) کراچی اداره المعارف: طبع اول محرم الحرام ۱۴۲۱ھ - اپریل ۲۰۰۰م

۱۱۷- شعب الایمان: البیرقی (أحمد بن حسین بن علی بن موسی أبوبکر

۳۸۴ھ - ۴۵۸ھ) مكة المكرمة: مكتبة دارالباز ۱۴۱۰ھ

(ص)

۱۱۸- الصحاح: الجولیری (اسماعیل بن حماد الجولیری) مصر: دارالكتاب العربي

الطبعة الأولى ۱۳۷۵ھ - ۱۹۵۶م

۱۱۹- صحیح ابن حبان: التیمی (محمد بن حبان بن أحمد أبو حاتم التیمی

المتوفی ۲۵۴ھ) بیروت: مؤسسة الرسالة الطبعة الثانية ۱۴۱۴ھ - ۱۹۹۳م

۱۲۰- صحیح البخاری: البخاری (الإمام أبو عبد الله محمد بن اسماعیل البخاری)

بیروت: دار ابن کثیر: الطبعة الخامسة ۱۴۱۴ھ - ۱۹۹۳م

۱۲۱- صحیح لمسلم: النیشابوری (أبو الحسين مسلم بن حجاج القشیری

النیشابوری ۲۰۶ھ - ۲۶۱ھ) بیروت: دار إحياء التراث العربی

(ط)

۱۲۲- طلبہ الطلبة فی اصطلاحات الفقریة: النسفی (الشیخ نجم الدین بن حفص

النسفی المتوفی ۵۲۷ھ) بیروت: لبنان: دارالقلم: الطبعة الأولى ۱۴۰۶ھ - ۱۹۸۶م

۱۲۳- الطبقات الكبرى: ابن سعد (العلامة محمد بن سعد المتوفی ۲۴۰ھ) بیروت:

دار بیروت: ۱۳۷۷ھ

(ع)

۱۲۴- عارضة الأصولی شرح جامع الترمذی: ابن العربی (الإمام أبوبکر محمد

بن عبد الله المعروف بابن العربی) بیروت: دار إحياء التراث العربی: الطبعة

الأولى ۱۴۱۵ھ - ۱۹۹۵م

- ١٢٥- عجمالة المحتاج إلى توجيه المنبراج: ابن الملقن (عمر بن علي بن أحمد المنصور بن بابن الملقن المتوفى ٨٠٤هـ) اردن: دار الكتاب: الطبعة الاولى ١٤٢١هـ - ٢٠٠١م
- ١٢٦- عدالتی فیصلے: عثمانی (مولانا محمد تقی عثمانی) لاہور: ادارہ اسلامیات: اشاعت دوم: زبقرده ١٤٢٠هـ مطابع مارج ٢٠٠٠.
- ١٢٧- العدة شرح العدة: المقدسی (العلامة برہاء الدین عبد الرحمن بن إبراهیم المقدسی) قطر: المطبعة السلفية و مکتبہہا
- ١٢٨- العربون: الزحيلي (الدكتور ولبة مصطفى الزحيلي) بحث لمجمع الفقه الاسلامي (العالمي) جدة
- ١٢٩- عطر لهداية: لكرنوی (علامہ فتح محمد لكرنوی) ديوبند: مکتبه نشر القرآن
- ١٣٠- عقد الجواهر النيرة: ابن شاش (جلال الدين عبد الله بن نجم بن شاش المتوفى ٢١٦هـ) بيروت: دار الغرب الاسلامي: الطبعة الاولى ١٤١٠هـ - ١٩٩٥م
- ١٣١- عقود التامين وإعادة التامين في الفقه الاسلامي: الفرقور (الدكتور محمد عبد اللطيف الفرقور) بحث لمجمع الفقه الاسلامي: العدد الثاني: الجزء الثاني
- ١٣٢- عقود الصيانة وتكفيبرها: الضرير (الدكتور الصديق محمد الأمين الضرير) بحث لمجمع الفقه الاسلامي: العالمي: للدورة الحادية عشرة ٢٥-٣٠ رجب ١٤١٩هـ / ١٤-١٩ نو مبر ١٩٩٨م المنامة (البحرين)
- ١٣٣- عقود الصيانة (الدكتور منذر قحف) بحث لمجمع الفقه الاسلامي للدورة الحادية عشرة ٢٥-٣٠ رجب ١٤١٩هـ / ١٤-١٩ نو مبر ١٩٩٨م المنامة (البحرين)
- ١٣٤- عقود الصيانة: الجعي (الأستاذ الدكتور أحمد الجعي: الأستاذ في جامعة دمشق: خبير بالموسوعة الفقهية وزارة الأوقاف السوفون الاسلامية: دولة الكويت
- ١٣٥- عمدة القاري شرح صحيح البخاري: العيني (بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد العيني المتوفى ٨٥٥هـ) بيروت: دار الفكر
- ١٣٦- العناية على لسان فتح القدير: البابرني (الإمام أكمل الدين محمد بن محمود البابرني المتوفى ٧٨٦هـ) كوتة: مکتبه رشيدية: الطبعة الاولى ١٣٩٧هـ

(غ)

١٣٧- الفرر وأثره في العقود: الضرير (الدكتور الصديق محمد الأمين الضرير)
طبعة المؤلف بنفسه: الطبعة الثانية ١٤١٥هـ - ١٩٩٥م

١٣٨- الفرر في العقود وآثاره في التطبيقات المعاصرة: الضرير (الدكتور
الصديق محمد الأمين الضرير) جدة: المعهد الإسلامي للبحوث والتدريب:
الطبعة الأولى ١٤١٤هـ - ١٩٩٣م

١٣٩- غمز عيون البصائر على الأنبياء والنظائر: الحموي (الشيخ أحمد بن محمد
الحموي) كراتشي: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية: الطبعة الأولى ١٤١٨هـ

(ف)

١٤٠- فتح باب العناية بشرح النقاية: علي القاري (الإمام نور الدين أبو الحسن
علي بن سلطان محمد البروي القاري المتوفى ١٠١٤هـ) بيروت: شركة دار
الأرقم: الطبعة الأولى ١٤١٨هـ - ١٩٩٨م

١٤١- فتاوى الأنقروية: الأنكوري (محمد بن حسين الأنكوري) بولاق:
المطبعة المصرية: الطبعة ١٤٨١هـ

١٤٢- الفتاوى البزازية: الكردي (الإمام محمد بن محمد شهاب المعروف بابن
البزاز الكردي الحنفى المتوفى ٨٢٧هـ) كوثة: مكتبة ماجدية: الطبعة الثالثة
١٤٠٦هـ - ١٩٨٦م

١٤٣- الفتاوى التتارخانية: الأندريسي (العلامة عالم بن علاء الأنصاري
الأندريسي الدقلوي المتوفى ٧٨٦هـ) كراتشي: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية:
الطبعة الأولى ١٤١١هـ - ١٩٩١م

١٤٤- فتاوى قاضيخان برامش الفتاوى الهندية: الفرغاني (فخر الدين حسن بن
منصور الأوزجندی الفرغاني المتوفى ٢٩٥هـ)

١٤٥- الفتاوى المبردية: المبردي (محمد العباسي الأزهرى المبردي) مصر:
المطبعة الأزهرية: الطبعة الأولى ١٣٠١هـ

١٤٦- الفتاوى الهندية المعروف بالفتاوى العالمكبرية: نظام (الشيخ نظام وجماعة

من علماء الرشد من القرن العادى عشر (كوثته مكتبة ماجدية الطبعة الثانية
١٤٠٢هـ - ١٩٨٣م

١٤٧- فتح البارى ابن حجر (شيخ الاسلام حافظ ابن حجر العسقلانى) دار نشر
كتب الاسلامية لا لصور

١٤٨- فتح العزيز مع المجموع الرافعى (الإمام أبو القاسم عبدالكريم بن محمد
الرافعى المتوفى ٦٢٣هـ) بيروت دار الفكر

١٤٩- فتح العلى المالك غلين (أبو عبدالله الشيخ محمد أحمد غلين المتوفى
١٢٩٩هـ) بيروت - لبنان دار المعرفة

١٥٠- فتح القدير ابن الرسام (كمال الدين محمد بن عبد الواحد بن عبدالحميد
بن مسعود الاسكندرى المعروف ابن الرسام المتوفى ٨٦١هـ) كوثته مكتبة
رشيديّة (٢٠٦/٦)

١٥١- فتح الوهاب بشرح منبرج الطلاب الأنصارى (شيخ الاسلام زكريا بن
محمد بن أحمد بن زكريا الأنصارى) بيروت - لبنان دار الكتب العلمية الطبعة
الأولى ١٤١٨هـ - ١٩٩٨م

١٥٢- الفروغى القرافى (أبو العباس شهاب الدين الصنهاجى المتروك
بالقرافى) بيروت دار المعرفة

١٥٣- الفقه الإسلامى وأدلة الزهلى (الدكتور وهبة الزهلى) بيروت
دار الفكر الطبعة الأولى ١٤٠٤هـ - ١٩٨٤م

١٥٤- فيض البارى الكشميرى (العلامة محمد انور شاه الكشميرى المتوفى ١٣٥٢هـ)
جولانسبرج (جنوبى افريقيا) مطبع دار المامون الطبعة الأولى ١٣٥٧هـ - ١٩٣٨م
(٦)

١٥٥- القاموس الجديد كيرانوى (مولانا وحيد الزمان فاسى كيرانوى)
لا لصور اداره املاميات طبع اول نيقعه ١٤١٠هـ - جون ١٩٩٠م

١٥٦- القاموس العصرى (عربى انگریزى) الياس (الياس انطون الياس) Cairo
(U.A.R) Elias Modren الطبعة الثامنة ١٩٦٠م

۱۵۷- القاموس الفقري لغة وعادة: أبو حبيب (مردى أبو حبيب) دمشق: دار الفكر: الطبعة الأولى ۱۴۰۲هـ - ۱۹۸۲م

۱۵۸- القاموس المحيط: فيروز آبادى (مير بن يعقوب فيروز آبادى) بيروت: دار احياء التراث العربى: الطبعة الأولى ۱۴۱۳هـ - ۱۹۹۱م

۱۵۹- القاموس المدرسى (عربى انگرېزى مع انگرېزى عربى) الياس انطون الياس: كراچى: دار الانتاع: الطبعة الأولى ۱۳۹۶هـ

۱۶۰- القرب الموارى فى فصيح العربية السوارى: اللبنانى (معيد الخوارزى السرنوتى اللبنانى) ايران: دار الاسوة للطباعة والنشر: الطبعة الأولى ۱۴۱۶هـ

۱۶۱- القواعد النورانية الفقريّة: ابن تيمية (شيخ الإسلام أبو العباس تقي الدين أحمد بن عبد الحليم الدمشقى المعروف بابن تيمية ۶۶۱هـ - ۷۲۸هـ) القاهرة: مطبعة السنة المحمدية: الطبعة الأولى ۱۳۷۰هـ

(ك)

۱۶۲- الكافى: ابن قدامة (أبو محمد موفق الدين عبد الله بن قدامة المقدسى المعروف بابن قدامة) بيروت: المكتب الإسلامى: الطبعة الثالثة ۱۴۰۲هـ - ۱۹۸۲م

۱۶۳- الكافى: القرطبى (أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد الله القرطبى) الرياض: مكتبة الرياض: الطبعة الثانية ۱۴۰۰هـ - ۱۹۸۰م

۱۶۴- كتاب الأصل المعروف بالمبسوط: السيبارى (الإمام محمد بن الحسن ۱۳۳هـ - ۱۸۹هـ) كراتشى: ادارة القرآن والعلوم الإسلامية

۱۶۵- كتاب الأم: الشافعى (الإمام محمد بن إدريس الشافعى ۱۵۰هـ - ۲۰۴هـ) بيروت: دار قتيبة: الطبعة الأولى ۱۴۱۶هـ

۱۶۶- كتاب التعريفات: الجرجانى (على بن محمد بن على ابو الحسن الحسينى الجرجانى المتوفى ۸۲۶هـ) بيروت: دار الفكر: الطبعة الاولى ۱۴۱۸هـ - ۱۹۹۷م

۱۶۷- كتاب الميسوط: السرخسى (العلامة شمس الدين محمد بن أبى سريال السرخسى) بيروت: دار المعرفة ۱۴۱۴هـ - ۱۹۹۳م

۱۶۸- كتاب الأموال: أبو عبيد (الحافظ الحجة القاسم بن سلام المعروف بأبى عبيد

- المتوفى ۲۲۴هـ) بيروت-لبنان: دار الكتب العلمية: الطبعة الأولى ۱۴۰۶هـ-۱۹۸۶م
- ۱۶۹- كتاب الصحفة على أهل المدينة: الشيبانى (الإمام محمد بن الحسن الشيبانى المتوفى ۱۸۹هـ) لا قور: دار المعارف العمالية
- ۱۷۰- كتاب الخراج: أبو يوسف (قاضى أبو يوسف يعقوب بن إبراهيم المتوفى ۱۸۲هـ) مصر: دار الإصلاح الطبعة الأولى ۱۳۹۸هـ-۱۹۷۸م
- ۱۷۱- كتاب العين: القرافي: (أبو عبد الرحمن خليل بن أحمد القرافي: ۱۷۵هـ-۱۷۵هـ) إيران مؤسسة دار الرجعة: الطبعة الثانية ۱۴۱۰هـ
- ۱۷۲- كتاب الفقه على المذاهب الأربعة: الجزيرى (عبد الرحمن الجزيرى) مصر المكتبة التجارية الكبرى: الطبعة السادسة ۱۳۹۲هـ
- ۱۷۳- كتاب المغرب فى ترتيب المغرب: الخوارزمى (الإمام أبو الفتح ناصر بن عبد السيد بن على المطرزي الخوارزمى ۵۳۸هـ-۶۱۶هـ) بيروت: دار الكتب العربى
- ۱۷۴- كتاب المغرب فى ترتيب المغرب: المطرزي (أبو الفتح عبد الرشيد بن على المطرزي ۵۳۸هـ-۶۱۶هـ) بيروت لبنان: دار الكتاب العربى
- ۱۷۵- كتاب المؤطا (الإمام مالك بن أنس) كراچى: نور محمد كراخانه تجارت
- ۱۷۶- كتب و رسائل و فتاوى لابن تيمية: ابن تيمية (أحمد بن عبد الحلیم المعروف بابن تيمية ۶۶۱هـ-۷۲۸هـ) مكتبة ابن تيمية
- ۱۷۷- كتاب القناع عن متن القناع: البرهوتى (منصور بن يونس بن إدريس البرهوتى ۱۰۰۰هـ-۱۰۵۱هـ) مكة المكرمة: مطبعة الحكومة الطبعة الأولى ۱۳۹۴هـ
- ۱۷۸- كشف الحقائق: الأفغانى (العلامة عبد الحكيم الأفغانى المتوفى ۱۲۵۱هـ) كراتشى: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية: الطبعة الأولى ۱۹۹۵م
- ۱۷۹- كشف المغطا عن وجه المؤطا على لغات مؤطا للإمام مالك: كاندلوى (محمد انصاف الرحمن كاندلوى) كراچى: نور محمد اصح المطابع كراخانه تجارت كتب
- ۱۸۰- الكفاية مع فتح القدير: الخوارزمى (مولانا جلال الدين الخوارزمى) كوشه: مكتبة رشيدية

(۵)

- ۱۸۱- اللباب فی شرح الکتاب المیدانی (النبیج عبد الفی المیدانی أحد علماء القرن الثالث عشر) بیروت : دار احیاء التراث العربی ، الطبعة الأولى ۱۴۱۲ھ - ۱۹۹۱م
- ۱۸۲- لسان العرب : ابن منظور (العلامة ابن منظور ۶۳۰ھ - ۷۱۱ھ) بیروت : دار احیاء التراث العربی ، الطبعة الأولى ۱۴۰۸ھ - ۱۹۸۸م
- ۱۸۳- اللغات من أحكام الشركات : مخطوطة دارالعلوم کراتشی

(۶)

- ۱۸۴- المبدع فی شرح المقنع ابن مفلح (أبو اسحاق برهان الدین إبراهیم بن محمد بن عبد الله بن مفلح المورخ ۸۱۶ھ - ۸۸۴ھ) بیروت : المكتب الإسلامی ، الطبعة الأولى
- ۱۸۵- المبسوط : الشیبانی (الإمام محمد بن الحسن الشیبانی ۱۳۲ھ - ۱۸۹ھ) کراتشی : إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة
- ۱۸۶- المتطلبات الشرعیة لصیغ الاستثمار والتمويل : للریثة المحاسبة والمالية للمؤسسات المالية الإسلامیة : جدة ۱۴۲۱ھ - ۲۰۰۰م
- ۱۸۷- مجمع الأنهر : شیخی زاده (عبدالرحمن بن محمد بن سلیمان الکلیبولی المعروف بشیخی زاده المتوفی ۱۰۷۸ھ) بیروت لبنان : دار الکتب العلمیة ، الطبعة الأولى ۱۴۱۹ھ - ۱۹۹۸م
- ۱۸۸- مجمع بحار الأنوار : الرندی (العلامة محمد طاهر الرندی ۹۸۶ھ) المدینة المنورة : مكتبة دار الإیمان ۱۴۱۵ھ
- ۱۸۹- مجمع البهرین فی زوائد المعجمین : الریشی (العافظ نور الدین الریشی ۷۳۵ھ - ۸۰۷ھ) الرياض : مكتبة الرشد : الطبعة الثانية ۱۴۱۵ھ - ۱۹۹۵م
- ۱۹۰- مجموع فتاویٰ ابن تیمیة (شیخ الإسلام أحمد بن عبد الحلیم بن تیمیة) الرياض : مطابع الرياض : الطبعة الأولى ۱۳۸۳ھ
- ۱۹۱- مجلة مجمع الفقه الإسلامی : الدورة السادسة : العدد السادس : الجزء الأول (۱۴۱۰ھ - ۱۹۹۰) بحث فضيلة الدكتور إبراهیم فاضل الدبوع الأستاذ بكلية

۲۰۲- المستصفي من علم الأصول: الفزالي (حجة الإسلام أبو حامد محمد بن محمد بن محمد الفزالي) مصر: مطبعة مصطفى محمد: الطبعة الأولى ۱۳۵۶هـ - ۱۹۳۷م

۲۰۳- مسند أبي عوانة: أبو عوانة (الإمام أبو عوانة يعقوب بن إسحاق الباسفرائيني ۳۱۶هـ) بيروت: دار المعرفة

۲۰۴- مسند أبي يعلى: أبو يعلى (الإمام أبو يعلى أحمد بن علي التميمي ۳۰۷هـ) دمشق: دار المأمون للنشر: الطبعة الأولى ۱۴۰۴هـ

۲۰۵- مسند الإمام أحمد بن حنبل: أحمد (الإمام أحمد بن حنبل ۲۴۱هـ) بيروت: مؤسسة الرسالة: الطبعة الأولى ۱۴۱۹هـ

۲۰۶- مسند الإمام أبي حنيفة: الأصبراني (الإمام أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصبراني ۴۳۰هـ) الرياض: مكتبة الأنس: الطبعة الأولى ۱۴۱۵هـ - ۱۹۸۴م

۲۰۷- مسند الطيالسي: الطيالسي (سليمان بن داود أبو داود الطيالسي المتوفى ۲۰۴هـ) بيروت: دار المعرفة

۲۰۸- المسندرك على الصحيحين: النيسابوري (محمد بن عبد الله أبو عبد الله الحاكم النيسابوري ۳۲۱هـ - ۴۰۵هـ) بيروت: دار الكتب العلمية: الطبعة الأولى ۱۴۱۱هـ - ۱۹۹۰م

۲۰۹- المصباح المنير: الفيومي (أحمد بن محمد بن علي المقرئ الفيومي المتوفى ۷۷۰هـ) بيروت: المكتبة العلمية: الطبعة القديمة

۲۱۰- مصنف ابن أبي شيبة: ابن أبي شيبة (الإمام أبو بكر ابن أبي شيبة المتوفى ۲۳۵هـ) كراتشي: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية: الطبعة الأولى ۱۴۰۶هـ

۲۱۱- المصنف: الصنعاني (أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني ۱۲۶هـ - ۲۱۱هـ) مع تحقيق الشيخ حبيب الرحمن الأعظمي: جنوبي إفريقيا: جوهانسبرج ص.ب. المجلس العلمي: الطبعة الأولى ۱۳۹۲هـ - ۱۹۷۲م

۲۱۲- مصباح اللغات: بلياوي (عبد الحفيظ بلياوي) كراچی: مير محمد كتب خانه: طبع اول ۱۹۵۰م

۲۱۳- مضاربیت اور بلا سود بینکاری (مولانا عبد الحق المعروف زیارت گل)
کراچی، مکتبہ غفوریہ، طبع اول، شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ

۲۱۴- المضاربة المشتركة، العثماني (مولانا محمد تقی عثمانی) بحث غیر
مطبوع

۲۱۵- معارف القرآن، تفہیم (مفتی محمد شفیع) کراچی، ادارۃ المعارف، طبع
جديد، جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ - اکتوبر ۱۹۹۴م

۲۱۶- معالم السنن مع سنن أبي داود، الخطابي (أبو سليمان الخطابي) لاہور،
المطبعة العربية، الطبعة الثانية، ۱۳۹۹ھ - ۱۹۷۲م

۲۱۷- المعايير الشرعية ۱۴۲۳ھ - ۲۰۰۲ء، الريئة (لہیئة المحاسبة والمراجعة
للمؤسسات المالية الاسلامی) البحرين

۲۱۸- المعجم الصغير، الطبرانی (أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبرانی
۳۶۰ھ - ۴۶۰ھ) بیروت، المكتب الاسلامی، الطبعة الأولى ۱۴۰۵ھ - ۱۹۸۵م

۲۱۹- المعجم الكبير، الطبرانی (أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبرانی ۳۶۰ھ - ۴۶۰ھ)
بغداد، دار العربية للطباعة

۲۲۰- معجم لغة الفقهاء، قلعه جی (محمد رواں قلعه جی) کراتشی، ادارۃ القرآن
والعلوم الاسلامیہ

۲۲۱- المعونة على مذئب عالم المدينة، البغدادي (القاضي عبد الوهاب البغدادي
المتوفى ۴۲۲ھ) المکتبة التجارية

۲۲۲- المجموع شرح المرنذب، النووی (أبو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف
النووی المتوفى ۶۷۶ھ) بیروت، دار الفکر

۲۲۳- السفنی، ابن قدامة (موفق الدین أبو محمد عبد الله بن أحمد بن محمد بن
قدامة المقدسی ۵۴۱ھ - ۶۲۰ھ) الرياض، دار عالم الكتب، الطبعة الثالثة

۱۴۱۷ھ - ۱۹۹۷م

۲۲۴- مفتی المحتاج، السرييني (الشيخ محمد السرييني) بیروت، دار احیاء
التراث العربی

۲۲۵- ملتقى الأبحر: الحلبي (العلامة إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي المتوفى ٩٥٦هـ) بيروت: مؤسسة الرسالة: الطبعة الأولى ١٤٠٩هـ - ١٩٨٩م

۲۲۶- منار السبيل: ابن ضويان (إبراهيم بن محمد بن سالم بن ضويان المتوفى ١٣٥٣هـ) الرياض: مكتبة المعارف الطبعة الثانية ١٤٠٥هـ

۲۲۷- المنتقى: شرح المؤطا: الباجي (القاضي أبو الوليد سليمان بن خلف بن سعد بن أيوب بن واث الباجي ٤٠٣هـ - ٤٩٤هـ) مصر: مطبعة السعادة: الطبعة الأولى ١٣٣٣هـ

۲۲۸- منتقى الإرادات: البرهوتى (منصور بن يونس البرهوتى ١٠٥١هـ) بيروت: دار الفكر

۲۲۹- المنجد فى اللغة: معلوف (لويس معلوف) ايران: انتشارات اسماعيليان الطبعة الحادى والعشرون ١٩٧٣م

۲۳۰- منح الجليل على مختصر العلامة خليل: عيسى (الشيخ محمد عيسى مالى) بيروت: دار الفكر

۲۳۱- المنهاج المعروف بشرح النووى (أبو زكريا مصطفى الدين يحيى بن شرف النووى) كراتشي: ادارة القرآن والعلوم الإسلامية الطبعة الأولى ١٤٠٨هـ

۲۳۲- المنهاج مع شرحه المفنى المحتاج: النووى (أبو زكريا يحيى بن شرف النووى) بيروت: دار احياء التراث العربى

۲۳۳- الموافقات: الشاطبى (أبو اسحاق إبراهيم بن موسى الفرناطى الشاطبى المتوفى ٧٩٠هـ) مصر: مطبعة المكتبة التجارية

۲۳۴- مواهب الجليل: الخطاب (أبى عبد الله محمد بن عبد الرحمن الخطاب) بيروت: دار الفكر ١٣٩٨هـ - ١٩٧٨م

۲۳۵- موسوعة جمال عبدالناصر: المجلس الأعلى للشؤون الإسلامية: القاهرة: الطبعة الأولى ١٣٩٠هـ

۲۳۶- الموسوعة الفقريية الكويت: وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية: الكويت: الطبعة الأولى ١٤١٤هـ - ١٩٩٤م

۲۳۷- المذهب: السيرازى (الإمام أبو اسحاق السيرازى) مصر: عيسى السابى

الحلبى وشرکاءه

- ۲۳۸- المقدمات الممهّدة ابن رشد (أبو الوليد محمد بن أحمد ابن رشد القرطبي المتوفى ۵۲۰هـ) بيروت: دار الغرب الاسلامى، الطبعة الأولى ۱۴۰۸هـ - ۱۹۸۸م
- ۲۳۹- موسوعة المصطلحات الاقتصادية والإحصائية: لفيكل (الدكتور عبدالعزیز فرسى لفيكل) بيروت: دار النهضة العربية، الطبعة ۱۹۸۰م
- ۲۴۰- موقف فقهاء الشريعة الإسلامية في التأمين: الضمير (الدكتور محمد الأمين الضمير) بحث غير مطبوع

(۶)

- ۲۴۱- النتح في الفتاوى: السفدى (أبو الحسن على بن الحسين بن محمد السفدى المتوفى ۴۶۱هـ) بغداد: مطبعة الإرشاد، الطبعة الأولى ۱۹۷۶م
- ۲۴۲- نصب الراية: الزيلعى (عبد الله بن يوسف أبو محمد الحنفى الزيلعى) مصر: دار الحديث، الطبعة الأولى ۱۳۵۷هـ بتعقيب العلامة محمد يوسف البنورى
- ۲۴۳- النظام الاقتصادى فى الإسلام: النبرهانى (الشيخ تقى الدين النبرهانى) بيروت: دار الأمة للطباعة والنشر والتوزيع، الطبعة الخامسة ۱۴۱۸هـ - ۱۹۹۷م
- ۲۴۴- نظرية الضرورة الشرعية: الزهيلي (الدكتور وحبة الزهيلي) بيروت: مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى ۱۴۰۲هـ - ۱۹۸۲م
- ۲۴۵- نظرية العقد: السنهورى (الدكتور عبدالرزاق أحمد السنهورى) بيروت: دار إحياء التراث العربى
- ۲۴۶- ترمية المحتاج: الرملى (شمس الدين محمد بن أبو العباس أحمد بن حمزة ابن ترماب الدين الرملى المتوفى ۱۰۰۴هـ) بيروت: دار إحياء التراث العربى
- ۲۴۷- نيل الأوطار: الشوكانى (الإمام محمد بن محمد الشوكانى المتوفى ۱۲۵۵هـ) مصر: مصطفى البابى الحلبي وأولاده، رجب ۱۳۴۷هـ

(۵)

- ۲۴۸- الهداية شرح بداية المبتدى: المرغينانى (برهان الدين أبو الحسن على بن أبى بكر المرغينانى) كراتشى: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، الطبعة الأولى ۱۴۱۷هـ

(۲)

۲۴۹- الوهيز، الفزالي (الإمام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الفزالي المتوفى ۵۰۵ھ) بيروت دار المعرفة، الطبعة الأولى ۱۳۹۹ھ

۲۵۰- الوسيط في المذهب، الفزالي (الإمام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الفزالي المتوفى ۵۰۵ھ) بيروت لبنان، دار الكتب العلمية، الطبعة الاولى ۱۴۲۲ھ-۲۰۰۱م

۲۵۱- الوسيط في شرح القانون المدني، السنهوري (الدكتور عبد الرزاق السنهوري) بيروت، دار إحياء التراث العربی الطبعة الاولى ۱۹۶۴م

ENGLISH BOOKS

- 252**– An introduction to Islamic Finance, Usmani, (Muhammad Taqi Usmani), Karachi, Idaratul Ma'arif, Edition May, 2000.
- 253**– Black's law dictionary, Black (Henry Campbell Black, M.A 1860 ... 1927) U.S.A, West publishing company, fifth edition.
- 254**– Chitty on contracts, Sweet and Maxwell LTD, London edition 24, 1977, vol. II.
- 255**– Economics a complete course, by Don Moynihan Brian Titly, Oxford press 1988.
- 256**– Economic Business decisions By F. Livesey, published By Macdonald and Evans, 1983.
- 257**– Encyclopedia of Islamic Banking and Finance, Institute of Islamic Banking and Finance (IIBI).
- 258**– Islamic and The Economic Challenge, Chepra, (Muhammad Umar Chapra) The Islamic Foundation and International Institute of Islamic Thought.
- 259**– Islamic Finance By Philip Moore, published By Al Barakah Investment and Development co, Dallah Al Barakah.
- 260**– Islamic Law of Business organization, Niyazee (Imran Ahsan Niyazee) International Institute of Islamic Thought and Islamic research Institute 1997.
- 261**– Rules For Ready Delivery Contracts of The Karachi Stock Exchange (Guarantee) Limited.
- 262**– The Concise Oxford Dictionary 7th edition 1982 edited by J.B. Sykes Oxford University Press, New York, U.S.A.
- 263**– The New Encyclopedia, The University of Chicago, Chicago, Edition 1998.
- 264**– Modern Economic Theory By Kewal Krishen Dewett, Sham Lal Charitable trust, Delhi.
- 265**– Profit and Loss sharing By Shahrukh Khan Published by Oxford University Press, First Edition 1987.